www.KitaboSunnat.com

اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّ

نے اپنی رحمت میں داخل کیا جب وہ غصہ سے بھرے ہوئے (بستی چھوڑ کر) چلے گئے انہیں یہ گمان تھا کہ ہم ان پر گرفت نہ کر سکیں گے، پھر انہوں نے اندھیروں میں پکارا کہ: "آپ کے سوا کوئی الٰہ نہیں آپ پاک ہیں میں ہی قصور وار تھا۔(۸۷) تب ہم نے ان کی دعا کو قبول کیا اور انہیں اس غم سے نجات دی اور ہم اسی طرح ایمان رکھنے والوں کو نجات [۷۸] دیا کرتے ہیں۔(۸۸) اور زکریا کو بھی، جب انہوں نے اپنے پروردگار کو پکارا: "اے میرے

ہے۔ حسبِ معمول قوم نے آپ کی دعوت کا انکار کیا۔ آپ نے قوم کے مسلسل انکار پر اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ اور جب قوم نے کہا کہ جس عذاب کی دھمکی دیتے ہو وہ لے کیوں نہیں آتے تو آپ نے از خود ہی انہیں چالیس دن بعد عذاب آنے کی وعید سنا دی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے چالیس دن کا کوئی وعدہ نہیں فرمایا تھا۔ پھر جب یہ مدت گزرنے کو ہوئی اور عذاب کی کوئی علامت نہ دیکھی تو غم اور غصہ کی وجہ سے وہاں سے فرار کی راہ اختیار کی تاکہ قوم انہیں جھوٹا نہ کہے۔ کشتی میں سوار ہوئے تو وہ ہچکولے کھانے لگی۔ کشتی والوں نے قرعہ ڈالا اور اس قرعہ کے نتیجہ میں سیدنا یونس کو سمندر میں پھینک دیا۔ ایک بہت بڑی مچھلی پہلے ہی منہ کھولے ہوئے تھی۔ اس نے آپ کو نگل لیا۔ مچھلی کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ آپ کو چبائے نہیں۔ اس طرح اس بڑی مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ اس دوران آپ ہر وقت اللہ کی تسبیح اور اپنے گناہوں کے اعتراف میں مشغول رہے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس مشکل سے نجات دی۔ اور مچھلی نے آپ کو بر لبِ ساحل اگل دیا۔ جب ذرا طاقت آئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو دوبارہ اسی قوم یعنی اہلِ نینوا کی طرف بھیجا۔

اب دوسری طرف صورت حال یہ پیش آئی کہ جب سیدنا یونس مفرور ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا یونس علیہ السلام کے قول کو پورا کر دیا اور وقت معینہ پر اہلِ نینوا کو عذاب کے آثار نظر آنے لگے تو وہ سب لوگ بچے، بوڑھے، جوان عورتیں مرد مل کر کھلے میدان میں نکل آئے اور اللہ کے حضور گڑگڑائے اور توبہ کی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ عذاب ٹال دیا۔ اللہ تعالیٰ کی سنت جاریہ میں یہ ایک ہی استثناء ہے کہ آیا ہوا عذاب ٹل گیا ہو۔ اب اس قوم کی طرف جب یونس علیہ السلام آئے تو وہ پہلے ہی نرم ہو چکی تھی۔ لہٰذا آپ کی تبلیغ کا خاطر خواہ فائدہ ہوا۔

[۷۸] یعنی اللہ تعالیٰ کو عاجزی سے پکارنے پر اللہ تعالیٰ کا سابقہ خطاؤں کو معاف کر کے مزید انعامات سے نوازنا سیدنا یونس علیہ السلام سے ہی مخصوص نہیں بلکہ جو بھی ایماندار لوگ ہمیں اس طرح پکاریں گے ہم انہیں مصائب سے نجات دیں گے۔ سیدنا یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا کرتے رہے ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ احادیث میں اس دعا کی بہت فضیلت آئی ہے اور امت نے شدائد و مصائب میں اس دعا کو بہت مجرب پایا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۗ اِنَّهُمْ
كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۗ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾
وَالَّتِىْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩١﴾

پروردگار! مجھے تنہا نہ چھوڑیں اور بہترین وارث[۷۹] تو آپ ہی ہیں"(۸۹) سو ان کی بھی ہم نے دعا قبول کی اور انہیں یحییٰ عطا کیا اور ان کی بیوی کو اولاد کے قابل بنا دیا یہ سب لوگ بھلائی کے کاموں کی طرف لپکتے تھے اور ہمیں شوق اور خوف سے[۸۰] پکارتے تھے اور یہ سب ہمارے آگے جھک جانیوالے تھے۔(۹۰) اور اس عورت کو بھی، جنہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی۔ پھر ہم نے اپنی روح سے ان کے اندر پھونکا[۸۱] اور انہیں اور ان کے بیٹے کو تمام اہل عالم کیلئے ایک نشانی بنا دیا[۸۲]۔(۹۱)

[۷۹] سیدنا زکریا علیہ السلام اور ان کا اولاد کے لئے اپنے پروردگار کو پکارنے کا ذکر پہلے سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۳۷ اور سورہ مریم کی ابتدا میں تفصیل سے گزر چکا ہے۔ وہاں سے حواشی دیکھ لئے جائیں۔

[۸۰] ❁ جنت کی امید اور متصوفین:۔ بعض صوفی حضرات کہا کرتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کی توقع یا اس کے عذاب کے خوف سے کرتا ہے وہ اصلی محب نہیں ہے اور اپنے اس نظریہ کو اتنا پھیلایا کہ عوام الناس بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے:

؎ سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے او بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

حالانکہ اللہ تعالیٰ انبیاء کی یہ صفت بیان فرما رہے ہیں کہ وہ ہمیں توقع اور خوف سے پکارا کرتے تھے۔ گویا اس آیت میں ایسے متصوفین کا مکمل رد موجود ہے۔ کیونکہ انبیاء سے بڑھ کر اللہ کا محب اور کون ہو سکتا ہے؟

[۸۱] ❁ سیدہ مریم اور سیدنا زکریا پر یہود کا الزام:۔ جب اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم کا پتلا بنا کر اسے سنوار لیا تو اس میں اپنی روح میں سے کچھ پھونکا جس سے انسان میں قوت ارادہ اختیار اور قوت تمیز و استنباط ودیعت کی گئی۔ پھر توالد و تناسل کے ذریعہ یہی اوصاف تمام اولاد آدم میں منتقل ہوئے اور یہ اوصاف ایسے ہیں جو کسی دوسری مخلوق میں نہیں پائے جاتے۔ بعد ازاں اللہ نے اپنی روح کو سیدہ مریم کے ہاں بھیجا۔ یہی روح سیدہ مریم کے سامنے متمثل ہو کر ایک تندرست انسان کی شکل بن گئی۔ اسی روح نے اپنے آپ کو سیدہ مریم علیہا السلام کے سامنے "تیرے پروردگار کا رسول" کہا اور اسی روح نے (جو مفسرین کے قول کے مطابق جبریلؑ تھے) سیدہ مریم سے کہا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ "تجھے ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں" چنانچہ اسی روح نے سیدہ مریم کے گریبان میں پھونک ماری جس سے سیدہ مریم کو حمل قرار پا گیا۔ (سورہ مریم) اسی واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بھی اور سورہ تحریم کی آیت نمبر ۱۲ میں ان الفاظ سے تعبیر فرمایا کہ "ہم نے مریم میں اپنی روح سے پھونکا" اسی لئے آپ کو روح اللہ و کلمۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی ہر مقام پر یہ وضاحت فرما دی کہ سیدہ مریم نے فی الواقع اپنی عصمت کی پوری پوری حفاظت کی تھی۔ ایسی وضاحتوں کے باوجود یہود نے سیدہ مریم پر تہمت زنا لگا دی اور اس کو سیدنا زکریا علیہ السلام سے منسوب کر دیا۔ صرف اس لیے کہ آپ علیہ السلام سیدہ مریم علیہا السلام کے کفیل تھے۔ یہ تو یہود کی کارستانی تھی اور نصاریٰ دوسری انتہا کر جا پہنچے اور انہوں نے سیدنا عیسیٰ کو اللہ یا اللہ کا بیٹا یا تین خداؤں میں کا تیسرا قرار دے دیا۔ گویا آپ کی اس معجزانہ پیدائش سے یہود و نصاریٰ غلو کا شکار ہو کر گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

[۸۲] ❁ سیدنا عیسیٰ کی بن باپ کے پیدائش کے منکرین:۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ ایسے پیدا ہو چکے ہیں جو

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ هَٰذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ ﴿٩٢﴾ وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُم بَيْنَهُمْ

یہ (انبیاء کی جماعت) ہی تمہاری امت ہے جو ایک ہی امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں لہٰذا میری ہی[۸۳] عبادت کرو۔(۹۲) اور لوگوں نے اپنے (دین کے) معاملہ کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا[۸۴] مگر ہر

سیدنا عیسیٰ کی بن باپ پیدائش کے قائل نہیں۔ اور یہ وہی طبقہ ہے جو جدید زمانے کی عقل پرستی سے ذہنی طور پر ہر وقت مرعوب رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ مریم میں فرمایا "تاکہ ہم اس (عیسیٰ کی پیدائش) کو لوگوں کے لئے ایک نشانی بنادیں" (۲۱:۱۹) اور اس مقام پر فرمایا کہ "ہم نے سیدہ مریم اور اس کے بیٹے دونوں کو جہان والوں کے لئے نشانی بنادیا" نیز سورہ مومنون کی آیت نمبر ۵۰ میں فرمایا: "اور ہم نے ابن مریم (سیدنا عیسیٰ) کو اور ان کی ماں کو نشانی بنادیا" اب ان حضرات سے سوال یہ ہے کہ اگر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش معمول کے مطابق ماں اور باپ دونوں کے ملاپ سے ہوئی تھی تو سیدہ مریم اور عیسیٰ ابن مریم دونوں لوگوں کے لئے یا جہان والوں کے لئے ایک نشانی کیسے بن سکتے تھے؟

[۸۳] ❁ سب انبیاء کی مشترکہ تعلیم کیا تھی؟:۔ اس مقام پر امت کا لفظ دین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ نیز اس آیت میں تمام بنی نوع انسان یکساں مخاطب ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انبیاء کے دین کے اصول ہمیشہ ایک ہی رہے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ہر چیز کا پروردگار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لہٰذا وہی عبادت کا مستحق ہے۔ اور اسی کو توحید کہتے ہیں۔ پھر اسی توحید کا لازمی نتیجہ یہ بھی تھا کہ اس توحید کو ماننے والوں اور صرف اللہ کی عبادت کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیا جائے اور اس کا خلاف کرنے والوں یعنی مشرکوں کو سخت سزا دی جائے۔ گویا روزِ آخرت اور جزا و سزا پر ایمان رکھنا بھی اسی عقیدہ توحید کے تسلیم کرنے کا تقاضا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ اور روزہ وغیرہ عبادت ہی کی اہم شکلیں ہیں۔ اور اللہ کی عبادت توقع اور خوف کے ساتھ کرنا چاہئے۔ اولاد اور رزق وغیرہ اللہ ہی سے طلب کرنا چاہئے۔ اور مشکل کے وقت صرف اللہ ہی کو پکارنا چاہئے، اسی سے فریاد کرنا چاہئے۔ انبیاء خود بھی کوئی بااختیار ہستیاں نہیں ہوتیں بلکہ وہ بھی ہر معاملہ میں اللہ ہی کی طرف رجوع کیا کرتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ یہ اصول دین سب انبیاء میں مشترک رہے ہیں۔ رہیں جزئیات تو ان جزئیات میں اس دور کے تقاضا کے مطابق اختلاف بھی واقع ہوتا رہا ہے۔

[۸۴] ❁ بزرگوں کی شان میں غلو اور شرکیہ عقائد کی اشاعت سے فرقہ بازی:۔ یہ دین کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے والے عموماً مذہبی پیشوا قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ خواہ یہ علمائے کرام ہوں یا مشائخ عظام اور اس سے ان کا مقصد عموماً حصول مال و جاہ ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیسیوں مقامات پر فرمایا کہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر، حاجت روا اور مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہی تمام انبیاء کا مشترکہ دین تھا۔ اب یہ حضرات یہ ثابت کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ انبیاء اور ہمارے بزرگان کرام سب ہی غیب کی خبریں جانتے ہیں اور اپنے اپنے مریدوں کے احوال پر حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ وہ بزرگ خواہ زندہ ہوں یا فوت ہو چکے ہوں۔ ان کو پکارا جائے یا ان سے فریاد کی جائے تو وہ بھی لوگوں کی فریادیں سنتے اور ان کی امداد کو پہنچ جاتے ہیں۔ ان باتوں پر وہ اپنا سارا زور صرف کرتے، ایسے واقعات اور قصے تراش کر انہیں عوام میں اتنا مشہور کر دیتے ہیں کہ وہ الٹا توحید پرستوں کی شامت لے آتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان کی گدیاں بحال رہیں اور نذرانے وصول ہوتے رہیں۔ لوگ ان کے در دولت پر حاضری دیتے رہیں۔ اور یہ حضرات انہیں مشکل کشائی اور حاجت روائی کے سبز باغ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ ﴿٩٣﴾ فَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهِ ۖ وَإِنَّا
لَهُ كَاتِبُونَ ﴿٩٤﴾ وَحَرَامٌ عَلَىٰ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿٩٥﴾ حَتَّىٰ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوجُ
وَمَأْجُوجُ وَهُم مِّن كُلِّ حَدَبٍ يَنسِلُونَ ﴿٩٦﴾ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ

ایک کو ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے(۹۳) پھر جو شخص نیک عمل کرے اور وہ مومن ہو۔ تو اس کی کوشش کی ناقدری نہیں ہوگی اور ہم اس (کے ہر عمل) کو لکھتے جارہے ہیں۔(۹۴) اور جس بستی کو ہم نے ہلاک کر دیا ہو اس کے لئے ممکن نہیں کہ وہ (ہمارے پاس)[۸۵] لوٹ کر نہ آئیں (بلکہ انہیں آنا پڑے گا)(۹۵) یہاں تک کہ یاجوج اور ماجوج[۸۶] کھول دیئے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے نیچے کو دوڑتے آئیں گے۔(۹۶)

اور سچا وعدہ (قیامت) نزدیک آجائے گا تو اس وقت کافروں کی آنکھیں یکایک پتھرا جائیں گی

دکھاتے رہیں اور قیامت کے دن شفاعت کر کے انہیں بخشوا دینے کا یقین دلاتے ہیں۔ کتاب و سنت کی رو سے یہ سب راہیں شیطانی راہیں ہیں۔ انبیاء کے مشترکہ دین کے خلاف ہیں۔

❁ بے کار بحثوں سے تفرقہ بازی اور علماء کا کردار:۔ پھر بعض دفعہ علماء کی طرف سے ایسی بحثیں چھیڑ دی جاتی ہیں جن کا دین سے کچھ تعلق نہیں ہوتا نہ ان کا دین میں کچھ مقام ہوتا ہے اور نہ ہی ان پر کوئی عملی فائدہ مرتب ہوتا ہے مثلاً یہ کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ اللہ تعالیٰ جو ہر چیز پر قادر ہے وہ جھوٹ بھی بول سکتا ہے یا نہیں؟ یا یہ کہ کوا حلال ہے یا حرام؟ یا نصاریٰ میں یہ ایک مسئلہ مدتوں زیر بحث رہا کہ عیسیٰ علیہ السلام خمیری روٹی کھایا کرتے تھے یا فطیری؟ یا اصحاب کہف کی تعداد کتنی تھی؟ پھر ایسے مسائل پر بحث و جدال اور مناظرے ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ دونوں طرف سے کتابیں بھی لکھی جاتی ہیں۔ اور یہ سب کچھ پوری قوم کے وقت کا ضیاع ہے۔ اور ایسے مسائل عموماً اس وقت علماء کی طرف سے کھڑے کئے جاتے ہیں جب قوم عملی انحطاط کا شکار ہو رہی ہو اور علماء کا عوام کی توجہ اپنی طرف مبذول رکھنا مقصود ہو۔ یہ سلسلہ بھی بالآخر فرقہ بازی پر منتج ہو جاتا ہے جو کتاب و سنت کی رو سے کفر و شرک اور اللہ کا عذاب ہے۔

[۸۵] اس آیت کے کئی مطلب بیان کئے جاتے ہیں اور وہ اپنی اپنی جگہ سب ہی درست معلوم ہوتے ہیں۔ ایک تو وہی ہے جو ترجمہ سے واضح ہے۔ بعض مجرم بستیوں کو ہم ہلاک کرتے ہیں۔ تو یہ ان کے جرائم کا پورا بدلہ نہیں ہوتا۔ انہیں قیامت کو یقیناً ہمارے پاس حاضر ہونا ہے۔ اس وقت ہم انہیں ان کے جرائم کی سزا دیں گے اور یہ ناممکن ہے کہ وہ ہمارے پاس نہ آئیں۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہم صرف اسی بستی کو ہلاک کرتے ہیں۔ جن کے متعلق ہمیں یقین ہوتا ہے کہ اپنے برے اعمال سے کبھی باز نہیں آئیں گے۔ اور تیسرا مطلب یہ ہے کہ ہلاک شدہ بستیوں کے لئے یہ ممکن نہیں ہوتا کہ ہم انہیں دوبارہ زندہ کر کے واپس دنیا میں بھیج دیں تاکہ وہ اب اچھے اعمال بجالا سکیں اور تلافی مافات کر سکیں۔

[۸۶] ❁ یاجوج ماجوج کی یورش اور علاماتِ قیامت:۔ اس آیت کا سابقہ آیت سے ربط یہ ہے کہ جس دن یاجوج ماجوج کو کھول دیا جائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی۔ اس وقت لازماً ان تباہ شدہ بستی والوں کو ہمارے حضور پیش ہونا پڑے گا۔ یہ ناممکن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۹۷﴾
اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ ؕ اَنْتُمْ لَهَا وٰرِدُوْنَ ﴿۹۸﴾ لَوْ كَانَ

(اور وہ کہیں گے) افسوس! ہم تو اس (سچے وعدہ) سے غفلت میں ہی پڑے رہے[۸۷] بلکہ ہم خطاکار تھے۔(۹۷) (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) تم بھی اور جنہیں تم اللہ کے سوا پوجتے رہے سب جہنم کا ایندھن[۸۸] ہیں۔ وہیں تم کو جانا ہے۔(۹۸) اگر

ہے کہ وہ ہمارے حضور پیش نہ ہوں۔ اس لحاظ سے پہلا مطلب ہی زیادہ درست معلوم ہوتا ہے۔

یاجوج ماجوج کے کچھ حالات تو سورہ کہف کی آیت نمبر ۹۴ کے تحت مذکور ہوئے ہیں۔ مزید یہ کہ سد ذوالقرنین کا زمین بوس ہونا اور یاجوج ماجوج کا حملہ آور ہونا قرب قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے:

سیدنا حذیفہ بن اُسید غفاری کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم آپس میں قیامت کے متعلق باتیں کر رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ: قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک تم یہ دس نشانیاں نہ دیکھ لو گے۔ پھر آپ نے بالترتیب ان سب کا ذکر فرمایا۔ دھواں، دجال کا خروج، دابۃ الارض کا ظاہر ہونا، آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا نزول، یاجوج ماجوج کی یورش، تین مقامات پر زمین کا دھنس جانا، مشرق میں، مغرب میں اور جزیرہ عرب میں اور ان نو نشانیوں کے بعد ایک آگ پیدا ہوگی جو لوگوں کو یمن سے نکالے گی اور انہیں ان کے اجتماع کے مقام (شام) کی طرف لے جائے گی۔ (مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ)

اور جب یہ دیوار ٹوٹے گی تو یاجوج ماجوج یوں حملہ آور ہوں گے جیسے کوئی شکاری جانور قفس سے آزاد ہو کر اپنے شکار پر جھپٹتا ہے یہ لوگ اپنی کثرت اور اژدھام کی وجہ سے ہر بلندی و پستی پر چھا جائیں گے۔ جدھر دیکھو انہی کا ہجوم نظر آئے گا۔ ان کا بے پناہ سیلاب ایسی شدت اور تیز رفتاری سے آئے گا کہ کوئی انسانی طاقت اسے روک نہ سکے گی۔ یوں معلوم ہوگا کہ ان کی افواج پہاڑ اور ٹیلوں سے پھسلتی اور لڑھکتی چلی آ رہی ہیں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ یاجوج ماجوج دونوں قومیں آپس میں متحد ہو کر ایسی شورش بپا کریں۔ یہ بھی عین ممکن ہے کہ یہ دونوں قومیں آپس میں ہی بھڑ جائیں پھر ان کی لڑائی ایک عالمگیر فساد کا موجب بن جائے۔

[۸۷] ۞ قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی:۔ یعنی یاجوج ماجوج کی یورش کے بعد جلد ہی قیامت بپا ہو جائے گی۔ قیامت کے واقع ہونے سے پہلے سب نیک لوگوں کو اٹھا لیا جائے گا۔ چنانچہ عبداللہ بن عمرو بن عاص فرماتے ہیں کہ قیامت ان لوگوں پر قائم ہوگی جو اللہ کی مخلوق سے بدترین ہوں گے۔ (مسلم، کتاب الامارۃ باب لاتزال طائفۃ من امتی-----) اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے جو روایت ہے اس میں شرار الخلق کے لئے بجائے شرار الناس کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی قیامت ان لوگوں پر آئے گی جو لوگوں میں سب سے بدتر ہوں گے (مسلم کتاب الفتن واشراط الساعۃ) تو یہ بدترین لوگ جب قیامت واقع ہونے کا منظر دیکھیں گے تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ اس وقت وہ حسرت و یاس سے کہیں گے کہ ہم تو بھولے ہی رہے۔ پھر خود ہی کہنے لگیں گے کہ یہ صرف بھول ہی نہیں بلکہ یہ ہماری خطا تھی کہ ہم نے پیغمبروں کی بات نہ مانی ورنہ انہوں نے تو سمجھانے میں کچھ کسر نہ چھوڑی تھی۔

[۸۸] ۞ معبودانِ باطل جہنم میں:۔ یعنی مشرکوں کو ان کے معبودوں یعنی بتوں سمیت جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور یہ بت عموماً پتھر کے ہوتے تھے۔ اسی مضمون کو اللہ نے سورہ بقرہ میں فرمایا ﴿وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ جہنم کا ایندھن آدمی بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا ؕ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۹۹﴾ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا
يَسْمَعُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ لَا

یہ (معبود) واقعی الٰہ ہوتے تو کبھی جہنم میں نہ جاتے ان سب کو ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا۔(۹۹) وہ وہاں اس طرح پھنکاریں گے کہ اس میں اور کوئی آواز نہ سن سکیں گے۔(۱۰۰) بلاشبہ جن لوگوں کے لئے ہماری طرف سے پہلے ہی بھلائی[۸۹] مقدر ہو چکی ہے وہ دوزخ سے دور رکھے جائیں گے۔(۱۰۱)

ہوں گے اور پتھر بھی اور ان معبودوں کو جہنم میں دیکھ کر ان کے پوجنے والوں کی تکلیف اور حسرت میں کئی گنا اضافہ ہو جائے گا۔ ایک اس لئے کہ جن معبودوں سے وہ کئی طرح کی توقعات وابستہ کئے ہوئے تھے وہ ایسے بے بس ثابت ہوئے کہ انہی کی طرح جہنم میں جل رہے ہیں اور دوسرے اس لئے کہ وہ جہنم کا ایندھن بن کر ان پجاریوں کے آگ کے عذاب کو مزید بھڑکانے کا باعث بن رہے ہیں۔

[۸۹] ۞ کون سے معبود جہنم سے بچائے جائیں گے:۔ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ مشرکین سب اپنے معبودوں سمیت جہنم کا ایندھن بنیں گے تو مشرک کہنے لگے کہ ہم تو ان بتوں کے علاوہ فرشتوں کو بھی پوجتے ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہود نے عزیر علیہ السلام کو معبود بنا رکھا ہے تو کیا یہ فرشتے اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عزیر علیہ السلام سب جہنم میں جائیں گے؟ اس سوال کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیا کہ جو شخص بھی خود یہ چاہتا ہو کہ اس کی عبادت کی جائے وہ یقیناً جہنم میں جائے گا۔ اور اسی سوال کا جواب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں نازل فرمایا اور ہر دو جواب کی رو سے فرشتے، سیدنا عیسیٰ علیہ السلام، سیدنا عزیر علیہ السلام اور ان کے علاوہ تمام ہستیاں بھی مستثنیٰ قرار دے دی گئیں۔ جو خود تو اللہ کے نیک بندے اور صرف اللہ ہی کے عبادت گزار تھے لیکن بعد میں لوگوں نے انہیں پوجنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ سیدنا نوح علیہ السلام کی قوم جن پانچ بتوں، ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر کو پکارتے تھے وہ حقیقتاً اللہ کے عبادت گزار بندے تھے۔ اور انہیں دیکھ کر اللہ یاد آتا تھا۔ بعد میں شیطان نے لوگوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ ان بزرگوں کے مجسمے بنا کر اپنے پاس رکھ لیا کرو تاکہ تمہیں اللہ کی عبادت میں وہی مزا آئے جو ان بزرگوں کی موجودگی میں آتا تھا۔ چنانچہ ابتداءً ان کے مجسمے اس غرض سے تراشے گئے تھے پھر بعد کے لوگوں نے انہی مجسموں کی عبادت شروع کر دی۔ (بخاری، کتاب التفسیر) اور اس طرح شیطان اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا اور بنی نوع انسان میں شرک کا آغاز ہوا۔

پھر شرک صرف یہی نہیں ہوتا کہ انسان کسی کے سامنے سجدہ کرے یا ایسے آداب بجالائے جو اللہ کے لئے مختص ہیں یا ان کے سامنے قربانی یا نذر و نیاز دے بلکہ کسی بھی چیز کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھ کر اسے پکارا جائے تو یہ بھی واضح شرک ہے۔ اور ایسے "بزرگوں" کی بھی اس دنیا میں کمی نہیں جو اس قسم کی تعظیم و تکریم کے متمنی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی فی الواقع جہنم کا ایندھن بنیں گے۔ اور جن لوگوں کو بعد میں معبود بنا دیا گیا حالانکہ وہ خود ان باتوں سے منع کرتے رہے انہیں جہنم کی ہوا بھی نہ لگے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ
الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ۚ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ
السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۚ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ ۚ وَعْدًا عَلَيْنَا ۚ إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ ﴿١٠٤﴾ وَلَقَدْ كَتَبْنَا
فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾ إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا

وہ اس کی آہٹ تک نہ[۹۰] سنیں گے اور وہ اپنی دل پسند نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے۔(۱۰۲) یہ انتہائی گھبراہٹ کا وقت انہیں غمگین نہیں کرے گا اور فرشتے آگے بڑھ کر ان سے ملیں گے (اور کہیں گے) یہی وہ دن[۹۱] ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔(۱۰۳) اس دن ہم آسمان کو یوں لپیٹ دیں گے جیسے تحریروں کا طومار لپیٹ دیا جاتا ہے۔ جس طرح ہم نے تمہاری تخلیق کی ابتدا کی تھی اسی طرح اس کا اعادہ[۹۲] کریں گے۔ یہ ہمارے ذمہ ایک وعدہ ہے اور ہم یہ کر کے رہیں گے(۱۰۴) اور زبور میں ہم نے نصیحت کے بعد یہ لکھ دیا تھا کہ زمین کے وارث[۹۳] میرے نیک بندے ہوں گے۔(۱۰۵)

[۹۰] ان آیات میں مشرکوں اور ان کے معبودوں کے انجام کے مقابلہ میں نیک لوگوں کے احوال کا ذکر کیا گیا ہے۔ خواہ انہیں کسی نے معبود بنا رکھا تھا یا نہیں۔ ایسے لوگ جہنم سے اتنے دور رکھے جائیں گے کہ وہ اہل دوزخ کی کسی قسم کی چیخ و پکار یا آہٹ تک نہ سننے پائیں گے اور ان سے بہت دور رہ کر اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے اپنی حسب پسند نعمتوں کے مزے اڑائیں گے۔

[۹۱] قیامت کے دن گھبراہٹوں سے وہ قطعاً پریشان حال نہ ہوں گے بلکہ انہیں مکمل اطمینان میسر ہوگا۔ اس لئے یہ سب کچھ ان کے عقائد اور ان کی توقعات کے مطابق ہو رہا ہوگا۔ فرشتے آکر انہیں سلام کریں گے اور جنت میں داخل کرنے کے لئے خود ان کے استقبال کو آئیں گے اور کہیں گے کہ جس دائمی راحت و مسرت کا دنیا میں تم سے وعدہ کیا جاتا رہا آج اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا ہے۔

[۹۲] ❁ کائنات کا انجام کیا اور کیسے ہوگا؟ یعنی آسمانوں کی بساط لپیٹ دی جائے گی۔ اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرمایا: ﴿وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ﴾ یعنی تمام آسمانوں کو لپیٹ کر اللہ تعالیٰ اپنے دائیں ہاتھ میں لے گا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق کا آغاز کیا تھا اسی طرح موجودہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز کو ختم کر کے نئی زمین، نئے آسمان اور نئی کائنات کو وجود میں لایا جائے گا۔

[۹۳] ❁ صالحین کی نئی تعبیر۔۔۔ خلافتِ ارضی اور صالحین کی بحث:۔ اس آیت کے معنی کی بعض اہل مغرب کے شیدائیوں نے نہایت غلط تعبیر پیش کی ہے۔ وہ اس آیت میں صالحون سے مراد اللہ تعالیٰ کے فرمانروا اور نیک بخت بندے مراد نہیں لیتے بلکہ ان کے نزدیک صالحون سے مراد صلاحیت رکھنے والے لوگ ہیں۔ یعنی جو لوگ بھی اس وقت روئے زمین پر حکمرانی کر رہے ہیں یا حکمران کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ وہی اللہ کے نزدیک صالح ہیں۔ خواہ وہ بدکردار ہوں، کافر ہوں حتیٰ کہ اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ

بلاشبہ اس (ارشاد الٰہی) میں عبادت گزاروں [۹۴] کے لئے ایک بڑی خبر ہے۔(۱۰۶) اور ہم نے آپ کو تمام دنیا والوں کے لئے رحمت [۹۵] بنا کر بھیجا ہے۔(۱۰۷) آپ ان سے کہہ دیجئے کہ: "میری طرف جو وحی کی جاتی ہے وہ

تعالیٰ کی ہستی کے بھی منکر ہوں اور یہ نظریہ کتاب و سنت کی مجموعی تعلیم کے سراسر منافی ہے۔ حالانکہ اس آیت اور اس سے پہلی آیات میں اخروی زندگی اور جنت کا ذکر ہو رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جنت اور جنت کی زمین کے وارث صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اللہ کے فرمانبردار اور صالح لوگ ہیں اور اس معنی کی تائید سورہ زمر کی درج ذیل آیت سے بھی ہو جاتی ہے:

﴿وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ﴾ (۳۹:۷۴)

"اور اہل جنت کہیں گے کہ ہر طرح کی تعریف اللہ کو سزاوار ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور ہمیں زمین کا وارث بنا دیا ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں وہیں رہتے ہیں"

رہی اس دنیا کی وراثت تو اس کے متعلق فرمایا:

﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ﴾ (۷:۱۲۸) "زمین اللہ تعالیٰ ہی کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے" گویا اس موجودہ دنیا میں زمین کی وراثت کے لئے ضروری نہیں کہ وہ نیک لوگوں کو ہی ملے۔ بلکہ بدکردار اور فاسق و فاجر بھی اس پر قابض ہو سکتے ہیں۔

ہاں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ضرور ہے کہ جو ایماندار اپنے دعوے ایمان میں اور صالح اعمال کرنے میں سچے اور مخلص ہیں۔ حق و باطل کے معرکہ میں اللہ انہیں ہی کامیاب کرتا ہے۔

❁ خلافت ارضی کے لئے شرائط:۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (۳:۱۳۹) "اور اگر تم (اپنے اقوال و اعمال میں) مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے" اور ایسے ہی لوگوں کے حق میں اللہ نے فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (۲۴:۵۵)

"تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کئے ان سے اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ایسے ہی خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا"

یعنی اللہ تعالیٰ کا وعدہ نام نہاد مسلمانوں کے لئے حکمرانی کا نہیں بلکہ سچے ایمانداروں اور فرمانبرداروں سے خلافت ارضی کا وعدہ ہے جو اقتدار ملنے کے بعد دنیادار قسم کے حکمران نہیں بلکہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام خلافت قائم کرنے والے ہوں۔

[۹۴] یعنی عبادت گزاروں کے لئے ان آیات میں ایک بڑی خوشخبری ہے کہ اگر وہ ان آیات پر عمل پیرا ہوں گے تو یقیناً اپنی منزل مقصود کو پالیں گے۔

[۹۵] ❁ آپ ﷺ اہل جہان کے لئے رحمت کیسے ہیں؟۔ اس آیت کا دوسرا معنی یہ ہے کہ یہ جہان والوں پر اللہ تعالیٰ کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ

یہ ہے کہ تمہارا الٰہ صرف ایک ہی الٰہ ہے۔ پھر کیا تم سر تسلیم خم[۹۶] کرتے ہو؟" (۱۰۸)
پھر اگر وہ منہ موڑلیں تو ان سے کہئے کہ: "میں نے تم سب کو علی الاعلان[۹۷] خبردار کر دیا ہے۔ اور میں نہیں

رحمت ہے کہ اس نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ مطلب دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے کہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات اور آپ کی بعثت دراصل پوری نوع انسانی کے لئے رحمت ہے۔ آپ ہی کے ذریعہ غفلت میں پڑی ہوئی اور راہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو ایسا علم نصیب ہوا جو حق و باطل کی راہوں کو ممیز کر کے سیدھی راہ دکھاتا اور اس پر چلاتا ہے۔ جس سے انسان نے دنیا کی زندگی اچھے طور پر گزارنے کے اصول اور ڈھنگ سیکھے۔ پھر اس راہ پر چلنے سے انسان کی اخروی زندگی بھی سنور جاتی ہے۔ آپ کی یہ مہربانی تو ان لوگوں پر تھی جو آپ پر ایمان لائے اور بدکرداروں اور کافروں کے لئے آپ کی ذات باعث رحمت تھی چنانچہ ارشادِ باری ہے ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ (۸: ۳۳) یعنی "جب تک آپ ان کافروں کے درمیان موجود ہیں اللہ ان پر عذاب نازل نہیں کرے گا" علاوہ ازیں آپ ہی کی دعا کی وجہ سے خسف اور مسخ اور بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے والے عذاب موقوف ہوئے اور مسلمانوں پر آپ کی رحمت کی داستان تو اتنی طویل ہے جس کا حصر یہاں ممکن نہیں۔ قرآن نے واضح الفاظ میں بتادیا کہ آپ مومنوں کے حق میں رحمت بھی تھے اور رحیم بھی۔

کفار مکہ آپ کی بعثت کو اپنے لئے ایک مصیبت سمجھتے اور کہتے تھے کہ اس شخص نے ہماری قوم میں پھوٹ ڈال دی ہے اور باپ سے بیٹے کو اور بھائی سے بھائی کو غرض سب قریبی رشتہ داروں کو ایک دوسرے سے جدا کر کے رکھ دیا ہے۔ ان کے اسی قول کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نادانو! جس ہستی کو تم مصیبت سمجھ رہے ہو۔ مسلمان تو درکنار وہ تمہارے لئے بھی اللہ کی رحمت ہے۔ کیونکہ علوم نبوت اور تہذیب و انسانیت کے جو اصول وہ پیش کر رہا ہے ان سے سب مسلم و کافر اپنے اپنے مذاق کے موافق مستفید ہو رہے ہیں۔

[۹۶] جہاں والوں کے لئے آپ ﷺ کے رحمت ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ لوگوں کو زندگی بھر تکلیفیں سہہ سہہ کر بحکمِ الٰہی خالص توحید کی دعوت دیتے رہے۔ اور مؤحد کے لئے اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ اسے آخرت میں ایک نہ ایک دن ضرور دوزخ کے عذاب سے نجات مل جائے گی خواہ وہ کتنا ہی گنہگار ہو۔ درج ذیل حدیث اسی آیت کی وضاحت کرتی ہے۔

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "میری اور لوگوں کی مثال اس شخص جیسی ہے جس نے آگ روشن کی اور جب اس کی روشنی اردگرد پھیل گئی تو کیڑے اور پتنگے اس آگ میں گرنے لگے۔ اب وہ شخص انہیں آگ سے دور ہٹانے لگا (تاکہ جلنے سے بچ جائیں) مگر وہ مانتے ہی نہیں اور اس آگ میں گھستے، گرتے اور مرتے جاتے ہیں۔ اسی طرح میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ کر تمہیں آگ سے دور کھینچتا ہوں اور کہتا ہوں کہ دوزخ سے بچ جاؤ لیکن لوگ ہیں کہ سنتے ہی نہیں اور اس میں گرے پڑتے ہیں" (بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب الانتهاء عن المعاصی)

[۹۷] اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَاءٍ کا معنی یہ ہے کہ میں نے تم کو برابری کی سطح پر خبردار کر دیا ہے۔ یعنی تمہیں دو باتوں میں سے کسی بھی ایک کا اختیار ہے۔ چاہے میری دعوت کو قبول کرلو اور چاہے تو انکار کر دو۔ انکار کی صورت میں تم پر عذاب آئے گا ضرور،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَقَرِيبٌ أَمْ بَعِيدٌ مَّا تُوعَدُونَ ﴿١٠٩﴾ إِنَّهُ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُونَ ﴿١١٠﴾
وَإِنْ أَدْرِي لَعَلَّهُ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿١١١﴾ قَالَ رَبِّ احْكُم بِالْحَقِّ ۗ وَرَبُّنَا
الرَّحْمَٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١١٢﴾ ع

النصف ع ۵

جانتا کہ جو وعدہ تم سے کیا جاتا ہے وہ نزدیک ہے یا دور۔(۱۰۹) اللہ تعالیٰ وہ باتیں بھی جانتا ہے جو بآواز بلند کی جاتی ہیں اور وہ بھی جنہیں تم چھپا کر کرتے ہو۔(۱۱۰) اور میں نہیں جانتا کہ شاید یہ (عذاب میں تاخیر) تمہارے لئے ایک فتنہ ہو[۹۸] اور تمہیں ایک معینہ مدت تک مزے اڑانے کا موقع دیا جارہا ہو۔(۱۱۱) (آخر کار) پیغمبر نے کہا: "اے میرے پروردگار! حق کے ساتھ فیصلہ کردے۔ اور (لوگو!) جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس کے مقابلہ میں ہمارا پروردگار رحمٰن ہی ہے جس سے مدد[۹۹] طلب کی جاسکتی ہے"(۱۱۲)

لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ عذاب کب آئے گا؟ جلد آئے گا یا دیر سے آئے گا کیونکہ میں عالم الغیب نہیں ہوں۔

[۹۸] البتہ یہ بات ضرور کہوں گا کہ اگر تم پر عذاب آنے میں تاخیر ہو رہی ہے تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا کہ تم سچے ہو اور اللہ تم سے راضی ہے۔ بلکہ یہ تاخیر تمہارے گناہوں میں اضافہ کا سبب بن کر تمہارے حق میں وبالِ جان بن سکتی ہے۔ الا یہ کہ تم اس دوران سنبھل جاؤ اور ہوش کے ناخن لو۔

[۹۹] ۞ انبیاء کی اپنی قوم سے مایوسی پر دعا:۔ اکثر انبیاء جب اپنی زندگی بھر اللہ کی طرف دعوت دینے کے بعد کافروں کی طرف سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے ایسی ہی یا ان الفاظ سے ملتے جلتے الفاظ میں دعا کی کہ یا اللہ! اب تو ہی ان کافروں کے اور ہمارے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ فرمادے۔ چنانچہ اس رسول (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی کافروں کو مخاطب کر کے فرمایا: کہ جس طرح تم اللہ کی آیات کا مذاق اڑاتے رہے ہو اور مسلمانوں کو اپنی تضحیک اور ظلم و ستم کا نشانہ بناتے رہے ہو تو اس کے ردِ عمل کے طور پر ہم اپنے پروردگار کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں جو نہایت مہربان ہے اور ایسے مشکل اوقات میں اسی سے مدد طلب کرنا چاہئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ
۷۸ آیاتها رکوعها ۱۰
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝۱ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ
مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَ
مَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝۲ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ

کلمات ۱۲۸۳ آیت ۷۸ (۲۲) سورہ الحج مدنی ہے (۱۰۳) رکوع ۱۰ حروف ۵۴۲۲

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرتے رہو بلاشبہ قیامت کا زلزلہ بڑی (ہولناک) چیز ہے۔(۱) اس دن تم دیکھو گے کہ ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ کا حمل گر جائے گا اور تو لوگوں کو مدہوش دیکھے گا حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب[۱] ہی بڑا سخت ہوگا۔(۲)

[۱] علم ہیئت کے موجودہ نظریہ کے مطابق ہماری زمین سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ سورج سے زمین کا فاصلہ ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل ہے۔ اور زمین سورج کے گرد جتنے عرصہ میں ایک چکر ختم کرتی ہے اسے ہم سال کا عرصہ کہتے ہیں۔ اس حساب سے ہماری زمین سورج کے گرد چھیاسٹھ ہزار چھ سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھوم رہی ہے۔ پھر اس فضائے بسیط میں صرف ہماری زمین ہی محوِ گردش نہیں بلکہ تمام سیارے اسی طرح گردش میں مصروف ہیں۔ ان سب کے مدار الگ الگ ہیں اور ان سیاروں میں کششِ جذب وانجذاب رکھ دی گئی ہے۔ جن کی وجہ سے ان میں ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا۔ اور یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے کنٹرول اور اس کی تدبیر کے تحت ہو رہے ہیں۔ ہر سیارہ اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین کی اس شدت سے پابند ہے کہ ان کی رفتار میں سرِ مو فرق آتا ہے اور نہ ہی ان میں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے اور یہ سب ایسے امور ہیں جنہیں ہر انسان بچشمِ خود دیکھ رہا اور ان کی شہادت دے رہا ہے۔ قربِ قیامت کی علامات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ سورج مشرق کے بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ بالفاظ دیگر سورج الٹی چال چلنے لگے گا۔ جسے ہم موجودہ نظریہ کے مطابق یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ زمین الٹی چال چلنے لگے گی اور بعض سیاروں کے الٹی چال چلنے کا نظریہ ہیئت دانوں میں معروف ہے۔ بطلیموسی نظریہ کے مطابق پانچ سیارے زحل، مشتری، مریخ، زہرہ، عطارد ایسے ہیں جو سیدھی چال چلتے چلتے الٹی چال چلنے لگتے ہیں۔ پھر کچھ مدت بعد سیدھی چال چلنے لگتے ہیں۔ اور ان سیاروں کو "خمسہ متحیرہ" کہتے ہیں۔ الٹی چال چلنے اور پھر سیدھی چال پر رواں ہونے کی تصدیق قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے بھی ہو جاتی ہے۔

﴿فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ﴾ (۸۱:۱۵۔۱۶) "سو میں ان ستاروں کی قسم کھاتا ہوں جو سیدھی چال چلتے چلتے یکدم پیچھے ہٹ جاتے ہیں (اور) ان کی جو سیدھی چال چلتے تھوڑا سے ہٹ جاتے ہیں (اور ان کی بھی) جو غائب ہو جاتے ہیں"

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۞ قیامت کیسے بپا ہوگی اور سیاروں کا آپس میں ٹکرا جانا اور اس کی دہشت:۔ پھر جب اللہ تعالیٰ قیامت بپا کرنے کا ارادہ فرمائے گا تو صرف اتنا ہی ہوگا کہ کسی ایک سیارہ سے کششِ جذب وانجذاب کو سلب کرلے اور ہماری زمین کسی دوسرے سیارے سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ اب آپ اندازہ فرمایئے کہ اگر دو ریل گاڑیاں یا دو تیز رفتار بسیں آپس میں ٹکرا جائیں تو کیا حشر بپا ہوتا ہے۔ اور جب ہماری زمین جو چھیاسٹھ ہزار چھ سو میل فی گھنٹہ کی سی برق رفتاری سے محوِ گردش ہے۔ کم و بیش اسی رفتار والے سیارے سے ٹکرا جائے گی تو کیا حشر بپا ہوگا۔ یہی منظر ان دو آیات میں پیش کیا گیا ہے کہ اس دھماکہ کی دہشت سے ہر حاملہ کا حمل ساقط ہو جائے گا اور لوگ یوں مخبوط الحواس ہو جائیں گے جیسے کوئی نشہ آور چیز پی رکھی ہے۔ اس منظر کی ہولناکی کو بعض دوسری آیات میں یوں پیش کیا گیا ہے "اس وقت زمین کو ریزہ ریزہ اور پاش پاش کر دیا جائے گا" (۸۹:۲۱) "زمین اپنے خزانے جیسے تیل، گیسیں اور معدنیات وغیرہ اپنے اندر سے نکال کر باہر پھینک دے گی اور خالی ہو جائے گی" (۸۴:۴) پہاڑ دھنکی ہوئی روئی کی طرح اڑتے پھریں گے اور لوگ یوں بدحواس ایک دوسرے پر پڑتے ہوں گے جیسے روشنی کے گرد پتنگے گرے پڑتے ہیں (۱۰۱:۴۔۵) غرض قیامت کے واقع ہونے پر دہشت اور ہولناکی کے منظر کو قرآن میں اور بھی بہت سے مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔

قیامت کا دن دراصل ایک طویل دور کا نام ہے اور از روئے قرآن اس دن کی مدت ہمارے موجودہ حساب کے مطابق پچاس ہزار سال ہے۔ اس طویل عرصہ میں کئی اوقات ایسے آئیں گے جن کی دہشت اور ہولناکی اور گھبراہٹ اسی طرح کی ہوگی۔ چنانچہ درج ذیل حدیث میں جس دہشت اور گھبراہٹ کا ذکر ہے وہ یقیناً قیامت کے بپا ہونے کا موقع نہیں بلکہ کوئی اور ہی وقت ہے۔ اور اس دہشت اور گھبراہٹ کا سبب بھی قیامت کا زلزلہ یا دھماکہ نہیں بلکہ اس کا سبب جہنم میں جانے کا خدشہ ہے۔

۞ یاجوج ماجوج کا جہنم میں حصہ:۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آدم علیہ السلام سے فرمائیں گے اے آدم! "وہ کہیں گے" پروردگار! میں حاضر ہوں جو ارشاد ہو" پھر ایک فرشتہ آواز سے پکارے گا "اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں کہ اپنی اولاد سے دوزخ جانے والوں کا حصہ نکالو" وہ عرض کریں گے: پروردگار! دوزخ کے لئے کتنا حصہ (نکالوں؟) راوی کہتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک ہزار میں سے نو سو ننانوے" یہ ایسا سخت وقت ہوگا کہ حاملہ اپنا حمل گرا دے گی اور بچہ بوڑھا ہو جائے گا اور تم لوگوں کو مدہوش دیکھو گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہی بڑا سخت ہوگا" یہ بات صحابہ پر بہت دشوار گزری اور ان کے چہرے متغیر ہو گئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ: نو سو ننانوے تو یاجوج وماجوج سے ہوں گے اور ایک تم سے ہوگا۔

۞ اہلِ جنت کا نصف امتِ مسلمہ ہوگی:۔ پھر تم تو تمام خلقت میں ایسے ہو گے جیسے کسی سفید بیل کے پہلو میں ایک کالا بال ہو یا کسی کالے بیل کے پہلو میں ایک سفید بال ہو۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ تم سب لوگ اہل جنت کا چوتھا حصہ ہو گے" (یہ سن کر خوشی سے) ہم نے اللہ اکبر کہا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم جنت کا تیسرا حصہ ہو گے" ہم نے پھر اللہ اکبر پکارا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اہل جنت کا آدھا حصہ ہو گے" ہم نے پھر اللہ اکبر کہا۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۙ﴿۳﴾ كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ
وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا
خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ
مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۭ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَاۗءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ

اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے بارے[۲] میں بغیر علم کے بحث کرتے اور[۳] ہر سرکش شیطان کی اتباع کرنے لگتے ہیں۔(۳) ایسے لوگوں کی قسمت میں یہ لکھ دیا گیا ہے جو شخص شیطان کو اپنا دوست بنائے گا، وہ اسے گمراہ کر کے چھوڑے گا اور جہنم کے عذاب کی راہ دکھائے گا۔(۴)

لوگو! اگر تمہیں موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے[۴] میں کوئی شک ہے تو (تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ سے، پھر خون کے لوتھڑے سے، پھر گوشت کی بوٹی سے جو منقش بھی ہوتی ہے اور نقش کے بغیر بھی، تاکہ ہم تم پر (اپنی قدرت کو) واضح کر دیں۔

پھر ہم جس نطفہ کے متعلق چاہتے ہیں اسے رحموں میں ایک خاص مدت تک جمائے رکھتے ہیں، پھر تمہیں بچہ

[۲] ۞ اللہ اور اس کی صفات میں جھگڑا:۔ اس سورت کے آغاز میں جو قیامت کے بپا ہونے کے وقت کی دہشت کا ذکر کیا گیا ہے یہ بطور تمہید ہے اور اس سے اصل مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ کے عذاب سے ڈرا کر ان باتوں سے پرہیز کی تلقین کی جائے جو اللہ کے غضب کا موجب بنتی ہیں۔ جیسا کہ مشرکین مکہ نے اللہ تعالیٰ کے جملہ اختیارات و تصرفات کو اپنے بتوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ اس آیت میں فی اللہ سے مراد اللہ کی ہستی نہیں ہے۔ کیونکہ مشرکین اللہ کی ہستی کے قائل تھے۔ جھگڑا صرف اس بات میں تھا کہ مشرکین یہ کہتے تھے کہ ہمارے معبودوں کو بھی حاجت روائی اور مشکل کشائی کے کچھ نہ کچھ اختیارات حاصل ہیں جب کہ وحی الٰہی ان کے اس عقیدے کی مکمل تردید کر دیتی تھی۔

[۳] یعنی جو بھی شیطان یا شیطان سیرت انسان انہیں کسی شرکیہ فعل یا بدعی عقیدہ و عمل کی دعوت دیتا ہے تو اسے یوں تسلیم کرتے ہیں جیسے پہلے ہی اس کی اتباع کرنے کو تیار بیٹھے تھے۔ حالانکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ جو شخص بھی شیطان کی رفاقت کا دم بھرے گا اور اس کی اتباع کرے گا تو وہ اسے ایسا گمراہ کرے گا کہ اسے جہنم میں پہنچا کے چھوڑے گا۔

[۴] ۞ توحید باری تعالیٰ پر دلائل:۔ مشرکین مکہ سے اولین جھگڑا تو ان کے بتوں کے خدائی اختیارات سے تعلق رکھتا تھا اور دوسرا جھگڑا یہ تھا کہ دین ابراہیمی کے پیروکار ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود بعث بعد الموت کا یقین نہیں رکھتے تھے لہٰذا اب ایسے دلائل دیئے جا رہے ہیں جو بعث بعد الموت پر پوری رہنمائی کرتے ہیں۔

سب سے پہلی دلیل تو انسان کا اپنا وجود ہے۔ آدم کے پتلے کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنایا۔ مٹی بے جان چیز ہے۔ جب اس میں اللہ نے اپنی روح پھونکی تو وہ جیتا جاگتا انسان بن گیا۔ پھر آگے توالد و تناسل سے آدم کی اولاد پھیلی۔ اب جو چیزیں یا غذائیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

انسان کھاتا ہے وہ سب زمین سے حاصل ہوتی ہیں۔ انہیں غذاؤں سے کہیں انسان کا گوشت بنتا ہے، کہیں ہڈیاں، کہیں عضلات بنتے ہیں پھر اسی غذا سے نطفہ بھی بنتا ہے اور اس نطفہ کے ایک قطرہ میں ہزاروں جاندار جرثومے ہوتے ہیں۔ اب دیکھئے زمین بھی بے جان چیز ہے اور یہ غذائیں جو انسان نے استعمال کیں وہ بھی بے جان تھیں۔ لیکن اللہ نے انہی بے جان چیزوں سے زندہ اور متحرک جراثیم پیدا کر دیئے۔ پھر ان ہزاروں جرثوموں میں کوئی ایک آدھ جرثومہ عورت کے خلیہ بیضہ سے ملتا ہے تو انسان کی تخلیق کا عمل شروع ہو جاتا ہے وہ بھی اس صورت میں کہ اللہ کو منظور ہو۔ ورنہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ مرد اور عورت کے ملاپ کے بعد بھی حمل قرار نہیں پاتا۔ حالانکہ مرد اور عورت دونوں کے نطفہ میں پوری پوری صلاحیت موجود ہوتی ہے۔

❁ رحمِ مادر میں انسان کی تخلیق:۔ پھر رحم مادر کے تہ بہ تہ اندھیروں میں انسان کی جس طرح تخلیق ہوتی ہے اور جن جن مراحل سے وہ گزرتا ہے ان میں سے اللہ نے صرف ان مراحل کا ذکر فرمایا ہے جو بالعموم عام انسانوں کے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں اور اس مشاہدہ کی صورت اسقاطِ حمل ہے۔ نطفہ کے بعد جما ہوا خون، پھر اس کے بعد جما ہوا خون گوشت کے لوتھڑے میں تبدیل ہوتا ہے۔ مگر اس پر کسی قسم کا کوئی نقش نہیں ہوتا۔ پھر اس گوشت کے لوتھڑے میں آنکھ، ناک، کان، ہاتھ، پاؤں وغیرہ سب اعضاء کے نقوش بننے لگتے ہیں پھر اسی لوتھڑے میں ہڈیاں اور عضلات بنتے چلے جاتے ہیں تا آنکہ مقررہ وقت کے بعد انسان کا بچہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ چاہے تو وہ لڑکا بن جاتا ہے اور چاہے تو لڑکی بن جاتی ہے اور سب امور اور مراحل اللہ کی زبردست نگرانی میں طے ہوتے جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے۔

سیدنا انس کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے عورت کے رحم پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے، جو کہتا ہے، پروردگار! اب نطفہ پڑا۔ پروردگار اب یہ خون بن گیا۔ پروردگار اب یہ لوتھڑا بن گیا پھر جب اللہ اس کی پیدائش کے متعلق فیصلہ کر دیتا ہے تو فرشتہ پوچھتا ہے کہ یہ مرد ہے یا عورت؟ بدبخت ہے یا نیک بخت؟ اس کی روزی کیا ہے؟ اور اس کی عمر کیا ہے؟ پھر ماں کے پیٹ میں ہی یہ سب کچھ لکھ دیا جاتا ہے۔" (بخاری کتاب الحیض۔ باب قول اللہ مخلّقة وغیر مخلّقة)

❁ بعث بعد الموت پر سب سے بڑی دلیل انسان کی اپنی پیدائش ہے:۔ اب انسان کی غفلت شعاری کا یہ حال ہے کہ کوئی کارنامہ خواہ کتنا ہی محیر العقول ہو اگر وہ عادت بن چکا ہو تو اس میں غور کرنے کی زحمت تک گوارا نہیں کرتا۔ مگر اس جیسی یا اس سے کم محیر العقول بات جو ابھی وقوع پذیر نہ ہوئی ہو اس کا فوراً انکار کر دیتا ہے۔ بعث بعد الموت کا واقعہ انسان کی اپنی پیدائش سے کچھ زیادہ محیر العقول نہیں ہے۔ لیکن انسان کا انکار صرف اس بنا پر ہوتا ہے کہ وہ ابھی وقوع پذیر نہیں ہوا۔

پھر یہ بات کیا کم حیرت انگیز ہے کہ جب انسان کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو جوانی تک اس کے جسم، اس کی عقل اور اس کی قوت ہر چیز میں اضافہ ہوتا جاتا ہے لیکن جوانی کے بعد انسان وہی پہلی سی غذائیں بلکہ پہلے سے اچھی غذائیں کھاتا ہے۔ لیکن اس کی عقل اور قوت میں کمی واقع ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ اس کا قد و قامت ایک مقررہ حد تک جا کر رک جاتا ہے پھر اس میں انحطاط رونما ہونے لگتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اعضاء کے اضمحلال کے علاوہ اس کی عقل بھی ماؤف ہو جاتی ہے، سیکھی ہوئی باتیں بھول جاتا ہے اور بہکی بہکی بچوں کی سی باتیں کرنے لگتا ہے کیا یہ شواہد ایسے نہیں ہیں کہ جو کچھ اللہ چاہتا ہے وہی کچھ ہوتا ہے نیز یہ کہ جو کچھ اللہ چاہتا ہے وہ اس کے کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے؟ پھر آخر بعث بعد الموت سے انکار کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ
لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۭ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا
الْمَاۗءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا ۙ

بنا کر نکالتے ہیں، پھر (تمہاری پرورش کرتے ہیں) تاکہ تم اپنی بھرپور جوانی کو پہنچو۔ پھر تم میں سے کسی کی تو روح قبض کرلی جاتی ہے اور کسی کو بدترین عمر (انتہائی بڑھاپے) تک زندہ رکھا جاتا ہے تاکہ وہ سب کچھ جاننے کے بعد پھر کچھ نہ جانے۔ اور تم دیکھتے ہو کہ زمین خشک پڑی ہوتی ہے۔ پھر جب ہم نے اس پر مینہ برسایا تو وہ حرکت میں آئی اور پھول گئی اور ہر قسم کی پُر بہار[۵] چیزیں اگانا شروع کردیں۔(۵) یہ سب کچھ اس لئے (ہوتا ہے) کہ اللہ ہی حق[۶] ہے، وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۶) اور قیامت یقیناً آنے والی ہے اس میں کوئی

[۵] ۞ نباتات سے معاد پر دوسری دلیل:۔ یہ معاد یا بعث بعد الموت پر دوسری دلیل ہے۔ مختلف قسم کی نباتات اور اجناس کے بیج زمین میں بکھرے پڑے ہوتے ہیں جنہیں ہواؤں نے یا پرندوں نے جگہ جگہ پھیلا دیا تھا۔ اسی طرح بے شمار چیزوں کی جڑیں بھی جگہ جگہ پیوند خاک ہوئی پڑی تھیں۔ جن میں نباتاتی زندگی کا کوئی ظہور موجود نہ تھا۔ مگر جونہی ان پر بارش کے چھینٹے پڑے تو ہر طرف زندگی لہلہانے لگی۔ ہر مردہ جڑ اپنی قبر سے جی اٹھی اور ہر بے کار پڑا ہوا بے جان بیج ایک زندہ پودے کی شکل اختیار کر گیا اور یہ احیائے اموات کا ایسا عمل ہے جسے ہر انسان موسم بہار میں اور موسم برسات میں خود مشاہدہ کرتا رہتا ہے۔ یہی صورت انسان کے جسم کی ہے۔ جس کا بدن گل سڑ جاتا ہے اور اس کے جی اٹھنے کا موسم نفخہ٘ صور ثانی ہے۔ جب یہ موسم آجائے گا تو ہر انسان اپنے اپنے مدفن سے زندہ اٹھا کھڑا کردیا جائے گا۔

[۶] ۞ اللہ کے حق ہونے کے تین مطلب:۔ اس جملہ کے تین مطلب ہو سکتے ہیں اور تینوں ہی درست ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں حق کا معنی سچا ہے۔ یعنی ان دونوں مثالوں سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بعث بعد الموت کو حتمی اور یقینی قرار دے رہے ہیں تو اس کی بات بالکل سچی ہے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی ذات ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ اس کا وجود کوئی فرضی وجود نہیں جسے عقلی اشکالات کی وجہ سے تسلیم کرلیا گیا ہو جیسا کہ فلاسفروں کا خیال ہے جو علت و معلول کی کڑیاں جوڑتے جوڑتے جب عاجز آجاتے ہیں تو ایک ہستی کو واجب الوجود یا علت العلل (First Cause) تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ ایک زندہ جاوید ہستی ہیں جو ہر چیز میں اپنی مرضی سے تصرف کرتے ہیں اور ہر چیز پر کنٹرول رکھے ہوئے ہیں اور تیسرے یہ کہ اس کائنات میں جو کچھ ظہور پذیر ہو رہا ہے وہ ٹھوس حقائق پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ساری کائنات اور اس کائنات میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کو محض تفریح طبع کے لئے پیدا نہیں کیا۔ اور ان تینوں معانی پر قرآن کی دوسری بے شمار آیات شاہد ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ۝ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ

شک و شبہ نہیں اور اللہ تعالیٰ ضرور ان لوگوں کو زندہ [۷] کر کے اٹھائے گا جو قبروں میں پڑے ہیں۔(۷) اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو بغیر علم [۸]، ہدایت اور روشنی بخشنے والی کتاب کے اللہ کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔(۸) (اور از راہِ تکبر حق سے) اپنا پہلو موڑتے ہیں تاکہ دوسروں کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں ایسے شخص کے لئے دنیا

[۷] ان آیات میں چند در چند حقائق بیان ہوئے ہیں جو یہ ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کی ہستی ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ وہ علیم و خبیر ہستی ہے۔ کائنات میں جملہ تصرفات اسی کی حکمت اور قدرت کے تحت واقع ہو رہے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ مردہ اشیاء سے زندہ اشیاء کو پیدا کر سکتے ہیں۔ پھر زندہ اشیاء کو مردہ اشیاء میں تبدیل کرتے ہیں اور پھر انہیں زندگی بخش سکتے ہیں مثلاً انسان کو اس نے ایک مشت خاک سے پیدا کیا ہے۔ پھر انسان کا نطفہ بھی بے جان اشیاء سے بنتا ہے۔ جس میں زندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں انسان کا جسم اور اس کی غذائیں جن مادوں سے مرکب ہیں وہ سب بے جان مادے ہیں۔ مثلاً انسانی جسم اور اس کی غذائیں سب کچھ نمکیات لوہا، چونا، کوئلہ اور چند گیسوں سے مرکب ہے۔ انہیں ہی ترکیب دے کر اللہ نے جیتے جاگتے انسان پیدا کر دیئے۔ پھر مرنے کے بعد یہی انسانی جسم مٹی میں تحلیل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بات پر پوری قدرت رکھتے ہیں کہ انہیں بے جان مادوں سے انسان کو نئے سرے سے پیدا کر دے۔

(۳) ❁ صفاتِ الٰہی سے اخروی زندگی پر دلائل:۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ اگر اسے ایسی قدرت حاصل نہ ہو گی تو وہ ہرگز ایسے کام نہیں کر سکتا تھا۔ پھر ان کاموں میں اس کی حکمت کو بھی خاصا دخل ہے۔ مثلاً اس نے اگر نطفہ کے جراثیم میں انسان بننے کی استعداد رکھی ہے تو اس کے ساتھ ہی ساتھ پیدا ہونے والے بچہ میں اپنے والدین کی شکل، عقل اور قوت جسمانی کا بھی عکس موجود ہوتا ہے۔ اور ان باتوں میں نومولود کی اپنے والدین سے کافی حد تک مشابہت بھی پائی جاتی ہے۔ گویا مادہ کے علاوہ والدین کی پوشیدہ قوتیں بھی جنین میں منتقل ہو جاتی ہیں اور ان کا ظہور بچہ کے بالغ ہونے پر ہوتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کائنات میں بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو قوتِ ارادہ و اختیار اور قوت تمیز و عقل اس لئے عطا کی ہے کہ آیا وہ اس کائنات میں اللہ کا فرمانبردار بندہ بن کر رہتا ہے یا نافرمان اور باغی بن کر زندگی گزارتا ہے۔ انسان کی اپنی یہ حالت ہے کہ جب وہ کسی کو کوئی ذمہ داری سونپتا ہے یا اجرت پر کوئی مزدور یا غلام رکھتا ہے تو اس کا محاسبہ بھی کرتا ہے لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات کا بھی محاسبہ نہ کریں کہ کون شخص اس کا حکم بجالاتا ہے اور کون اس کی حکم عدولی کرتا ہے۔ اسی محاسبہ کے لئے اخروی زندگی کا قیام ضروری ہے اور یہی عقل و حکمت اور عدل کا تقاضا ہے اور دنیا کی مختصر سی زندگی چونکہ اعمال کی جزا و سزا کے لئے بالکل ناکافی ہے۔ لہٰذا اس لحاظ سے بھی قیامت اور روزِ جزا کا قیام ضروری ہے۔

[۸] ❁ بدیہی علم کیا چیز ہے؟ اس آیت میں علم کے لفظ کا اطلاق شرعی زبان میں عموماً وحی الٰہی پر ہوتا ہے مگر یہاں علم سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۹﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۰﴾ ع ۱/۸

میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن ہم اس کو جلا دینے والے عذاب کا مزا چکھائیں گے۔(۹) (اور کہیں گے) یہ تیرے اپنے ہی اعمال کا بدلہ ہے جو تو نے آگے بھیجے تھے ورنہ [۹] اللہ اپنے بندوں پر کبھی ظلم نہیں کرتا۔(۱۰)

مراد فطری یا پیدائشی یا بدیہی علم ہے جو ہر انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً یہ کہ ہر جاندار کو اپنی زندگی کے بقاء کے لئے کھانے پینے کی ضرورت ہوتی ہے یا یہ کہ دو اور دو چار ہوتے ہیں۔ یا یہ کہ کل ہمیشہ اپنے جزء سے بڑا ہوتا ہے یا یہ کہ آگ میں جو چیز ڈالی جائے، آگ اسے جلا دیتی ہے یہ ایسے امور ہیں جن کے لئے کسی عقلی یا نقلی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ نہ ہی کوئی شخص ایسے امور کے لئے دلیل کا مطالبہ کرتا ہے اور ھدی سے مراد عقلی دلیل ہے۔ مثلاً اسی کائنات کا مربوط نظام اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کو پیدا کرنے والی اور اسے کنٹرول میں رکھنے والی کوئی مقتدر علیم اور خبیر ہستی ہو۔ یا یہ کہ ہر چیز کا کوئی بنانے والا ہونا ضروری ہے۔ یا یہ کہ اگر کہیں راستہ میں اونٹ کی مینگنی پڑی ہوتی ہے تو وہ اس بات پر عقلی دلیل ہوتی ہے کہ یہاں سے کوئی اونٹ گزرا ہے اور کتاب منیر سے مراد کوئی نقلی یا سمعی دلیل ہے۔ یعنی ایسی دلیل جو کسی الہامی کتاب میں مذکور ہو۔ مثلاً یہ کہ اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے تصرف و اختیار میں یا اس کی ذات و صفات میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں اور قرآن کریم و احادیث ایسے سمعی یا نقلی دلائل سے بھرے پڑے ہیں۔

علم ہدایت اور کتاب کے بغیر اللہ کے بارے میں جھگڑا:۔ اب جو لوگ اللہ کی ذات یا اس کے اختیارات و تصرفات یا اس کی دوسری صفات کے بارے میں بحث یا کج بحثی یا جھگڑے کرتے ہیں۔ ان کے پاس نہ تو کوئی بدیہی یا تجرباتی دلیل (علم) ہوتا ہے۔ نہ کوئی عقلی دلیل (ھدی) ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی سمعی، نقلی (کتاب منیر) دلیل ہوتی ہے۔ ان کی بحث فقط برائے بحث یا کج بحثی ہوتی ہے۔ ان کے پاس یہ بات کہنے کے سوا کوئی جواب نہیں ہوتا کہ چونکہ ہمارے آباء و اجداد ایسا کرتے آئے ہیں۔ لہٰذا ہم بھی ایسا کرتے ہیں یا کرتے رہیں گے اور ظاہر ہے کہ یہ دلیل کوئی قسم نہیں اور اس جواب کا ماحصل یہی ہے کہ اگر بزرگوں نے گمراہی کی راہ اختیار کی تھی تو ان کی یہ گمراہی نسلاً بعد نسل ان کی اولاد در اولاد میں منتقل ہوتی چلی جائے۔ ان لوگوں کا اس جھگڑے سے اصل مقصد یہ ہوتا ہے کہ دوسرے لوگوں کو بھی ایمان و یقین کی راہ سے دور رکھیں اور اپنی طرح ان کو بھی گمراہ کر کے چھوڑیں۔ ایسے بغض و عناد رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ اس دنیا میں ذلیل اور رسوا کرے گا اور اخروی عذاب تو بہر حال اس سے شدید تر ہوگا۔

[۹] ایسا شخص دراصل تین جرائم کا مرتکب ہوتا ہے ایک تو اس نے جہالت، تعصب اور ہٹ دھرمی کی بنا پر وحی الٰہی کا انکار کیا۔ جبکہ اس کے پاس نہ کوئی تجرباتی دلیل تھی، نہ عقلی اور نہ نقلی۔ دوسرے تکبر اور پندارِ نفس کا مظاہرہ کیا اور تیسرے اور لوگوں کو بھی راہ حق سے دور رکھنے کا سبب بنا۔ لہٰذا اس عذاب شدید سے پیشتر واضح طور پر بتا دیا جائے گا کہ یہ تمہارے اپنے ہی بھیجے ہوئے اعمال کا بدلہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی کو خواہ مخواہ عذاب دینے کا شوق نہیں رکھتے اور نہ ہی کسی پر ظلم کرنا اللہ کے شایان شان ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪ يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۭ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور لوگوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو کنارے پر (کھڑا ہو کر) اللہ کی عبادت کرتا[۱۰] ہے۔ اگر اسے کچھ فائدہ ہو تو (اسلام سے) مطمئن ہو جاتا ہے اور اگر کوئی مصیبت پڑ جائے تو الٹا پھر جاتا ہے۔ ایسے شخص نے دنیا کا بھی نقصان اٹھایا اور آخرت کا بھی۔ یہ ہے صریح خسارہ۔(۱۱) وہ اللہ کے سوا اسے پکارتا ہے جو نہ اسے تکلیف پہنچا سکتا ہے اور نہ فائدہ دے سکتا ہے۔ یہ ہے گمراہی کی انتہا۔(۱۲) وہ اس کو پکارتا ہے جس کا نقصان[۱۱] اس کے نفع سے زیادہ قریب تر ہے۔ بہت برا ہے اس کا مددگار اور بہت برا ہے[۱۲] اس کا رفیق۔(۱۳) جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے یقیناً اللہ انہیں ایسے

[۱۰] ❁ منافق دنیا اور آخرت دونوں جگہ بڑے خسارے میں رہتے ہیں:۔ یعنی کفر اور اسلام کی سرحد پر ہی کھڑا رہتا ہے۔ اسلام میں داخل ہوتا ہی نہیں اور اس انتظار میں وہاں کھڑا ہے کہ اگر اسلام لانے سے کوئی مادی فائدہ پہنچنے کی توقع ہے تو پھر تو اسے اسلام گوارا ہے لیکن اگر اسلام میں داخل نہ ہونے میں کوئی مشکل یا مادی نقصان نظر آ رہا ہو تو اس سرحد سے فوراً کفر کی طرف نکل بھاگے۔ جیسا کہ عموماً منافقوں کا حال ہوتا ہے۔ گویا ایسے لوگوں کا مطمح نظر صرف مادی فوائد ہوتے ہیں۔ وہ جس طرف نظر آئیں ادھر ہی لڑھک جاتے ہیں۔ ایسے لوگ دینی اور دنیوی دونوں لحاظ سے خسارہ میں رہتے ہیں۔ دینی نقصان تو واضح ہے کہ ایسے لوگ جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں داخل کئے جائیں گے اور دنیوی نقصان یہ ہوتا ہے کہ نہ کافر انہیں اپنا ہمدرد اور ساتھی سمجھتے ہیں اور نہ مسلمان، دونوں طرف سے ان کی ساکھ تباہ ہو جاتی ہے اور بمصداق "دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا" انہیں کبھی بھی پذیرائی اور عزت نصیب نہیں ہوتی۔

[۱۱] یعنی اس قسم کے منافقین کو جب اسلام میں داخل ہونے میں کوئی مشکل یا مصیبت نظر آتی ہے، کافروں اور مشرکوں کی طرف جانے میں کوئی مادی فائدہ نظر آتا ہے تو فوراً اس کنارے سے اتر کر مشرکوں کی صف میں جا شامل ہوتے ہیں اور ایسے بتوں یا آستانوں کی طرف رجوع کرتے ہیں جن کے اختیار میں دوسروں کا نفع و نقصان تو کیا ہوگا وہ اپنی بھی مدافعت نہیں کر سکتے۔ ایسے لوگوں کا نقصان تو یقینی ہے کہ انہوں نے دنیوی مفاد کی خاطر اپنا ایمان ضائع کر دیا اور جس دنیوی فائدہ کی خاطر انہوں نے یہ گمراہی کی راہ اختیار کی وہ فائدہ غیر یقینی ہے کبھی وہ توقع پوری ہو بھی جاتی ہے اگر اللہ کو منظور ہو تو بسا اوقات جس فائدہ کی خاطر اپنا ایمان بھی بھینٹ چڑھایا تھا وہ بھی حاصل نہیں ہوتا۔

[۱۲] اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جس نے بھی اسے راستے پر ڈالا خواہ وہ کوئی انسان تھا یا شیطان وہ اس کا بدترین کارساز اور برا ساتھی ثابت ہوا اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن مشرک اور بت پرست اپنے معبودوں کو بھی جہنم میں پڑے دیکھ کر یہ جملہ کہیں گے کہ جن سے ہم نے کئی قسم کی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں یہ تو بہت برے کارساز اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ﴿۱۴﴾ مَنْ كَانَ یَظُنُّ اَنْ لَّنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْیَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْیَقْطَعْ فَلْیَنْظُرْ هَلْ

باغات میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہیں۔ بلاشبہ اللہ جو چاہے[۱۳] وہی کرتا ہے۔(۱۴) جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی مدد نہیں کرے گا[۱۴] (اور دوسروں کی طرف رجوع کرے) اسے چاہئے کہ آسمان تک ایک رسی لٹکائے پھر اسے کاٹ ڈالے اور دیکھے کہ کیا اس کی یہ تدبیر اس چیز کو

برے ساتھی ثابت ہوئے جو جہنم کا ایندھن بن کر ہماری تکلیف میں مزید اضافہ کا باعث بن گئے ہیں۔

[۱۳] یعنی اللہ تعالیٰ کے اختیارات لامحدود ہیں۔ وہ چاہیں تو ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ان کے اعمال کے مقابلہ میں سینکڑوں گنا زیادہ معاوضہ اور بدلہ دیں۔ چاہے تو ان کی سب چھوٹی موٹی خطائیں معاف کر دیں۔ البتہ ایک بات اس سے مستبعد ہے وہ یہ ہے کہ وہ بندوں پر کسی بھی طرح کا ظلم نہیں کرتے۔ اس سلسلہ میں وہ اپنے اختیارات کو استعمال نہیں کرتے بلکہ عدل کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

[۱۴] اس آیت میں ایسا خیال کرنے والے سے مراد وہی منافق ہے جو کفر اور اسلام کی سرحد پر کھڑے ہو کر اللہ کی عبادت کرتا ہے مگر اللہ کی رضا پر راضی اور شاکر نہیں رہتا۔ اور جب اسے کفر و شرک کی صف میں شامل ہونے میں کوئی مفاد نظر آتا ہے تو فوراً ادھر لڑھک آتا ہے اور انہیں حقیر دنیوی مفادات کی خاطر اللہ کو چھوڑ کر دوسرے آستانوں پر جاتا اور در در کی خاک چھانتا ہے۔ مگر پھر بھی اسے وہ مفادات حاصل نہیں ہوتے تو الٹا اللہ اور اس کی تقدیر کو کوسنے لگتا ہے۔ اسے چاہئے کہ وہ اللہ کی تقدیر کو بدلنے کی خاطر اپنی مقدور بھر کوشش کر کے دیکھے اور جو کچھ وہ کر سکتا ہے کر دیکھے اور بتائے کہ کیا ایسے کرنے سے وہ اللہ کی تقدیر کو بدلنے میں کامیاب ہو سکتا ہے؟ اس آیت میں جو آسمان کی طرف رسی تاننے اور پھر اسے قطع کرنے کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں وہ بطور محاورہ ہیں ان سے لفظی معنی مراد نہیں ہیں۔ اور ایسے الفاظ تقریباً ہر زبان میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً اردو میں اس محاورہ کے قریب المعنی الفاظ یہ ہیں "بے شک وہ الٹا سیدھا ہو کر دیکھ لے" اور پنجابی میں ایسا محاورہ بالکل صحیح مفہوم ادا کرتا ہے اور وہ محاورہ ہے "تتے توے تے گھیسی پیا کرے" یعنی خواہ وہ گرم گرم توے پر اپنی مقعد رگڑے۔ ان سب محاوروں کا مفہوم ایک ہی جیسا ہے کہ وہ اپنی مقدور بھر کوشش کر کے دیکھ لے۔

❁ تقدیر کے مقابلہ میں تدبیر کسی کام نہیں آسکتی:۔ اس آیت کی تفسیر میں بعض مفسرین نے ﴿لَنْ یَّنْصُرَهُ اللّٰهُ﴾ سے "ہ" سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے اور مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے دنیوی اور اخروی فتح و نصرت کے جو وعدے کر چکے ہیں وہ ضرور پورے ہو کر رہیں گے خواہ کفار و مشرکین کو یہ بات کتنی ہی ناگوار اور غصہ دلانے والی ہو۔ اور وہ اس نصرتِ ربانی کو روکنے کے لئے اپنی انتہائی کوششیں صرف کر کے دیکھ لیں حتیٰ کہ آسمان میں ایک رسی تان کر اوپر چڑھیں اور وہاں سے وحی الٰہی اور آسمانی امداد کو منقطع کر آئیں۔ پھر دیکھیں کہ ان کی ایسی تدبیروں سے وہ وحی الٰہی اور نصرتِ ربانی آنا بند ہو جاتی ہے جس پر وہ اس قدر پیچ و تاب کھا رہے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾ اِنَّ

دفع کر سکتی ہے جو اسے غصہ دلاتی ہے؟ (خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرے تقدیر کے فیصلے کو بدل نہیں سکتا) (۱۵) اسی طرح کی واضح آیات سے ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور اللہ یقیناً ہدایت اسے ہی [۱۵] دیتا ہے جسے وہ چاہتا ہے۔ (۱۶) جو لوگ ایمان لائے [۱۶] اور جو یہودی ہوئے [۱۷] اور صابی [۱۸] اور

یہ تفسیر کسی حد تک دل لگتی تو ہے مگر اس مقام پر سیاق و سباق اس تفسیر کا ساتھ نہیں دیتے۔ اس سے پہلے بھی منافقوں اور مشرکوں کا ذکر چل رہا ہے اور بعد میں بھی کافروں اور مشرکوں ہی کا ذکر ہے۔ اور درمیان میں جو مومنوں کی بشارت سے متعلق کوئی آیت آجاتی ہے تو وہ اللہ کی اس سنت کے مطابق ہے کہ جہاں کافروں اور مشرکوں کو ڈرایا جا رہا ہو وہاں مومنوں کی بشارت کا بھی ذکر آجائے اور اس کے برعکس بھی۔

[۱۵] یعنی اگرچہ قرآن میں ایسے بے شمار واضح دلائل موجود ہیں پھر بھی ان دلائل سے ہر شخص کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی بلکہ اسے ہی نصیب ہوتی ہے جس کے متعلق اللہ کی مشیت ہو۔ مشیت الٰہی صرف انہیں نصیب ہوتی ہے جو خود ہی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ضدی، ہٹ دھرم، متکبر اور نافرمان قسم کے لوگوں کو نہ اللہ کی مشیت نصیب ہوتی ہے اور نہ ہی اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ جبراً کسی کو ہدایت دیں۔

[۱۶] یعنی کسی بھی اللہ کے رسول پر ایمان لائے۔ کیونکہ تمام انبیاء و رسل کے اصول دین ایک ہی رہے ہیں۔ (تفصیل کے لئے اسی سورہ کی آیت نمبر ۹۲، ۹۳ کے حواشی ملاحظہ فرمالیجئے) اس لحاظ سے ہر نبی پر ایمان لانے والے مسلمان ہوئے اور اسلام اور ایمان کا صرف یہ فرق ہے کہ اسلام کا تعلق ظاہری اعمال سے ہوتا ہے اور ایمان کا دل سے۔ اللہ اور اس کے رسول کی جس قدر اطاعت کی جائے، ایمان اتنا ہی پختہ ہوتا جاتا ہے اور جتنا ایمان پختہ ہوتا جاتا ہے اطاعت کی مزید توفیق نصیب ہوتی رہتی ہے۔ گویا اسلام اور ایمان دونوں ایک دوسرے سے مربوط اور ایک دوسرے کے ممد و معاون ہوتے ہیں۔

[۱۷] ❁ بنی اسرائیل میں سے کونسا فرقہ یہودی کہلایا ہے:۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام پر جو لوگ ایمان لائے تھے وہ بھی مسلمان ہی تھے اور بنی اسرائیل کی قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں انہیں یہود نہیں کہا جاتا تھا۔ یہود تو وہ اس وقت کہلائے جب ان کے مذہب میں بھی ان کے بدعی عقائد شامل ہو گئے اور انہوں نے کتاب اللہ میں تحریف تک کر ڈالی۔ بعض لوگوں کے خیال کے مطابق ان کی نسبت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے یہودا کی طرف ہے۔ مگر یہ توجیہ دو لحاظ سے درست معلوم نہیں ہوتی ایک یہ کہ اس لحاظ سے یہودی ایک قبیلہ تو کہلا سکتے ہیں ایک مذہب نہیں کہلا سکتے ہیں۔ حالانکہ یہودی ایک مذہب کا نام ہے کسی قبیلہ کا نام نہیں اور دوسرے اس لحاظ سے یہودیوں میں تمام بنی اسرائیل شامل ہیں صرف یہودا کی اولاد کی اولاد نہیں۔ اور بعض علماء کے خیال کے مطابق بنی اسرائیل سیدنا عیسیٰ علیہ السلام تک بنی اسرائیل ہی کہلائے تھے۔ بعد میں نصاریٰ کے مقابلہ میں ان کا نام یہودی پڑ گیا۔

[۱۸] ❁ صابی کون ہیں؟ صابی دراصل وہ ستارہ پرست اور سورج پرست قوم ہے جس نے اپنے معبودوں کی حمایت میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا تھا۔ یہ لوگ اپنے آپ کو سیدنا نوح کا پیروکار بتاتے ہیں اور باقی بعد میں آنے والے سب انبیاء کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي

عیسائی[۱۹] اور آتش پرست[۲۰] اور جو مشرک ہیں[۲۱]، اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ[۲۲] کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر شاہد ہے۔(۱۷) کیا تم دیکھتے نہیں کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین

منکر ہیں۔ بعد میں صابؔ کا لفظ دین میں تبدیل کرنے یا آبائی مذہب سے سے روگردانی کرنے کے معنوں میں استعمال ہونے لگا اور ایک گالی کی حیثیت اختیار کر گیا۔ چنانچہ مشرکین مکہ بھی اسلام لانے والوں کو اسی لقب سے نوازتے تھے اور کہتے تھے کہ فلاں شخص صابی ہو گیا ہے۔ یعنی بے دین اور لامذہب ہو گیا ہے۔ جیسا کہ ہندوستان میں توحید کی طرف رجوع کرنے والوں کو وہابی کے لقب سے نوازا جانے لگا ہے۔

[۱۹] ❁ عیسائیوں کے مختلف نام:۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ان پر نازل شدہ کتاب انجیل کے پیروکار۔ ابتداءً ان کا نام ناصری یا گلیلی تھا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ناصرہ ضلع گلیل میں پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ یہود انہیں ایک بدعتی فرقہ کی حیثیت سے ناصری یا گلیلی کہہ کر پکارتے تھے۔ قرآن میں ان کا نام نصاریٰ مذکور ہے۔ اور اسے بھی ناصرہ سے منسوب قرار دیا جاسکتا ہے اور اس کی دوسری توجیہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار یا حواریوں نے ﴿نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ (۳: ۵۲) کا اقرار کیا تھا۔ لہٰذا یہ لوگ نصاریٰ کہلائے۔ بعد میں انہوں نے اپنے لئے عیسائی کا لقب پسند کر لیا ان لوگوں نے بھی بعد میں بہت سے بدعی عقائد شامل کر لئے جیسے عقیدہ تثلیث، الوہیتِ مسیح اور کفارہ مسیح وغیرہ۔

[۲۰] ❁ مجوس کا تعارف:۔ مجوسی بھی آتش پرست اور ستارہ پرست لوگ تھے اور صابی فرقہ کی طرح اپنے آپ کو سیدنا نوح کے پیروکار بتاتے ہیں اور باقی پیغمبروں کے منکر ہیں۔ ان کے نزدیک نیکی اور بدی کے خدا الگ الگ ہیں۔ نیکی کا خدا یا خالق یزدان ہے اور بدی کا خدا یا خالق اہرمن ہے۔ یہ لوگ اپنی الہامی کتابوں کا نام ژند اور اوستا بتاتے ہیں۔ مزدک نے ان کے مذہب اور اخلاق کو بری طرح مسخ کر کے رکھ دیا تھا حتیٰ کہ حقیقی بہن سے نکاح بھی ان کے ہاں جائز قرار دیا گیا۔

[۲۱] مشرک سے مراد مشرکین مکہ اور دوسرے ممالک کے مشرکین ہیں۔ جو مندرجہ بالا گروہوں کے ناموں میں سے کسی نام سے منسوب نہیں۔ اگرچہ موحد مسلمانوں کے سوا مندرجہ بالا سب مذاہب میں شرک کی کوئی نہ کوئی قسم ضرور پائی جاتی ہے۔

[۲۲] اس کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت سے پہلے ہمیں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ اختلاف کہاں واقع ہوا ہے اور کون سا فرقہ کس قدر حق پر ہے۔ کیونکہ اصول دین ہمیشہ ایک ہی رہے ہیں اور تمام الہامی کتابوں میں مذکور ہیں اگرچہ تورات اور انجیل یا بائیبل میں تحریف ہو چکی ہے۔ پھر بھی ان میں اصول دین کا سراغ لگایا جاسکتا ہے اور یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ فلاں فرقہ کا فلاں عقیدہ درست ہے اور فلاں باطل ہے۔ مگر یہاں اس دنیا میں کوئی بھی فرقہ مذہبی تعصب کی بنا پر حق کو تسلیم کر لینے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا قیامت کے دن خود اللہ تعالیٰ نہ صرف یہ کہ ان باتوں کا فیصلہ کر دے گا بلکہ اس فیصلہ کا نفاذ بھی کر دے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ
مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ
مَا يَشَآءُ ۝ؕ۱۸ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ؗ فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ

میں ہے اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور لوگوں کی ایک کثیر تعداد اللہ کے حضور [۲۳] سربسجود ہے اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو عذاب کے مستحق ہو چکے ہیں۔ اور جسے اللہ ذلیل وخوار [۲۴] کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں اور اللہ وہی کچھ کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے [۲۵]۔(۱۸)

یہ دو فریق ہیں جنہوں نے اپنے پروردگار کے بارے میں [۲۶] جھگڑا کیا۔ ان میں سے جنہوں نے کفر کیا ان کے

[۲۳] کائنات کی ہر چیز کے سجدہ ریز ہونے کا مطلب:۔ ساری کائنات میں انسان اور جن ہی مکلف مخلوق ہیں اور انہیں کو قوتِ ارادہ واختیار دیا گیا ہے باقی مخلوق تکوینی طور پر اللہ کے حضور ہر وقت سجدہ ریز رہتی ہے اور ان کے سجدہ کا مطلب یہ ہے کہ جس کام پر اللہ نے انہیں لگا دیا ہے یا جو خدمت ان کے ذمہ کر دی ہے اور جو قوانین ان کے لئے مقرر کر دیئے ہیں ان سے وہ سرِ مو تجاوز نہیں کرتے اور انسانوں میں سے بھی ایک کثیر طبقہ ایسا ہے جس نے اپنے ارادہ کو اللہ کی مرضی کے تابع بنا دیا ہے اور برضا ورغبت اللہ کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور اس کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ تاہم انسانوں کا ایک کثیر طبقہ ایسا بھی ہے جس نے اس اختیار کا غلط استعمال کیا اور باقی تمام مخلوق کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی بجائے اللہ کے احکام کے مقابلہ میں سرکشی کی راہ اختیار کی۔ اور اس امتحان میں ناکام رہا جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا تھا۔ ایسے لوگوں کو یقیناً اس سرکشی کی سزا عذابِ الیم کی صورت میں بھگتنا پڑے گی۔

[۲۴] یعنی اللہ کے احکام سے روگردانی اور اس کے حضور سجدہ سے سرکشی کا لازمی نتیجہ ذلت اور رسوائی ہے۔ اور اللہ کے نافرمانوں کو بسا اوقات دنیا میں ہی یہ برا نتیجہ دیکھنا پڑتا ہے اور اگر دنیا میں بچ بھی جائے تو آخرت میں اسے ضرور اس نتیجہ سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اور کوئی طاقت اسے اس سزا سے بچا نہ سکے گی۔

[۲۵] اس سورہ حج میں دو سجدہ تلاوت ہیں۔ آیت نمبر ۱۸ پر پہلا سجدہ ہے اور یہی سجدہ متفق علیہ ہے۔ جو ہر پڑھنے والے اور سننے والے کو ادا کرنا چاہئے تاکہ وہ بھی کائنات کی جملہ اشیاء کے ساتھ سجدہ میں ان کے ہم آہنگ اور شریک ہو جائے۔

[۲۶] یعنی جھگڑنے اور لڑائی کرنے والے دو فریقوں میں سے ایک فریق تو اللہ کے فرمانبرداروں اور مسلمانوں کا ہے اور دوسرا کافروں کا۔ اور اس کافروں کے فریق میں وہ سب گروہ شامل ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا یعنی یہودی، صابی، عیسائی، مجوس، مشرکین اور ان کے علاوہ وہ لوگ بھی جن کا اس آیت میں ذکر نہیں ہے جیسے ہندو، سکھ، بدھ مت، اللہ کی ہستی کے منکر یعنی نیچری اور دہریے وغیرہ سب اس دوسرے فریق میں شامل ہیں۔ ان دونوں فریقوں میں باعث نزاع مسئلہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ہیں۔ فریق اول تو اللہ کی صفات بالکل اسی طرح تسلیم کرتا ہے جس طرح اللہ نے خود بیان فرمائی ہیں۔ پھر وہ اللہ کا فرمانبردار اور اس کے حضور سجدہ ریز بھی رہتا ہے۔ دوسرے فریق میں ہر طرح کے لوگ شامل ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی یہ فریق اول کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مقابلہ میں گٹھ جوڑ بھی کر لیتے ہیں۔ پھر یہ فریق صرف بحث و مناظرہ میں ہی ایک دوسرے کے مدمقابل نہیں بنتے بلکہ میدان جہاد و قتال میں بھی ان کی یہی صورت ہوتی ہے اور سیدنا علی تو یہاں تک کہتے ہیں کہ یہ آیت اتری ہی ان لوگوں کے حق میں تھی جو غزوۂ بدر میں مقابلہ کے فریق بنے تھے۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

قیس بن عباد کہتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''قیامت کے دن میں سب سے پہلے پروردگار کے سامنے دوزانو بیٹھ کر اپنا مقدمہ پیش کروں گا'' قیس کہتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے سلسلہ میں اتری۔ جو بدر کے دن مبارزت کے لئے نکلے تھے۔ یعنی (مسلمانوں کی طرف سے) علی رضی اللہ عنہ، حمزہ رضی اللہ عنہ اور عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث اور (کافروں کی طرف سے) شیبہ بن ربیعہ، عتبہ بن ربیعہ، اور ولید بن عتبہ۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)

❁ بدر میں دعوتِ مبارزت:۔ اس حدیث میں میدانِ بدر میں مبارزت کا اجمالی سا ذکر ہوا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب لشکر کفار کو اس بات کا علم ہو گیا کہ تجارتی قافلہ بخیریت مکہ پہنچ گیا ہے تو سرداران قریش میں سے ایک سنجیدہ طبقہ کی رائے یہ تھی کہ اب جنگ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ جس مقصد کے لئے ہم نکلے تھے وہ حاصل ہو چکا۔ عتبہ بن ربیعہ اور حکیم بن حزام ایسے لوگوں میں سے تھے۔ اس جنگ کا ایک سبب ایک حضرمی کا قتل بھی تھا۔ جو وادیٔ نخلہ کے واقعہ میں مسلمانوں سے قتل ہو گیا تھا۔ حکیم بن حزام، عتبہ بن ربیعہ کے پاس گئے اور کہنے لگے کہ میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے۔ اگر تم چاہو تو لوگوں کو جنگ اور خونریزی سے بچا کر بہت بڑی نیکی کما سکتے ہو۔ عتبہ نے پوچھا وہ کیا تجویز ہے؟ حکیم بن حزام (جو بعد میں اسلام لے آئے تھے اور جلیل القدر صحابی ہیں) نے کہا کہ اس حضرمی کی دیت تم خود ادا کر دو۔ تو قصاص کا اضطراب جو لوگوں میں پھیلا ہوا ہے۔ از خود ختم ہو جائے گا۔ عتبہ نے اس تجویز کو بخوشی قبول کر لیا۔ پھر یہ دونوں حضرات جنگ بندی کے سلسلہ میں ابو جہل کے پاس گئے جو ایک متکبر، سرکش اور مشتعل مزاج سردار تھا۔ اسے یہ رائے قطعاً پسند نہ آئی۔ اس نے عتبہ کو کہا کہ تم اس لئے جنگ سے فرار چاہتے ہو کہ تمہارا ایک بیٹا مسلمان ہو چکا ہے اور تم اب بزدلی دکھا رہے ہو؟ عتبہ یہ بزدلی کا طعنہ برداشت نہ کر سکا اور کہنے لگا کہ کل معلوم ہو جائے گا کہ بزدل کون ہے؟ دوسری طرف ابو جہل نے حضرمی کے قبیلہ کو مشتعل کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لشکر کفار میں جنگ کی عمومی فضا پیدا ہو گئی اور جنگ نہ ہونے کا امکان ختم ہو گیا۔

دوسرے دن جب دونوں لشکر مقابلہ پر آ گئے تو یہی عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ بن ربیعہ اور بیٹے ولید بن عتبہ کو لے کر نکلا اور ھل من مبارز (کوئی مقابلہ کے لئے سامنے آتا ہے؟) کا نعرہ لگایا۔ مسلمانوں کے لشکر سے تین انصاری صحابہ مقابلہ کے لئے نکلے تو عتبہ نے چیخ کر پوچھا من انتم؟ من القوم؟ (یعنی تم کون لوگ اور کس قوم سے ہو؟) انہوں نے اپنے نام بتائے تو عتبہ نے کہا: تم ہمارے جوڑ کے نہیں ہو ہم تم سے لڑنے نہیں آئے۔ پھر چیخ کر پکارا: محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہماری توہین نہ کرو۔ ہم ان کاشت کاروں سے لڑنے نہیں آئے۔ ہمارے مقابلہ میں ان لوگوں کو بھیجو جو ہمارے ہمسر اور ہمارے جوڑ کے ہوں۔ اور ایک روایت میں آیا کہ اس موقع پر عتبہ کے مسلمان بیٹے ابو حذیفہ نے اپنے باپ کے مقابلہ پر نکلنا چاہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک دیا۔ پھر سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ بن حارث مقابلہ کے لئے نکلے۔ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ نے عتبہ کو جلد ہی ٹھکانے لگا دیا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے شیبہ کو جہنم واصل کیا۔ لیکن سیدنا ابو عبیدہ بن حارث کا ولید بن عتبہ سے سخت مقابلہ ہوا۔ دونوں کا بیک وقت ایک دوسرے پر کاری وار ہوا۔ سیدنا ابو عبیدہ کی ٹانگیں کٹ گئیں اور وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ﴿١٩﴾ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ﴿٢٠﴾ وَلَهُمْ
مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ﴿٢١﴾ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۗ وَذُوْقُوْا
عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿٢٢﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا

لئے آگ کے کپڑے کاٹے جائیں[۲۷] گے اور ان کے سروں پر اوپر سے کھولتا پانی ڈالا جائے گا۔(۱۹) جس سے ان کی کھالیں گل جائیں گی اور وہ کچھ بھی جو ان کے بطنوں میں ہے۔(۲۰) نیز ان کے لئے لوہے کے ہنٹر ہوں گے۔(۲۱) جب بھی وہ رنج کے مارے دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے (اور انہیں کہا جائے گا کہ) چکھو اب جلانے والے عذاب کا مزا(۲۲) وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں ایسے باغات میں داخل کرے گا جن میں نہریں بہہ رہی ہیں وہاں انہیں سونے کے کنگنوں اور موتیوں سے آراستہ[۲۸] کیا

گر پڑے تو سیدنا حمزہؓ اور سیدنا علیؓ آگے بڑھے اور ولید کا کام تمام کر کے ابو عبیدہ کو، جو دم توڑ رہے تھے، اٹھا کر لے آئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلو وہاں پہنچ کر انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا کہ میرے متعلق کیا ارشاد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں یقیناً جنت ملے گی" اس اطلاع پر ان کے چہرے پر بشاشت آگئی اور کہا: کاش آج ابو طالب زندہ ہوتے تو وہ دیکھ لیتے کہ میں نے اپنی بات سچ کر دکھائی ہے اور اپنی جان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کر دی ہے۔

[۲۷] ❁ اہل دوزخ کا لباس، طعام اور دوسری سزائیں:۔ یعنی فریق دوم کے لئے جنہوں نے کفر اور سرکشی کی راہ اختیار کی ان کے لباس بھی کسی آتش گیر مادہ سے بنے ہوئے ہوں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ﴾ (۱۴:۵۰) یہ لباس بھڑک کر ان کے جسموں سے چمٹ جائے گا اور سر کے اوپر سے کھولتا ہوا جو پانی ڈالا جائے گا وہ اس آگ کو بجھائے گا نہیں بلکہ آگ کو مزید بھڑکانے کا باعث بن جائے گا۔ اس سے ان کے چمڑے گل کر گر پڑیں گے تو فوراً نئی جلد پیدا کر دی جائے گی۔ تاکہ ان کے عذاب میں کمی واقع نہ ہو۔ پھر یہی کھولتا ہوا پانی ان کے دماغ کی راہ سے جسم کے اندر پہنچے گا جس سے سب انتڑیاں کٹ جائیں گی۔ مزید برآں انہیں لوہے کے ہنٹروں سے پیٹا بھی جائے گا جب وہ دوزخ سے نکل بھاگنے کی کوشش کریں گے تو فرشتے انہیں ہنٹر مار مار کر پھر دوزخ میں دھکیل دیں گے اور ساتھ ہی انہیں یہ بتاتے جائیں گے کہ یہ تمہارے ہی اعمال کا بدلہ ہے۔ اب بھاگتے کیوں ہو اور یہ دائمی عذاب کا مزا تمہیں چکھنا ہی پڑے گا۔

[۲۸] ❁ اہل جنت کا لباس اور دوسری نعمتیں:۔ عہد نبوی میں یہ رواج عام تھا کہ شاہانِ وقت اور بڑے بڑے رئیس لوگ سونے اور جواہرات کے مرصع زیور پہنتے تھے۔ حتیٰ کہ ہمارے زمانہ میں بھی ہندوستان کے مہاراجے اور نواب ایسے زیور اور ریشمی لباس پہنتے ہیں۔ یہاں یہ تصور دلانا مقصود ہے کہ اہل جنت کو وہاں ہر وہ راحت آرام اور عیش و عشرت حاصل ہو گی جس کا کوئی انسان تصور کر سکتا ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جنت کی نعمتوں کی حقیقت کو سمجھنا بھی اس وقت ناممکن ہے۔ جیسا کہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حَرِيرٍ ﴿۲۳﴾ وَهُدُوٓا إِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَهُدُوٓا إِلَىٰ صِرَاطِ الْحَمِيدِ ﴿۲۴﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِي جَعَلْنَاهُ لِلنَّاسِ سَوَاءً

جائے گا اور وہاں ان کا لباس ریشم کا ہوگا۔(۲۳) (یہ وہ لوگ ہوں گے) جنہیں پاکیزہ کلمہ[۲۹] (توحید) کو قبول کرنے کی راہ دکھائی گئی تھی نیز انہیں ستودہ صفات (اللہ تعالیٰ) کی راہ کی ہدایت دی گئی تھی۔(۲۴) بلاشبہ جو لوگ کافر ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے اور مسجدِ حرام (کی زیارت)[۳۰] سے روکتے ہیں۔ وہ (مسجدِ حرام) جس میں ہم نے وہاں کے باشندوں اور باہر سے آنے والوں کے حقوق برابر رکھے ہیں[۳۱] اور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ "ایسی ہوں گی جنہیں نہ کسی آنکھ نے آج تک دیکھا، نہ کانوں نے سنا۔ حتیٰ کہ کسی کے دل میں ان کا خیال تک بھی نہیں آسکتا" (مسلم۔ کتاب الجنة و صفة نعيمها واهلها)

[۲۹] اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ ہے کہ اس آیت کو اس دنیا سے متعلق سمجھا جائے۔ اس صورت میں جو مطلب ہوگا وہ ترجمہ سے ہی واضح ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسے آخرت سے متعلق سمجھا جائے جیسا کہ پہلے اہلِ جنت کا ذکر چل رہا ہے۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کی ایسے مقام کی طرف رہنمائی کی جائے گی جہاں فرشتے انہیں سلام کہیں گے۔ مبارک باد پیش کریں گے۔ وہاں کسی قسم کی بک بک اور جھک جھک نہ ہوگی اور یہ ایسی راہ ہوگی جہاں پہنچ کر اہل جنت ستودہ صفات اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں ہی ہمیشہ مشغول رہا کریں گے۔

[۳۰] ❁ مسلمانوں پر کعبہ میں داخلہ کی پابندیاں فتح مکہ تک قائم رہیں:۔ مراد کفار مکہ ہیں، جنہوں نے مسلمانوں پر یہ پابندیاں لگا رکھی تھیں کہ وہ نہ بیت اللہ میں نماز ادا کر سکتے ہیں۔ نہ طواف کر سکتے ہیں اور نہ حج و عمرہ کے ارکان بجا لا سکتے ہیں۔ ایک تو وہ خود مشرک اور کافر تھے۔ کعبہ کو بھی بتوں کی نجاستوں سے بھر رکھا تھا۔ پھر مزید یہ کہ توحید پرستوں پر سب راہیں مسدود کر رکھی تھیں۔ چودہ سو مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں عمرہ کرنے آئے تو ان سے جنگ کی ٹھان لی۔ اور حدیبیہ کے مقام تک پہنچ کر ان کو عمرہ کرنے سے روک دیا گیا اور مسلمانوں پر یہ پابندیاں فتح مکہ تک بدستور جاری رہیں۔ فتح مکہ کے بعد جب کفر کا زور ٹوٹ گیا تو یہ پابندیاں از خود ہی ختم ہو گئیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق ہی ارشاد ہوا ہے کہ آخرت میں انہیں دردناک عذاب کا مزا چکھنا ہوگا۔

[۳۱] یہاں ایک اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے حقوق ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اہلِ مکہ اور باہر سے آنے والے لوگوں کو برابر کے حصہ دار قرار دیا ہے۔ اور آیا ان حقوق کا اور ان کی برابری کا تعلق صرف بیت الحرام یا کعبہ سے ہے یا پورے حرمِ مکہ سے۔

جہاں تک صرف بیت اللہ کا تعلق ہے اور اس میں نماز، طواف اور ارکانِ حج بجا لانے کا تعلق ہے تو اس میں اہلِ مکہ اور بیرونی حضرات کے اس حق عبادت میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ اہل مکہ کو قطعاً یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ بیرونی حضرات کو حرم میں داخل ہونے، نمازیں ادا کرنے، طواف کرنے یا ارکان حج و عمرہ بجا لانے سے روکیں۔ کیونکہ اس حق میں اہل مکہ اور بیرونی حضرات سب برابر کے حصہ دار ہیں۔ اختلاف اس بات میں ہے کہ آیا اس حق کا تعلق پورے حرم مکہ سے بھی ہے یا نہیں؟ یعنی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ع ۳ ۱۰ الْعَاكِفُ فِيهِ وَالْبَادِ ۗ وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۵﴾ وَإِذْ

جو کوئی ازراہِ ظلم مسجد حرام میں کجروی [۳۲] اختیار کرے گا (ایسے سب لوگوں کو) ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔ (۲۵)

کیا پورے حرمِ مکہ کے دروازے باہر سے آنے والے حضرات کے لئے کھلے رہنے چاہئیں کہ وہ جب چاہیں حرم مکہ کے اندر جس جگہ چاہیں آکر ڈیرے ڈال دیں اور رہیں سہیں اور ان سے کوئی کرایہ وغیرہ بھی وصول نہ کیا جائے؟ اور اس اختلاف کی دو وجوہ ہیں۔ ایک یہ ارکانِ حج میں سے بیشتر کا تعلق صرف بیت اللہ سے نہیں بلکہ حرمِ مکہ سے ہے۔ صفا، مروہ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، مشعر الحرام سب بیت اللہ کی حدود سے باہر ہیں جبکہ حرمِ مکہ میں داخل ہیں اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود بعض مقامات پر مسجدِ حرام کا ذکر کر کے اس سے حرمِ مکہ مراد لیا ہے۔ مثلاً ارشاد باری ہے:

۞ حرمِ مکہ میں بیرونی مسافروں کے حقوق:۔ ﴿ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ (۲:۱۹۶) "یعنی یہ رعایت اس شخص کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں" اور یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی شخص مسجد حرام کے اندر رہائش پذیر نہیں ہوتا۔ یہاں لازماً مسجد حرام سے مراد حرمِ مکہ ہی ہو سکتا ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (۲:۲۱۷) "اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے باشندوں کو وہاں سے نکالنا ماہ حرام میں جنگ کرنے سے بڑا گناہ ہے"

پھر اس سے اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا حرم میں زمین اور مکان کی خرید و فروخت اور اس سے آگے ان کی ملکیت و وراثت بھی جائز ہے یا نہیں۔ اور یہ بات تو احادیث سے ثابت ہے کہ اسلام سے پہلے مکہ کے مکانات اور زمینوں پر لوگوں کے حقوق ملکیت و وراثت اور حقوق بیع و اجارہ قائم تھے جو اسلام کے بعد بھی قائم رہے اور اسلام نے انہیں منسوخ نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد عقیل نے آپ ﷺ کے مکان پر قبضہ کر لیا۔ پھر اسے بیچ بھی دیا۔ چنانچہ حجۃ الوداع کے دوران آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ آپ ﷺ کہاں قیام فرمائیں گے تو آپ ﷺ نے فرمایا: عقیل نے ہمارے لیے مکان چھوڑا کب ہے کہ اس میں رہیں (بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب توریث دُور مكة و بيعها وشراء ها)

۞ حرمِ مکہ میں جائیداد کی خرید و فروخت کا جواز:۔ سیدنا عمرؓ کے زمانہ میں نافع بن عبدالحارث نے مکہ میں صفوان بن امیہ سے ایک گھر جیل خانہ بنانے کے لئے اس شرط پر خریدا کہ اگر سیدنا عمرؓ اس خریداری کو منظور کریں گے تو بیع پوری ہو گی۔ بصورتِ دیگر صفوان کو چار سو دینار کرایہ کے مل جائیں گے" (بخاری۔ کتاب فی الخصومات۔ باب الربط والحبس فی الحرم) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حرم میں مکانوں کی خرید و فروخت بھی جائز ہے اور کرایہ لینا بھی۔

ان سب امور کو سامنے رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مکہ اور منیٰ میں مکانوں کا کرایہ نہ لینا مستحب ہے۔ تاہم اس کے جواز سے انکار مشکل ہے۔ اور امام بخاری کا اپنا موقف یہ ہے کہ حرم مکہ میں مکانوں کی خرید و فروخت اور وراثت وغیرہ سب کچھ جائز ہے جیسا کہ عنوان باب توریث دُور مكة و بيعها وشراء ها" سے معلوم ہو رہا ہے۔

[۳۲] یعنی جو شخص جان بوجھ کر مکہ میں بے دینی یا شرارت کی کوئی بات کرے گا یا اس کے احترام کو ملحوظ نہ رکھے گا تو اس کو کسی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْقَآئِمِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے ابراہیم کے لئے بیت الحرام کی جگہ تجویز[۳۳] کی تھی (اور انہیں کہا تھا کہ) میرے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنانا اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں، قیام کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے صاف ستھرا[۳۴] رکھنا۔ (۲۶) نیز یہ کہ لوگوں میں حج کا عام اعلان[۳۵] کر دو کہ وہ تمہارے

دوسرے مقام پر یہی جرائم کرنے کی نسبت سے دوگنی سزا ملے گی۔ مکہ کی حرمت کے پیش نظر وہاں جو کام کرنے ممنوع ہیں وہ یہ ہیں۔

❁ حرمِ مکہ میں کون کون سے کام کرنا ممنوع ہیں؟:۔ حرم مکہ کو اللہ نے امن کی جگہ قرار دیا ہے۔ لہٰذا وہاں:

۱۔ نہ فوج کشی جائز ہے نہ جدال و قتال حتیٰ کہ بلا ضرورت کوئی ہتھیار اٹھانا بھی ممنوع ہے۔ اگر کوئی مجرم بھی حرم میں پناہ لے لے تو جب تک حرم میں ہے اس سے تعرض نہ کیا جائے گا۔

۲۔ حرمِ مکہ کے جانور محفوظ و مامون ہیں۔ نہ ان کا شکار کیا جا سکتا ہے اور نہ انہیں شکار کے لئے ہانکا جا سکتا ہے۔ البتہ موذی جانوروں کو حرم میں بھی مارنے کی اجازت ہے۔

۳۔ حرمِ مکہ کے پودے درخت اور گھاس وغیرہ بھی محفوظ و مامون ہیں۔ البتہ بعض اقتصادی ضروریات کے پیش نظر اذخر گھاس کاٹنے کی اجازت دی گئی۔

۴۔ حرمِ مکہ سے کوئی گری پڑی چیز بھی اٹھانا روا نہیں۔ الا یہ کہ اٹھانے والا مالک کو پہنچانتا ہو اور وہ اسے پہنچا دے۔

مندرجہ بالا امور میں بیشتر کام ایسے ہیں جو دوسرے مقامات پر کرنے جائز ہیں مگر حرمِ مکہ میں کعبہ کی حرمت کی وجہ سے کرنے جائز نہیں۔ پھر ایسے کام مثلاً الحاد، بے دینی اور شرارت کے کام جو دوسرے مقامات پر بھی ممنوع ہیں انہیں اگر حرم مکہ میں کیا جائے تو یہ جرم کتنا شدید ہو جائے گا؟ پھر اس نسبت سے اس کی سزا میں بھی اضافہ ہو گا۔

[۳۳] ❁ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ صرف توحید پرستوں کے لئے بنایا تھا:۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے کعبہ کو تعمیر کیا تھا جس کے اب نشانات بھی زمین بوس ہو چکے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آندھی چلائی جس سے اوپر کی مٹی اور ریت اڑ کر دور چلی گئی اور کعبہ کی بنیادیں ننگی اور ظاہر ہو گئیں۔ انہی بنیادوں پر سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسمٰعیل کو ساتھ ملا کر کعبہ کی تعمیر شروع کی تھی۔ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ ہدایت کی گئی تھی کہ اس گھر کی بنیادیں خالص توحید پر رکھو۔ کوئی شخص یہاں آ کر اللہ کی عبادت کے سوا کوئی مشرکانہ رسوم بجا نہ لائے۔ لیکن مشرکینِ مکہ نے جو دین ابراہیمی کی پیروی کے مدعی تھے۔ اس ہدایت کی ایسی نافرمانی کی کہ وہاں تین سو ساٹھ بت لا کھڑے کئے بالآخر فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے اس گھر کو بتوں کی نجاست سے پاک فرمایا۔

[۳۴] ❁ مساجد کی صفائی سے مراد صرف ظاہری صفائی نہیں بلکہ شرک سے صفائی بھی ہے:۔ اللہ کے گھروں یعنی مساجد کو صاف ستھرا رکھنا اتنا افضل عمل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولوا العزم انبیاء کو خصوصاً اس کام کی ہدایت کی۔ صفائی سے مراد ظاہری صفائی بھی ہے اور احادیث میں اس کی بھی تاکید آئی ہے۔ لیکن اللہ کے گھروں کی اصل پاکیزگی اور صفائی یہی ہے کہ وہاں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو نہ پکارا جائے اور نہ ہی وہاں اللہ کے بجائے اللہ کے پیاروں کا ذکر اذکار اور کرامات بیان کی جائیں۔

[۳۵] جب کعبہ کی تعمیر مکمل ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم کو حکم دیا کہ لوگوں میں اعلان عام کر دو کہ وہ حج کے لئے یہاں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ

پاس ہر دور دراز مقام سے پیدل اور چھریرے[۳۶] بدن کے اونٹوں پر سوار ہو کر آئیں۔(۲۷)
تاکہ لوگ وہ فائدے[۳۷] مشاہدہ کریں جو یہاں ان کے لئے رکھے گئے ہیں اور جو جانور ہم نے انہیں عطا کئے ہیں ان پر مقررہ دنوں میں اللہ کا نام لیں[۳۸] (ذبح کریں) پھر انہیں خود بھی کھائیں[۳۹] اور تنگ دست

آئیں۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے یہاں میری آواز کون سنے گا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم اعلان کر دو۔ آواز پہنچا دینا میرا کام ہے۔ چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ایک پہاڑ پر کھڑے ہو کر پکارا: لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کیا ہے۔ لہٰذا حج کو آؤ۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ آواز ہر اس شخص اور اس روح تک پہنچا دی جس کے لئے حج مقدر تھا اور اس کی روح نے اس اعلان پر لبیک کہا۔

[۳۶] ضامر کا لغوی مفہوم:۔ یہاں ضامر کا لفظ استعمال ہوا ہے اور ضامر وہ جانور ہے جو خوراک کی کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ سدھانے اور مشق کی کثرت اور کسرت کی وجہ سے دبلا پتلا اور چھریرے بدن والا ہو جائے اور سبک رو، یا سبک خرام ہو تاکہ مقابلہ میں آگے نکل سکے۔ اور جو جانور بھوک کی کمی کی وجہ سے دبلا ہوا سے عجف کہتے ہیں۔ عرب میں ضامر کا لفظ عموماً اونٹ کے لئے مختص ہو گیا خواہ وہ نر ہو یا مادہ اور اونٹ کا نام بطور خاص اس لیے لیا گیا کہ اس زمانہ میں اور اس علاقہ میں اونٹ ہی آمد و رفت اور نقل و حرکت کا سب سے بڑا ذریعہ تھا۔

[۳۷] حج کے فوائد و برکات:۔ یہ فائدے صرف دینی ہی نہیں بلکہ اس اجتماع حج سے کئی قسم کے سیاسی، اقتصادی، معاشی اور تمدنی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ اور تمام مسلمانوں کو ایک مرکز وحدت میسر آتا ہے۔ یہ حج ہی کی برکت تھی کہ قریش مکہ کو جو بیت اللہ کے متولی تھے پورے عرب میں ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ اور یہ حج کی برکت تھی کہ لوٹ مار کے دور میں بھی کم از کم چار مہینے لوگ امن و امان سے سفر کر سکتے تھے۔ یہ حج ہی کی برکت تھی کہ مکہ ایک عالمی تجارتی منڈی بن گیا تھا۔ اس تجارت سے اگرچہ بیرونی حضرات بھی خاصا فائدہ اٹھاتے تھے تاہم سب سے زیادہ فائدہ اہل مکہ ہی کو پہنچتا تھا اور یہ حج کی برکت ہے کہ یہاں سے اٹھائی ہوئی آواز دنیا کے کونے کونے میں پہنچ جاتی تھی۔

[۳۸] ایام معلومات سے بعض علماء نے یکم سے دس ذی الحجہ تک کے دن مراد لئے ہیں۔ مگر یہ اس صورت میں جبکہ اللہ کے ذکر کو عام سمجھا جائے اور اگر اللہ کا نام لینے کو قربانی کے جانوروں سے متعلق سمجھا جائے تو یہ بعض کے نزدیک ۱۰ ذی الحجہ اور اس کے بعد کے دو دن ہیں۔ اور بعض کے نزدیک تین دن یعنی ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک ان کے نزدیک قربانی کرنا جائز ہے۔

بھیمۃ الانعام سے مراد اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری وغیرہ ہیں، جن کی قربانی دی جاتی ہیں اور یہ اسی صورت میں حلال ہوں گے جبکہ ذبح کرتے وقت ان پر اللہ کا نام لیا جائے۔ اگر اللہ کے سوا کسی اور کا نام بھی لیا جائے یا عمداً اللہ کا نام چھوڑ دیا جائے تو ایسے ذبح شدہ جانور کا کھانا حلال اور جائز نہ ہوگا۔ اور اگر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لینا بھول جائے تو قربانی جائز اور حلال ہی رہے گی جب یاد آئے اسی وقت ہی اللہ کا نام لے لیا جائے۔ اگرچہ ذبح کے وقت کی کئی دعائیں منقول ہیں۔ تاہم مختصر سے مختصر الفاظ جو قربانی کے وقت کہے جا سکتے ہیں، یہ ہیں بسم اللہ اللہ اکبر

[۳۹] وہ امور جو دور جاہلیت میں نیکی سمجھے جاتے تھے مگر اسلام نے ان میں اصلاح کی:۔ جاہلی دور میں کئی کام ایسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْفَقِيرَ ﴿٢٨﴾ ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٢٩﴾

محتاج[۴۰] کو بھی کھلائیں۔(۲۸) پھر اپنا میل کچیل[۴۱] دور کریں اور اپنی نذریں[۴۲] پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف[۴۳] کریں۔(۲۹)

تھے۔ جنہیں نیکی کے کام اور معروف سمجھ کر بجالایا جاتا تھا۔ مگر اسلام نے ان میں اصلاح کی۔ جیسے سفر حج میں حجامت نہ کرنا، پیدل روانہ ہونا، مشکل کے وقت بھی قربانی کے جانور پر سوار نہ ہونا، سفر سے واپسی پر گھر کے پچھواڑے سے داخل ہونا، ننگے ہو کر طواف کرنا، صفا و مروہ کے طواف کو اچھا نہ سمجھنا، عرفات کے قیام کو ضروری نہ سمجھنا، ایسے ہی امور میں سے ایک یہ بات تھی کہ وہ قربانی کے گوشت سے خود کچھ نہیں کھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ الفاظ کہہ کر ان کی غلط فہمی کا ازالہ فرمادیا۔

[۴۰] ۞ قربانی کے گوشت کی تقسیم:۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ قربانی کے گوشت سے غنی قسم کے لوگ کھا ہی نہیں سکتے۔ بلکہ یہ ہے کہ محتاجوں اور فقراء و مساکین کو ضرور شامل کیا جائے۔ اور خود کھانے کا بھی یہ مطلب نہیں کہ اس میں سے ضرور ضرور کھایا جائے بلکہ یہ ہے کہ قربانی کا گوشت خود کھانے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ اور اس سلسلہ میں سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کا قول یہ ہے کہ ایک حصہ خود رکھ لو۔ ایک حصہ اپنے ہمسایوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کردو اور ایک حصہ فقراء مساکین میں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ یہ تینوں حصے برابر برابر ہوں۔ بلکہ حسب ضرورت اس میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے اور بہتر یہ ہے کہ اپنے لئے حصہ تیسرے سے کم رکھا جائے اور فقراء کے لئے تیسرے حصہ سے زیادہ۔

[۴۱] یعنی دس ذی الحجہ کو قربانی کرنے کے بعد حج کرنے والے حضرات حجامت بنوائیں، ناخن کٹوائیں، نہائیں دھوئیں، اور راستے کی گرد اور میل کچیل دور کریں۔ اور احرام کھول کر عام لباس پہن لیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ احرام کھولنے کے بعد احرام کی دوسری پابندیاں تو ختم ہو جاتی ہیں مگر اپنی بیوی کے پاس جانا اس وقت تک جائز نہیں ہوتا جب تک آدمی طواف افاضہ نہ کرلے۔ جس کا ذکر اسی آیت کے آخری جملہ میں ہے۔

[۴۲] یعنی جو بھی نذر کسی حاجی نے اس موقع کے لئے مانی ہو۔ اور بعض کے نزدیک نذر سے مراد وہی قربانی یا قربانیاں ہیں جن کا حاجی نے ارادہ کر رکھا ہو۔

[۴۳] ۞ بیت العتیق کے معانی:۔ عتیق کا ایک معنی "آزاد" ہے۔ اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس گھر پر کسی ظالم اور جابر بادشاہ کا قبضہ نہیں ہو سکتا اور ایسے حملہ آوروں کا وہی حشر ہوگا جو اصحاب الفیل کا ہوا تھا۔ حتیٰ کہ یاجوج ماجوج کی یورش کے بعد بھی تاقیامت بیت اللہ کا طواف اور حج آزادانہ طور پر ہوتا رہے گا۔ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن زبیر کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "بیت اللہ کا نام بیت العتیق اس لئے ہوا کہ اس پر کبھی کوئی ظالم غالب نہیں ہوا" (ترمذی، ابواب التفسیر)

۞ قیامت کے نزدیک کعبہ کو گرانے والا:۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "کہ (قیامت کے قریب) ایک لشکر کعبہ پر چڑھ آئے گا۔ جب وہ بیداء کے کھلے میدان میں پہنچیں گے تو سب کے سب اول سے آخر تک زمین میں دھنسا دیئے جائیں گے" (بخاری۔ کتاب البیوع۔ باب ما ذکر فی الاسواق) البتہ قیامت کے بالکل نزدیک ایک چھوٹی پنڈلیوں والا کالا حبشی کعبہ کو گرانے آئے گا اور وہ اسے گرادے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: گویا میں کعبہ کے گرانے والے کو دیکھ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رہا ہوں، ایک کالا پھٹا (قدم کے اگلے حصہ کو قریب اور ایڑیوں کو دور کر کے چلنے والا آدمی) اس کا ایک ایک پتھر اکھیڑ رہا ہے" (بخاری، کتاب المناسک، باب هدم الكعبة) اور عتیق کا دوسرا معنی ہر وہ چیز ہے جس کے قدیم ہونے کے باوجود اس کی شرافت، نجابت اور احترام میں کوئی فرق نہ آئے۔ زندہ جاوید۔ اسی لحاظ سے کعبہ کو بیت العتیق کہتے ہیں۔

دس ذی الحجہ کو رمی الجمار، قربانی، غسل اور احرام کھولنے کے بعد بیت اللہ کا طواف کرنا ضروری ہے اور اس طواف کو طواف افاضہ یا طواف زیارت کہتے ہیں اور یہ طواف حج کا رکن ہے اور واجب ہے۔ احرام کی پوری پابندیاں اس طواف کے بعد ہی ختم ہوتی ہیں۔ اور اگر طواف کرنے والا بیمار یا لاغر ہو تو سوار ہو کر بھی طواف کیا جا سکتا ہے چنانچہ حج اور قربانی کے کچھ احکام تو سابقہ چار آیات میں مذکور ہو چکے اور کچھ آئندہ آیات میں بتائے جا رہے ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہاں کچھ متعلقہ مسائل اور احادیث بھی درج کر دی جائیں اور وہ حسب ذیل ہیں:

❁ حج اور قربانی کے متعلق احادیث اور مسائل:۔

۱۔ براء بن عازب ؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے عید الاضحیٰ کے دن خطبہ کے دوران فرمایا: "آج کے دن ہمیں پہلے نماز ادا کرنا چاہئے۔ پھر واپس جا کر قربانی کرنا چاہئے۔ جس نے اس طرح کیا وہ ہماری سنت پر چلا اور جس نے قربانی (نماز سے پہلے) کر لی۔ اس کی قربانی ادا نہیں ہوئی بلکہ اس نے اپنے گھر والوں کے لئے گوشت کی خاطر بکری کاٹی" اس پر ابو بردہ ؓ نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! میں نے تو نماز سے پہلے ہی ذبح کر لیا اور اب میرے پاس کوئی بکری نہیں صرف ایک جذعہ (پٹھیا) ہے جو مسنّہ (دو ندی یا دو سال کی) سے بہتر ہے" آپ ﷺ نے فرمایا: "اچھا اب وہ قربانی کر لو اور تمہارے بعد کسی کو ایسا کرنا کافی اور درست نہ ہوگا" (بخاری۔ کتاب الاضاحی۔ باب الذبح بعد الصلوٰة)

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ قربانی نماز عید کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ دوسرے اگر بکری قربانی دینا ہو تو اس کا مسنّہ ہونا ضروری ہے۔

۲۔ سیدنا یونس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو چتکبرے مینڈھے قربانی کئے۔ میں نے دیکھا آپ اپنا پاؤں ان کے منہ کے ایک جانب رکھے ہوئے بسم الله الله اكبر کہہ کر اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے تھے۔ (بخاری۔ کتاب الاضاحی۔ باب من ذبح الاضاحی بیده)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (۱) قربانی کا جانور خوبصورت اور موٹا تازہ ہونا چاہئے (۲) ایک شخص ایک سے زیادہ قربانیاں بھی دے سکتا ہے۔ (۳) جانور کو لٹا کر اور اسے خوب قابو کر کے ذبح کرنا چاہئے۔ (۴) ذبح کے وقت اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔ (۵) اپنی قربانی اپنے ہاتھ سے کرنا افضل ہے۔

۳۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ہم منیٰ میں تھے کہ گائے کا گوشت لایا گیا، میں نے پوچھا: "یہ کہاں سے آیا ہے" صحابہ نے عرض کیا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیبیوں کی طرف سے ایک گائے قربانی کی ہے" (بخاری۔ کتاب الاضاحی۔ باب الاضحية للمسافر و النساء)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (۱) صاحب استطاعت کو اپنے گھر والوں کی طرف سے الگ قربانی دینا سنت ہے۔ (۲) حج کرنے والوں کو قربانی منیٰ کے مقام پر کرنا چاہئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۴۔ سیدنا نافع ؒ کہتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر ؓ اسی مذبح میں قربانی ذبح کیا کرتے تھے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے (بخاری۔ کتاب الاضاحی۔ باب الاضحیٰ والمنحر بالمصلیٰ)

یعنی منیٰ کا سارا علاقہ بھی مذبح نہیں۔ بلکہ قربانی مذبح خانہ میں جا کر کرنا چاہئے۔

۵۔ حضرت جابر بن عبداللہ ؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حج (۱۰ھ) کی کیفیت بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ: "آپ ﷺ نحر کی جگہ آئے تو تریسٹھ (۶۳) اونٹ اپنے دست مبارک سے نحر کئے باقی سینتیس (۳۷) حضرت علی ؓ کو دیئے جو انہوں نے نحر کئے۔ اور ان کو اپنی قربانی میں شریک کیا" (مسلم۔ کتاب الحج۔ باب حجۃ النبی ﷺ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ (۱) دو آدمی مل کر بھی قربانی کر سکتے ہیں۔ (۲) قربانی جتنی زیادہ سے زیادہ کوئی دے سکتا ہو، دینا چاہئے۔

۶۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "قربانی کے دن اللہ تعالیٰ کو انسان کے عملوں میں خون بہانے سے بڑھ کر کوئی عمل محبوب نہیں ہے" (ترمذی۔ مع تحفۃ الاحوذی ج ۲ ص ۳۵۲)

۷۔ سیدنا عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں دس سال رہے اور ہمیشہ قربانی کرتے رہے" (ترمذی حوالہ ایضاً)

۸۔ سیدنا ابوہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص استطاعت رکھتا ہو۔ پھر قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ میں نہ آئے" (ابن ماجہ، کتاب الاضاحی۔ اردو ص ۳۸۱ مطبوعہ مکتبہ سعودیہ، کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قربانی اگرچہ ہر مسلمان پر واجب نہیں تاہم صاحب استطاعت کے لئے سنت مؤکدہ ضرور ہے۔

۹۔ سیدنا جابر ؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: مسنّۃ (بکری وغیرہ جو ایک سال کی ہو کر دوسرے میں لگی ہو) کی قربانی کرو۔ البتہ جب ایسا جانور نہ مل رہا ہو۔ تو جذعۃ دنبہ (جو چھ ماہ کا ہو کر ساتویں میں لگا ہو) کر لو" (مسلم۔ کتاب الاضاحی۔ باب سنّ الاضحیۃ)

۱۰۔ سیدنا علی ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجۃ الوداع) میں سو اونٹ قربانی کئے اور مجھے حکم دیا کہ ان کا گوشت بانٹ دوں۔ میں نے سارا گوشت بانٹ دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: ان کی جھولیں بھی بانٹ دو میں نے وہ بھی بانٹ دیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی کھالیں بانٹنے کا حکم فرمایا، میں نے وہ بھی بانٹ دیں۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ ان میں سے کوئی بھی چیز قصاب کو مزدوری میں نہ دو" (بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب لا یعطی الجزار من الھدی شیئا)

۱۱۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عیدالاضحیٰ کے دن عید میں شریک ہونے کے لئے دیہات سے (محتاج) لوگ آ گئے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "قربانی کے گوشت سے تین دن تک کے لیے رکھ لو۔ باقی خیرات کر دو۔ (تاکہ محتاجوں کو بھی کھانے کو گوشت مل جائے) بعد میں لوگوں نے عرض کیا کہ: ہم اپنی قربانیوں کی کھالوں سے مشکیں بناتے تھے اور ان میں چربی پگھلاتے تھے" آپ ﷺ نے پوچھا: "تو اب کیا ہوا؟" صحابہ نے عرض کیا: آپ نے تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت کھانے سے منع فرما دیا تھا" آپ ﷺ نے فرمایا: "میں نے تمہیں ان محتاجوں کی وجہ سے منع کیا تھا جو اس وقت موقع پر آ گئے تھے۔ اب تم کھاؤ بھی، صدقہ بھی کرو اور رکھ بھی سکتے ہو" (مسلم۔ کتاب الاضاحی۔ باب النھی عن اکل لحوم الاضاحی بعد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثلاث و نسخه)

۱۲۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قربانی کا گوشت توشہ کر کے مدینہ تک آئے۔ ابو سفیان نے کہا اس حدیث میں قربانی سے مراد ہدی (مکہ میں کی ہوئی قربانی) ہے۔ (بخاری، کتاب الاضاحی۔ باب ما یوکل من لحوم الاضاحی وما یتزود منها)

۱۳۔ زیاد بن جبیر کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ وہ ایک شخص کے پاس آئے جس نے نحر کرنے کے لئے اپنا اونٹ بٹھایا تھا۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس اونٹ کو کھڑا کر اور پاؤں باندھ دے (پھر نحر کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت ہے۔ (بخاری۔ کتاب المناسک۔ نحر الابل مقیدۃ)

۱۴۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ اونٹ اور گائے (کی قربانی) میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں" (مسلم۔ کتاب الحج باب جواز الاشتراک فی الهدی)

۱۵۔ سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم تہامہ کے علاقہ میں ذوالحلیفہ کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ وہاں ہمیں بکریاں اور اونٹ ملے ہم نے جلدی کر کے گوشت کاٹ کر ہنڈیاں چڑھا دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وہ ہنڈیاں اوندھا دینے کا حکم دیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس بکریاں ایک اونٹ کے برابر رکھیں۔ (مسلم۔ کتاب الاضاحی۔ جواز الذبح بکل ما انهر الدم الاالسن......)

اس حدیث کو امام مسلم نے کتاب الاضاحی میں درج کر کے یہ اجتہاد کیا ہے کہ اونٹ کی قربانی میں دس آدمی تک شریک ہو سکتے ہیں جبکہ گائے، بیل میں صرف سات آدمی ہی شریک ہو سکتے ہیں۔

۱۶۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص حالت احرام میں شکار کرے اور اسے اس کا بدلہ دینا ہو تو اس بدلہ کے جانور یا نذر کے جانور میں سے کچھ نہ کھائے۔ باقی سب میں سے کھا سکتا ہے۔ (بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب ما یاکل من البدن)

۱۷۔ ۞ <u>قربانی کے جانور پر سوار ہونا تعظیم کے منافی نہیں:۔</u> سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو قربانی کا اونٹ ہانک رہا تھا (اور خود پیدل چل رہا تھا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: "اس پر سوار ہو جا" وہ کہنے لگا: "یہ قربانی کا جانور ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ فرمایا: "اس پر سوار ہو جا" وہ پھر کہنے لگا: "یہ قربانی کا جانور ہے" آپ نے تیسری بار اسے فرمایا: ارے کم بخت اس پر سوار ہو جا" (بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب رکوب البدن)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت قربانی کے جانور پر سوار ہونا شعائر اللہ کی تعظیم کے منافی نہیں۔

۱۸۔ ۞ <u>پیدل حج کرنا کار ثواب نہیں:۔</u> سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بوڑھے کو دیکھا جو اپنے دونوں بیٹوں کا سہارا لئے چل رہا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: "اسے کیا ہوا ہے؟" لوگوں نے کہا: "اس نے پیدل کعبہ کو جانے کی منت مانی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اللہ کو اس بات کی حاجت نہیں کہ وہ اپنے آپ کو تکلیف دے" اور اسے حکم دیا کہ وہ سوار ہو جائے۔ (بخاری۔ کتاب العمرۃ۔ باب من نذر المشیة الی الکعبة)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیدل سفر حج کار ثواب نہیں بلکہ مکروہ کام ہے اور اگر کسی نے ایسی نیت کی بھی ہو تو اسے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

پورا نہ کرنا چاہئے۔

۱۹۔ سیدنا انس بن مالک فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ جب مزدلفہ سے منیٰ میں آئے تو پہلے جمرہ عقبہ پر گئے اور کنکریاں ماریں۔ پھر اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔ پھر قربانی کی۔ پھر حجام سے سر مونڈنے کو کہا پہلے داہنی طرف سے پھر بائیں طرف سے پھر وہ بال آپ ﷺ نے صحابہ کو دے دیئے۔ (مسلم۔ کتاب الحج۔ باب ان السنة يوم النحران يرمى ثم ينحر)

یوم النحر کے کاموں کی از روئے سنت ترتیب یہ ہے پہلے رمی (۲) بعد میں قربانی (۳) حجامت اور احرام کھولنا۔ (۴) طواف افاضہ یا طواف الزیارۃ تاہم ان کاموں میں تقدیم و تاخیر ہو جائے تو کچھ حرج نہیں، جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے:

۲۰۔ ۞ یوم النحر: مناسک حج میں تقدیم و تاخیر:۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: میں نے رمی سے پہلے طواف الزیارۃ کر لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی حرج نہیں اور ایک شخص نے کہا میں نے شام ہو جانے کے بعد رمی کی آپ ﷺ نے فرمایا: کچھ حرج نہیں ایک نے کہا: میں نے قربانی سے پہلے سر منڈوالیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کچھ حرج نہیں۔ (بخاری۔ کتاب المناسک، باب الذبح قبل الحلق)

۲۱۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: یا اللہ سر منڈوانے والوں کو بخش دے "لوگوں نے عرض کیا: "اور بال کترانے والوں کو؟" آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا: "یا اللہ بال منڈوانے والوں کو بخش دے "لوگوں نے پھر کہا، اور بال کترانے والوں کو؟" غرض آپ نے تین بار سر منڈوانے والوں کے لئے بخشش طلب فرمائی اور چوتھی بار فرمایا اور بال کترانے والوں کو بھی" (بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب الحلق والتقصير عند الاحلال)

۲۲۔ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب تم ذی الحجہ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی قربانی کرنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ (قربانی کرنے تک) نہ حجامت بنائے اور نہ ناخن کاٹے" (مسلم۔ کتاب الاضاحی۔ باب النهى من دخل عليه عشر ذى الحجة.....)

۲۳۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا اور دسویں تاریخ کو ہی طواف الزیارۃ کر لیا۔ پھر ام المومنین سیدہ صفیہ کو حیض آ گیا۔ آپ ﷺ نے ان سے صحبت کرنا چاہی۔ تو میں نے عرض کیا "یا رسول اللہ! وہ تو حائضہ ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا: "گویا اس نے ہمیں یہاں روک دیا؟" لوگوں نے کہا "وہ دسویں تاریخ کو طواف الزیارۃ کر چکی ہیں" آپ ﷺ نے فرمایا: "پھر کیا ہے چلو نکلو" (بخاری۔ کتاب المناسک۔ باب الزيارة يوم النحر)

اس حدیث سے طواف الزیارۃ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ جب تک حاجی طواف الزیارۃ نہ کر لے اس کا حج مکمل نہیں ہوتا۔ نہ وہاں مکہ سے رخصت ہو سکتا ہے۔

۲۴۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ نے خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا: "لوگو! تم پر حج فرض ہے۔ لہٰذا حج کرو" ایک شخص (اقرع بن حابس) کہنے لگا: کیا ہر سال یا رسول اللہ!؟ آپ خاموش رہے۔ اس شخص نے تین بار یہی سوال کیا پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال حج فرض ہو جاتا اور تم یہ حکم بجا نہ لا سکتے۔ لہٰذا مجھے وہاں چھوڑ دو جہاں میں تم کو چھوڑ دوں (بات کرنا بند کر دوں) کیونکہ تم سے پہلے لوگ اسی وجہ سے ہلاک ہوئے کہ انہوں نے اپنے نبیوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۗ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا

یہ (تھا کعبہ کا مقصد) اور جو شخص اللہ کی احترام والی[۴۴] چیزوں کی تعظیم کرے تو یہ بات اس کے پروردگار کے ہاں اس کے لیے بہتر ہے۔ نیز تمہارے لئے چوپائے حلال کئے گئے ہیں ماسوائے ان کے جو تمہیں بتائے[۴۵]

سے بہت سوال کئے اور ان سے بہت اختلاف کرتے رہے۔ تو جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو جتنا ہو سکے اسے بجالاؤ۔ اور جب میں کسی بات سے منع کروں تو اس سے رک جاؤ" (مسلم۔ کتاب الفضائل۔ باب توقیرہ ﷺ وترک اکثار سوالہ عما لاضرورۃ الیہ الخ، ابن ماجہ باب اتباع السنۃ آخری حدیث)

❁ قربانی کو مالی ضیاع سمجھنے والے مسلمان:۔ حج اور بالخصوص قربانی کے مسائل کی یہ تفصیل اس لیے دینا پڑی کہ مسلمانوں میں سے ہی کچھ لوگ ایسے پیدا ہو چکے ہیں جو کہ قربانی کو غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ کبھی وہ یہ کہتے ہیں کہ قربانی صرف مکہ میں ہے اور حاجیوں کے لئے ہے اور ہم لوگ جو ہر شہر اور ہر بستی میں قربانیاں کرتے ہیں ان کا کوئی حکم نہیں۔ کہیں وہ اسے گوشت اور مالی ضیاع سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی یہ درد اٹھنے لگتا ہے کہ جتنی رقم قربانیوں پر خرچ کی جاتی ہے اتنی رقم سے محتاجوں کے لئے کئی رہائشی منصوبے بنائے جا سکتے ہیں۔ اور کبھی کہتے ہیں کہ جتنی رقم کسی قربانی پر صرف ہوتی ہے اتنی رقم صدقہ میں صرف کر دی جائے تو بہتر ہے۔ مندرجہ بالا احادیث میں ان کی ان سب باتوں کا جواب اور تردید موجود ہے۔ ایسے لوگ دراصل مغربیت اور مغربی تہذیب سے مرعوب، اس کے شیدائی اور کھاتے پیتے لوگ ہوتے ہیں۔ وہ اگر قربانی سے دگنی رقم سینما بینی اور اپنی عیاشیوں پر خرچ کر دیں تو وہ ان کے نزدیک مالی ضیاع نہیں ہوتا۔ لیکن قربانی میں انہیں کئی طرح کے نقصانات نظر آنے لگتے ہیں۔ بہر حال ان کے سب اقوال "خوئے بدرا بہانہ بسیار" کا مصداق ہوتے ہیں۔ انہیں محتاجوں اور فقیروں سے کوئی ہمدردی نہیں ہوتی اور اگر بالفرض حکومت کوئی ایسا منصوبہ بنا بھی لے تو وہ خود کبھی اس فنڈ میں کچھ دینا گوارا نہ کریں گے۔ ان کی اصل غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ قربانی نہ کرنے کے باوجود بھی وہ مسلمانوں کی نظروں میں بخیل اور "چور" نہ سمجھے جائیں۔ (ایسے لوگوں کے دلائل کی تفصیل اور ان کی تردید کے لئے دیکھئے میری تصنیف آئینہ پرویزیت حصہ سوم)

[۴۴] حُرُمٰتِ اللّٰهِ سے مراد اللہ کی حرام کردہ اشیاء بھی ہیں اور قابل احترام اشیاء یعنی شعائر اللہ بھی۔ یعنی ان سب چیزوں کی حرمت و احترام کا پورا پورا خیال رکھنا چاہئے اور تعمیر کعبہ کا اولین مقصد یہ تھا کہ اسے شرکیہ اعمال و افعال اور بتوں کی نجاستوں سے پاک و صاف رکھا جائے۔ اور قریش مکہ نے ایسی نجاستوں کا بھی مطلق خیال نہ رکھا اور جو لوگ اللہ کی توحید کے قائل تھے ان کے بیت اللہ میں داخلہ پر بھی پابندیاں لگا دیں۔ گویا اللہ کے گھر اور اس کے شعائر کی ہر طرح سے توہین کی۔ نیز اس مقام پر حرمات سے مراد عموماً حج، عمرہ، کعبہ، قربانی اور احرام سے متعلق احکام ہیں۔ جیسے کسی سے لڑائی جھگڑا کرنے، احرام کی حالت میں شکار کرنے اور صحبت کرنے سے بچنا اور ایسے احکام کا پورا پورا پاس رکھنا ضروری ہے اور یہ چیز ان کے حق میں اور اللہ کے ہاں بڑی خوبی اور نیکی کی بات ہے۔

[۴۵] ❁ چار بنیادی حرام اشیاء:۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام چرنے والے چوپائے انسان کے لئے حلال قرار دیئے ہیں ماسوائے ان چیزوں کے جن کا ذکر پہلے کئی مقامات پر آچکا ہے اور وہ ہیں مردار خواہ وہ جانور کسی بھی طریقہ سے مر گیا ہو (۲) خون بالخصوص

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّورِ ﴿٣٠﴾
حُنَفَاءَ لِلَّهِ غَيْرَ مُشْرِكِينَ بِهِ ۚ وَمَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ

جا چکے ہیں۔ لہٰذا بتوں کی گندگی[۴۶] سے بچو اور اپچ پیچ والی بات سے بھی بچو[۴۷]۔(۳۰) اللہ کے لئے یکسو[۴۸] ہو جاؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک بنایا تو وہ ایسے ہے

وہ خون جو ذبح کرتے جانور کے جسم سے نکلتا ہے۔ (۳) خنزیر کا گوشت جس کی ہر چیز نجس اور اس کا استعمال ممنوع ہے۔ (۴) ہر وہ جانور یا چیز جو غیر اللہ کے نام پر مشہور کی جائے اس جملہ میں یہ بتانا مقصود ہے کہ مشرکین مکہ نے جو بحیرہ وصیلہ، سائبہ اور حام قسم کے مویشی حرام قرار دے رکھے ہیں۔ یہ قطعاً اللہ کی طرف سے حرام کردہ نہیں ہیں۔

[۴۶] یعنی آستانوں کی آلائشوں اور بتوں کی پرستش سے یوں بچو جیسے انسان گندگی کے ڈھیر سے بچتا ہے اور اسے اس گندگی کے نزدیک جانے سے بھی گھن آتی ہے۔ تمام جانور اللہ کی مخلوق و مملوک ہیں۔ لہٰذا اسی کے نام پر اور اسی کے لئے کعبہ کی نیاز ہو سکتے ہیں۔ کسی بت یا دیوی یا آستانہ پر ذبح کیا ہوا جانور مردار کی طرح حرام اور نجس ہے۔ لہٰذا ایسے کاموں سے بچنا ضروری ہے۔

[۴۷] ❁ زُور کا لغوی معنیٰ:۔ قول الزور میں دونوں الفاظ بڑے وسیع معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ زور کے معنی صرف جھوٹ نہیں بلکہ ہر وہ بات ہے جو حق سے ہٹی ہوئی ہو اور اس کی کئی قسمیں ہو سکتی ہیں۔ قول الزور کے مقابلہ میں قرآن میں قولاً سدیداً کے الفاظ آئے ہیں یعنی ایسی بات جس میں کوئی رخنہ، ابہام، ہیرا پھیری اور پیچیدگی نہ ہو اور قول الزور ایسی بات ہے جس میں یہ باتیں یا ان میں سے کوئی ایک موجود ہو اور صاحب فقہ اللغۃ کے نزدیک زُور ایسا جھوٹ ہے جسے بنا سنوار کر پیش کیا جائے کہ وہ بھلا اور درست معلوم ہو۔ اس لحاظ سے اللہ کے پیدا کئے ہوئے جانوروں کو غیر اللہ سے نامزد کر کے انہیں ذبح کرنا، بلا دلیل شرعی حلال کو حرام بنانا اور حرام کو حلال بنا لینا یہ سب قول الزور ہی کی اقسام ہیں اور افتراء علی اللہ بھی ہیں۔

❁ شہادتِ زُور کبیرہ گناہ ہے:۔ پھر قول الزور کی ایک قسم شہادۃ الزور ہے۔ یعنی ایسی شہادت جس میں ہیرا پھیری سے کام لیا جائے۔ اہم واقعہ کو غیر اہم اور غیر اہم کو اس طرح اہم بنا کر پیش کیا جائے جس سے کسی ایک فریق کی حق تلفی ہو جائے اور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ اور یہ اتنا بڑا گناہ ہے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے برابر قرار دیا ہے۔ جیسا کہ یہاں اس آیت میں شرک کے ساتھ ہی قول الزور کا ذکر کیا گیا ہے۔ نیز عبدالرحمٰن بن ابی بکرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میں تمہیں بڑے بڑے گناہ بتاؤں؟“ ہم نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ! ضرور بتائیے“ فرمایا: ”اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا“ اس وقت آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ آپ ﷺ اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: ”جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، سن لو! جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا“ آپ برابر یہی الفاظ دہراتے رہے۔ یہاں تک کہ میں سمجھا کہ آپ ﷺ چپ ہی نہ ہوں گے“ (بخاری۔ کتاب الادب باب عقوق الوالدین من الکبائر)

[۴۸] ❁ حنیف کا لغوی معنیٰ:۔ حنفاء حنیف کی جمع ہے۔ اور حنف یعنی تمام باطل راہوں کو چھوڑ کر استقامت کی طرف مائل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَوْ تَهْوِي بِهِ الرِّيحُ فِي مَكَانٍ سَحِيقٍ ﴿٣١﴾ ذَٰلِكَ وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى
الْقُلُوبِ ﴿٣٢﴾ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ ﴿٣٣﴾ وَلِكُلِّ

جیسے وہ آسمان[۴۹] سے گرے پھر اسے پرندے اچک لے جائیں یا ہوا اسے کسی دور دراز مقام میں لے جا کے پھینک دے۔(۳۱) یہ (سب امور قابلِ اجتناب ہیں) اور جو شخص اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ بات[۵۰] دلوں کے تقویٰ سے تعلق رکھتی ہے۔(۳۲) تمہیں ان (قربانی کے جانوروں) سے ایک مقررہ[۵۱] وقت تک فائدہ اٹھانے کا حق ہے پھر ان (کے ذبح کرنے) کی جگہ اسی قدیمی گھر (بیت اللہ) کے پاس ہے۔(۳۳)

ہونا (مفردات القرآن) اور حنیف وہ شخص ہے جو تمام باطل راہوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی سیدھی راہ کی طرف آجائے۔ اور وہ سیدھی راہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، عبادت و تصرفات میں کسی بھی چیز کو ذرہ برابر بھی شریک نہ سمجھا جائے۔

[۴۹] ❁ شرک انسانیت کی توہین ہے اور اس کی مثال جیسے کوئی بلندی سے نیچے پٹخ دیا جائے:۔ انسان تمام مخلوقات سے اشرف و افضل پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے سزاوار یہی بات ہے کہ وہ صرف اور صرف اپنے خالق و مالک کے سامنے سر جھکائے اسی سے اپنی حاجات طلب کرے اور اسی کی عبادت کرے۔ اب اگر وہ اللہ کو چھوڑ کر کسی بھی چیز کی عبادت کرے، اس کے آگے سر جھکائے یا حاجات طلب کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک اعلیٰ چیز اپنے سے کمتر درجہ کی چیز کے سامنے جھک گئی یا اگر وہ کسی انسان کے سامنے سر جھکائے تو بھی مطلب یہ ہوگا کہ وہ اپنے ہی جیسی محتاج مخلوق کے آگے جھک رہا ہے اور یہ بھی انسانیت کی تذلیل ہے۔ ایسے شخص کی مثال یہ ہے جیسے وہ توحید کی بلندیوں سے شرک کی پستیوں میں جاگرا۔ اور اب وہ اپنے جیسے دوسرے مشرکوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ جو اسے کبھی کسی در پر جانے کا مشورہ دیں گے کبھی کسی دوسرے کے آستانہ پر جانے کا۔ حتیٰ کہ یہ شکاری پرندے اسے مکمل طور پر گمراہ اور بے ایمان کر کے ہی چھوڑیں گے۔ اور اگر وہ ان سے کسی طرح بچ بھی گیا تو اللہ کے مقابلہ میں اس کی اپنی خواہشاتِ نفس ہی گمراہی کے گڑھے میں جاگرانے کو کافی ہیں۔ اور اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی بذات خود بھی شرک ہی کی ایک قسم ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔

﴿اَفَرَءَيْتَ الَّذِي اتَّخَذَ اِلٰهَهُ هَوٰىهُ﴾ (۲۵: ۴۳) ”یعنی اگر وہ دوسرے مشرکوں کے ہتھے نہ بھی چڑھے تو اس کا اپنا نفس ہی اسے گمراہ کرنے کو کافی ہے“

[۵۰] یعنی جس شخص کے دل میں اللہ کا تقویٰ اور اللہ کی محبت جاگزیں ہو وہ ان چیزوں کا ضرور ادب کرے گا جو اس کے نام سے منسوب ہیں یا جنہیں شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ ان چیزوں کی توہین یا بے حرمتی، بے ادبی وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں نہ اللہ کا خوف ہو اور نہ اس کی محبت ہو۔ واضح رہے کہ اللہ کے نام منسوب کردہ اشیاء کی تعظیم یا ادب کرنا شرک نہیں بلکہ عین توحید ہے۔ شرک یہ ہے کہ اللہ کے سوا دوسروں کے نام منسوب کردہ چیزوں کا ایسے ہی ادب و احترام کیا جائے جیسا کہ اللہ کی طرف منسوب اشیاء کا کیا جاتا ہے۔

[۵۱] ❁ قربانی کے جانور سے فائدہ اٹھانا:۔ یہ مقررہ وقت وہ وقت ہے جب قربانی کا جانور حرم کی حدود میں یا مذبح میں پہنچ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ
إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ

ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کا ایک طریقہ [۵۲] مقرر کر دیا ہے تاکہ جو جانور ہم نے انہیں عطا کئے ہیں ان پر وہ اللہ کا نام لیا کریں (ان مختلف طریقوں کے باوجود تم سب کا دین ایک ہی ہے کہ) تمہارا الٰہ صرف ایک ہی الٰہ ہے لہٰذا اسی کے فرمانبردار بن جاؤ اور (اے نبی) آپ اللہ کے حضور حاضری [۵۳] دینے والوں کو بشارت دے دیں۔(۳۴) اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور اگر انہیں کوئی مصیبت

جائے۔ اس سے ان قربانی کے جانوروں سے بھی کئی طرح کے فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں۔ مثلاً بوقت ضرورت ان پر سوار ہونا، ان کا دودھ دوہنا، ان کی اون حاصل کرنا ان سے نسل چلانا وغیرہ وغیرہ۔ جیسا کہ اسی سورہ کی آیت نمبر ۲۹ کے تحت درج شدہ حدیث نمبر ۱۷ سے واضح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا جانور ہانکنے والے ایک شخص کو اس پر سوار ہو جانے کا تاکید سے حکم دیا تھا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قربانی کے جانوروں سے فائدہ حاصل کرنا تعظیم کے منافی نہیں بلکہ تعظیم کا تعلق دل سے ہے۔ دل میں ان اشیاء کی محبت اور قدر ضرور ہونی چاہئے۔ نیز قربانی کے جانوروں سے کوئی فائدہ حاصل نہ کرنا مشرکوں کا کام تھا کہ جس جانور کو کسی بت کے نام منسوب کرتے تو اس سے کچھ فائدہ حاصل کرنے کو گناہ سمجھتے تھے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے یہ وضاحت فرما دی۔

بعض مفسرین نے مقررہ وقت سے مراد یہ لی ہے کہ جب تک جانور کو اللہ کے نام منسوب نہ کر دیا جائے یا ہدی نہ بنا دیا جائے۔ یہ مراد اس لئے درست نہیں کہ اللہ کے نام منسوب کرنے سے تو فوائد حاصل نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پھر اس آیت میں اجازت کس چیز کی دی جا رہی ہے نیز محولہ بالا حدیث بھی اس اختلاف کا فیصلہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

[۵۲] ❁ قربانی سب انبیاء کی شریعت کا جزو رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انبیاء کی شریعتوں میں اللہ کے حضور قربانی پیش کرنا ایک لازمی جزو رہا ہے۔ اگرچہ اس قربانی کی تفصیلات اور جزئیات میں اختلاف رہا ہے۔

❁ غیر اللہ کی قربانی یا نذر و نیاز شرک ہے:۔ اب اگر کوئی شخص اللہ کے علاوہ کسی دوسری چیز کے سامنے یا دوسری چیز کے لئے قربانی پیش کرے گا۔ تو یہ شرک فی العبادت ہے کیونکہ قربانی اور نذر و نیاز سب مالی عبادتیں ہیں۔ لہٰذا یہ عبادات کسی دوسرے کے لئے بجالانا یا ان میں کسی دوسرے کو شریک کرنا عین شرک ہے۔ اسی لئے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ تمہارا الٰہ تو صرف ایک ہی الٰہ ہے۔ پھر دوسروں کو اس کی عبادت میں کیوں شریک بناتے ہو؟

[۵۳] ❁ خبت کا لغوی مفہوم:۔ یہاں لفظ مخبتین استعمال ہوا ہے۔ اور خبت النار بمعنی آگ کا شعلہ ختم ہو جانا اور کوئلہ یا انگارہ پر راکھ کا پردہ چڑھ جانا ہے۔ (مفردات القرآن) اور مخبت سے مراد ایسا شخص ہے جس نے اللہ کے احکام کے سامنے اپنے پندارِ نفس اور خواہشاتِ نفس کو ختم کر دیا ہو۔ نیز اس کے معنوں میں عاجزی اور نرمی اور تواضع سب کچھ شامل ہوتا ہے۔

[۵۴] ان کے دل اس بات سے سہم جاتے ہیں کہ مبادا ان سے کوئی کام اللہ کی مرضی اور منشا کے خلاف سرزد ہو جائے۔ عمداً

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالْبُدْنَ
جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا

پہنچے تو اس پر صبر کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں[۵۴] اور اور جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے[۵۵] اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔(۳۵) اور قربانی کے اونٹوں[۵۶] کو ہم نے تمہارے لئے اللہ کے شعائر بنادیا ہے جن میں تمہارے لیے بہتری ہے۔ لہٰذا (ذبح کے وقت) انہیں صف بستہ[۵۷] کھڑا کر کے ان پر اللہ کا نام لو۔ پھر جب

شرکیہ افعال بجالانا تو بڑی دور کی بات ہے اور اس آیت میں مصیبت پر صبر کرنا، نماز کے قیام اور خرچ کرنے کا ذکر اس لحاظ سے ہے کہ سفرِ حج میں عموماً تکلیفیں بھی پیش آتی رہتی ہیں۔ نمازوں کے قضا ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے اور خرچ بھی خاصا اٹھتا ہے۔ لہٰذا یہ فرمادیا کہ اللہ کے حضور متواضع رہنے والوں میں یہ سب خوبیاں موجود ہوتی ہیں۔ یہ مطلب تو ربط مضمون کے لحاظ سے ہے تاہم ان کا حکم ہر حالت میں عام ہے۔

[۵۵] ❁ رزقِ حرام کی نسبت اللہ نے اپنی طرف نہیں کی:۔ یہاں رزق سے مراد حلال اور پاکیزہ کمائی ہے کیونکہ رزقِ حرام کی نسبت اللہ تعالیٰ نے کبھی اپنی طرف نہیں فرمائی۔ نہ رزقِ حرام سے صدقہ یا قربانی یا سفرِ حج کے اخراجات قابل قبول ہوتے ہیں۔ اور خرچ کرنے سے مراد اللہ کی راہ میں یا اللہ کے احکام کے تابع رہ کر خرچ کرنا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اسراف و تبذیر سے کام لیتا ہے یا سینما بینی اور فحاشی کے کاموں پر خرچ کرتا ہے تو یہ انفاق کی شرعی اصطلاح کی ذیل میں ہرگز نہیں آتے۔ بلکہ ایسے سب کام گناہوں کے کام ہیں۔

[۵۶] ❁ بدن کا لغوی مفہوم:۔ بُدن کے لفظ کا اطلاق لغوی طور پر ہر عظیم الجثہ جانور پر ہو سکتا ہے۔ تاہم عرب میں یہ لفظ اونٹوں کے لئے ہی مختص ہو گیا ہے۔ پہلے شعائر اللہ کا عمومی ذکر ہو رہا تھا۔ اب یہ ذکر کیا گیا کہ قربانی کے اونٹ بھی اللہ کے شعائر سے ہیں اور ان میں تمہارے لئے بہت سے فائدے اور بھلائیاں ہیں۔ تم ان پر سواری کرتے ہو۔ بار برداری کا کام لیتے ہو۔ دودھ اور اون اور بچے حاصل کرتے ہو۔ حتیٰ کہ ان کی کھالوں اور ہڈیوں سے بھی کئی طرح کے فوائد حاصل کرتے ہو اور چونکہ قربانی کے اونٹ قابل تعظیم ہیں لہٰذا ذبح کے وقت انہیں ہر ممکن سہولت پہنچاؤ۔

[۵۷] لفظ صواف دو معنوں میں استعمال ہو رہا ہے ایک تو ترجمہ سے ہی واضح ہے یعنی اگر قربانی کے اونٹ زیادہ ہوں تو پہلے انہیں صف بستہ کھڑا کر لیا جائے۔ پھر باری باری نحر کیا جائے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ انہیں کھڑے کھڑے ہی نحر کیا جائے۔ انہیں بٹھا کر ذبح نہ کیا جائے۔ جیسا کہ اسی سورہ کی آیت نمبر ۲۹ کے تحت درج شدہ حدیث نمبر ۱۳ سے واضح ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اونٹ کا اگلا بایاں پاؤں رسی سے باندھ دیا جائے۔ پھر کسی نیزے، برچھے یا تیز دھار آلہ کو اس کے گلے یا سامنے کے حصہ میں چبھو دیا جائے۔ تاکہ کھڑے کھڑے ہی ان کا خون نکل جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۭ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ

ان کے پہلو زمین پر ٹک[۵۸] جائیں تو انہیں خود بھی کھاؤ اور قناعت کرنے والے[۵۹] کو بھی اور مانگنے والے کو بھی کھلاؤ۔ ہم نے ان جانوروں کو ایسے ہی تمہارے لئے تابع[۶۰] بنادیا ہے تاکہ تم اللہ کے شکر گزار بنو۔(۳۶) اللہ کو قربانی کے جانوروں کا نہ تو گوشت پہنچتا ہے اور نہ خون، بلکہ اسے[۶۱] تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اسی طرح

[۵۸] خون نکلنے کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اونٹ از خود اپنے کسی دائیں یا بائیں پہلو پر گر پڑے گا۔ اس کی کھال اس وقت تک نہ اتاری جائے جب تک تڑپنا بند نہ کردے۔ یا زندگی کی کچھ بھی رمق اس میں باقی ہو۔

[۵۹] ❁ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ عرصہ کے لیے بھی رکھا جاسکتا ہے:۔ یعنی حاجت مند بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ کہ جو کچھ اللہ نے انہیں دے رکھا ہے، اسی پر صابر و شاکر رہتے ہیں۔ اور ضرورت مند ہونے کے باوجود کسی کے سامنے دستِ سوال دراز نہیں کرتے اور بعض حالات میں عام لوگوں کو ان کی احتیاج کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ حقیقتاً ایسے ہی لوگ صدقات و خیرات کے صحیح مستحق ہوتے ہیں اور دوسرے وہ جو احتیاج سے مجبور ہو کر لوگوں سے سوال کرنے لگتے ہیں۔ اس قربانی کے گوشت میں دو طرح کے لوگوں کو اللہ نے کھلانے کا حکم دیا ہے۔ ایک عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر مدینہ کے آس پاس رہنے والے محتاج لوگ بکثرت مدینہ آگئے۔ تو آپ نے صحابہ کو حکم دے دیا کہ کوئی شخص تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھ نہیں سکتا۔ جو کچھ زائد ہو سب خیرات کر دیا جائے۔ لیکن یہ حکم صرف ان محتاجوں کی آمد کی وجہ سے تھا جو بعد میں منسوخ ہو گیا۔ (مسلم۔ کتاب الاضاحی۔ باب النھی عن اکل لحوم الاضاحی بعد ثلاث و نسخہ) تاہم ایسے نسخ کا مطلب اتنا ہی ہوتا ہے کہ اگر آج بھی ویسے ہی حالات سامنے آجائیں کہ محتاج بکثرت ہوں جو خود قربانی دینے کے قابل نہ ہوں یا اتفاقاً اکٹھے ہو جائیں تو آج بھی وہی پہلا حکم ہی لاگو ہوگا۔

[۶۰] ❁ انسان کے لئے جانوروں میں خوئے غلامی:۔ یعنی اپنے عظیم الجثہ جانوروں کو جو طاقت کے لحاظ سے ان سے کئی گنا بڑھ کر ہیں، تمہارے لئے ایسا مسخر بنا دیا ہے کہ وہ ان سے طرح طرح کے فائدے حاصل کرتا ہے اور بوقت ضرورت انہیں ذبح بھی کر ڈالتا ہے مگر وہ اس کے سامنے چون وچرا کرنے کی جرأت نہیں رکھتے اللہ کی ان نعمتوں کے لیے تمہیں اللہ کا شکر گزار اور اطاعت گزار بننا چاہئے۔

[۶۱] مشرکین کی یہ عادت تھی کہ جب وہ کسی بت کے نام پر کوئی قربانی کا جانور ذبح کرتے تو اس کا گوشت اس کے سامنے رکھ دیتے اور اس کا خون بت کے جسم پر مل دیتے تھے۔ بتوں کے سامنے رکھا ہوا گوشت تو بتوں کے مجاوروں کے کام آتا تھا اور وہی ان بتوں کو بعد میں صاف بھی کر ڈالتے تھے۔ اور جب وہ اللہ کے نام کی قربانی کرتے تو بھی گوشت کعبہ کے سامنے لا رکھتے اور خون کعبہ کی دیواروں سے لتھیڑ دیتے یا اس پر اس خون کے چھینٹے ڈالتے۔ گویا ان کے خیال کے مطابق قربانی کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس کا گوشت اور خون پیش کر دیا جائے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس جاہلی نظریہ کی تردید

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۗ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ

ہم نے انہیں تمہارے تابع کر دیا ہے تاکہ اللہ نے جو تمہیں راہ دکھائی ہے اس پر (شکر کے طور پر) اس کی بڑائی بیان کرو[۶۲]۔ اور (اے نبی!) آپ نیکوکار لوگوں کو بشارت[۶۳] دے دیجئے۔(۳۷) جو لوگ ایمان لائے

کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کو نہ تمہارے قربانی کے جانوروں کے گوشت کی ضرورت ہے اور نہ خون کی۔ خون تو ویسے ہی حرام اور ناپاک چیز ہے اور گوشت تم خود ہی کھا سکتے ہو اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔ اللہ تو صرف یہ دیکھتے ہیں کہ تم نے کس نیت، خلوص اور محبت کے ساتھ اللہ کے حضور یہ قربانی پیش کی ہے۔ تمہاری نیت میں جس قدر خلوص اور تقویٰ ہوگا وہی اللہ کے حضور اس قربانی کی قدر و قیمت ہوگی۔

❁ قربانی کی قبولیت کی شرائط اور نیت کے فتور کی صورتیں:۔ بعض لوگ قربانی محض رسم کے طور پر بجالاتے ہیں۔ بعض اس لئے کہ ہمارے بچے آخر دوسروں کی طرف سے گوشت آنے کا کیوں انتظار کرتے رہیں۔ اور بعض دولتمند اس لئے کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ انہیں طعنہ نہ دیں۔ اور بعض اس لئے کوئی موٹا، عمدہ اور قیمتی جانور قربان کرتے ہیں کہ لوگوں میں ان کی شہرت ہو۔ اور بعض بخل سے کام لے کر کوئی کمزور اور عیب دار قسم کا جانور قربان کر دیتے ہیں۔ ایسے سب لوگوں کو یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ آیا اس بندہ نے جو قربانی کی ہے وہ اللہ کی احسان مندی اور شکر بجا لاتے ہوئے شوق و محبت سے کی ہے یا نہیں۔ اگر کسی کی نیت ہی لنگڑی لولی ہو تو اگر وہ کوئی موٹا تازہ جانور بھی قربان کرے گا تو اس کا اسے کتنا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟۔

[۶۲] بڑائی بیان کرنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ تہ دل سے انسان اللہ تعالیٰ کو بزرگ و برتر سمجھے۔ دوسرے یہ زبان سے بھی اس کا اقرار کرتا رہے۔ اور اس مقام پر اس کا مطلب یہ ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ، اللہ اکبر یا بسم اللہ واللہ اکبر اور شکر کی ادائیگی کے لئے اللھم منك ولك (یعنی اے اللہ! یہ قربانی کا جانور آپ نے ہی عطا کیا تھا اور آپ کی رضا کے لئے ہی میں اسے قربان کر رہا ہوں) پڑھنا چاہئے۔

[۶۳] ❁ حج نہ کرنے والوں کو حاجیوں سے مماثلت کے احکام:۔ جب ستم رسیدہ مسلمان ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ آئے تو انہیں کئی قسم کے غم اور تفکرات لاحق تھے۔ گھر بار اور اپنا وطن مالوف چھوڑنے کا غم مدینہ میں آب و ہوا کی ناسازگاری، ذریعہ معاش کی فکر، کفار مکہ کی ایذا رسانیوں کی یاد جو انہیں بے چین کر دیتی تھی۔ مزید ستم یہ کہ مدینہ میں آنے کے بعد بھی کفار مکہ نے ان کا پیچھا نہ چھوڑا۔ علاوہ ازیں ایک بڑا غم مسلمانوں کو بیت اللہ شریف سے دور ہو جانے کا تھا۔ جسے اب وہ دیکھ بھی نہ سکتے تھے جبکہ مناسک حج و عمرہ بجالانا تو دور کی بات تھی۔ انہیں حالات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خود ان کی طرف سے کافروں کی مدافعت کر رہا ہے اور وہ بتدریج ایسے حالات پیدا کر دے گا کہ مسلمانوں کے لئے سب راہیں کھل جائیں گی۔ اور ان کے دشمن ہی بالآخر خائب و خاسر ہوں گے۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کو کئی ایسے احکام دیئے گئے جن سے ان کی مناسک حج و عمرہ بجا لانے کی حسرت کی کسی حد تک تلافی ہو سکتی تھی۔ اور ان احکام میں حج کرنے والوں سے مماثلت بھی پائی جاتی تھی۔ مثلاً مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ان میں ہر صاحب استطاعت ۱۰ ذی الحجہ کو قربانی کیا کرے چنانچہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۝۳۸ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰي نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُۨ ۝۳۹ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا

ہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی طرف سے (دشمنوں سے) مدافعت کرتا ہے۔ یقیناً اللہ کسی خائن اور ناشکرے [۶۴] کو پسند نہیں کرتا۔ (۳۸) جن لوگوں سے لڑائی کی جاتی رہی ہے۔ انہیں اب لڑائی (جہاد) کی اجازت دی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ مظلوم [۶۵] ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد [۶۶] پر قادر ہے۔ (۳۹) جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا

رسول اللہ ﷺ مدینہ میں دس سال قربانی دیتے رہے نیز مسلمانوں کو ہدایت کی گئی کہ جو شخص قربانی کا ارادہ رکھتا ہو وہ یکم ذی الحجہ یعنی چاند دیکھنے سے لے کر قربانی کرنے تک نہ حجامت بنوائے اور نہ ناخن کٹوائے۔ نیز یہ کہ مسلمان کسی دوسرے کے ہاتھ بھی اپنا قربانی کا جانور بیت اللہ شریف بھیج سکتے ہیں۔ نیز ایام تشریق میں وہ بھی اسی طرح تکبیرات پڑھا کریں جس طرح حاجی حضرات ان دنوں میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔

[۶۴] اللہ تعالیٰ اہل حق کا فریق اس لیے بنتے ہیں کہ فریق ثانی خائن اور بددیانت بھی ہے اور ناشکرا بھی۔ بددیانت اور خائن اس لحاظ سے کہ اللہ نے انہیں کعبہ کی تولیت کی امانت سپرد کی تو انہوں نے اہل حق کو کعبہ میں داخل ہونے پر پابندی عائد کر دی اور ناشکرے اس لحاظ سے ہیں کہ ان کو سب نعمتیں تو اللہ نے دی ہیں مگر انہوں نے اللہ کا شکر ادا کرنے کے بجائے اپنی ساری نیاز مندیاں اور عبادتیں بتوں کے لئے وقف کر دیں۔

[۶۵] ❁ جہاد کی اجازت کی پہلی آیت:۔ مکہ میں جب مسلمانوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ ڈھائے جا رہے تھے تو اس وقت بعض جرأت مند صحابہ نے ان کافروں سے جنگ کرنے کی اجازت طلب کی تھی مگر اس وقت اللہ نے انہیں ایسی اجازت نہیں دی۔ بلکہ صبر و استقامت سے ظلم کو برداشت کرنے کی ہی تلقین کی جاتی رہی۔ پھر جب مسلمان مدینہ میں منتقل ہو گئے اور ایک چھوٹی سی اسلامی مملکت کی داغ بیل پڑ گئی، جو صرف مدینہ کے ایک چھوٹے سے قصبے تک محدود تھی۔ مسجد نبوی تعمیر ہو گئی جو مسلمانوں کے ہر طرح کے معاملات میں ہیڈ کوارٹر کا کام دیتی تھی۔ مہاجرین کے مسئلہ معاش کو مواخات کے ذریعہ کسی حد تک حل کر لیا گیا۔ یہودی قبائل اور مشرک قبائل سے امن و آشتی کے ساتھ آپس میں رہنے کے معاہدات طے پا گئے۔ اور مسلمان اس قابل ہو گئے کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔ تو ان کو کافروں سے جہاد کرنے کی اجازت مل گئی۔ اور یہی وہ پہلی آیت ہے جس میں مسلمانوں کو مدافعانہ جنگ کی اجازت دی گئی اور اس اجازت کی وجہ صاف الفاظ میں بتا دی گئی کہ یہ اجازت انہیں اس لئے دی جا رہی ہے کہ ان پر مسلسل ظلم ڈھائے جاتے رہے ہیں۔ یہ اجازت ۱ ہجری کے آخر میں ملی تھی۔ بعد میں بہت سی ایسی آیات نازل ہوئیں جن میں صرف مدافعانہ جنگ کی اجازت ہی نہیں بلکہ ہر اس قوت سے بھڑ جانے اور جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو اللہ کے دین کے راستہ میں مزاحم ہو رہی ہو۔

[۶۶] اس جملہ کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ اللہ اس بات پر بھی قادر ہیں کہ وہ جہاد و قتال کے بغیر بھی مسلمانوں کی مدد کر کے انہیں غالب کر دیں اور دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہیں کہ وہ مسلمانوں کو بے سروسامان، تنگدست اور مٹھی بھر جماعت کو ان کفار مکہ پر غالب کر دیں جو اسلحہ، مال و دولت اور تعداد ہر لحاظ سے مسلمانوں سے بہت بڑھ کر ہیں۔ مزید برآں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۴۰ الَّذِيْنَ

سوائے اس کے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا[۶۷] پروردگار اللہ ہے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ ایک دوسرے کے ذریعہ[۶۸] لوگوں کی مدافعت نہ کرتا رہتا تو خانقاہیں، گرجے، عبادت گاہیں اور مساجد جن میں اللہ کو کثرت سے یاد کیا جاتا ہے، مسمار کر دی جاتیں اور اللہ ایسے لوگوں کی ضرور مدد کرتا ہے جو اس (کے دین) کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ یقیناً بڑے طاقتور اور سب پر غالب ہے۔(۴۰) (اللہ کے دین کی مدد کرنے والے) وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انہیں

تمام مشرک قبائل اور یہود بھی ان کے معاون و مددگار ہیں۔

[۶۷] مسلمانوں کو یہ سب مصائب اس لئے جھیلنا پڑے اور انہیں صرف اس جرم بے گناہی کی سزا دی جاتی رہی کہ وہ صرف ایک اللہ کے پرستار تھے۔ مکہ میں جس قدر مظالم ڈھائے گئے یہ داستان اتنی طویل اور خونچکاں ہے جس کا بیان یہاں ممکن نہیں اور اس کے لئے ایک الگ کتاب درکار ہے اس بات کا کچھ تھوڑا بہت اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مکی دور میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس پر کئی بار قاتلانہ حملے ہوئے اور سازشیں تیار کی گئیں ان کا مختصر ذکر سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۶۷ کے حاشیہ میں گزر چکا ہے۔ (اس کی تفصیل مولانا مرحوم کی الگ تصنیف "محمد رسول اللہ ﷺ ..... صبر و ثبات کے پیکر اعظم" میں ملاحظہ فرمائیے۔)

[۶۸] معرکہ حق و باطل میں اللہ اہل حق کی مدد کیوں کرتے ہیں؟ اس آیت میں الناس سے مراد مشرکین اور اللہ کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے لوگ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ جب بدی زور پکڑنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اہل حق کا ساتھ دے کر، خواہ وہ اہل حق کتنے ہی تھوڑے اور کمزور ہوں، بدی کا زور توڑ دیتے ہیں۔ وہ قوت جس کے اپنے سرنگوں ہونے کا تصور تک بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اللہ انہیں حق و باطل کے معرکہ میں لاکر اور اہل حق کی امداد کر کے انہیں صفحہ ہستی سے ملیا میٹ کر دیتے ہیں۔ اللہ کا یہ قانون اگر جاری و ساری نہ ہوتا تو مشرکین اور باطل قوتیں اہل حق کو کبھی جینے نہ دیتیں نہ ہی ان کے عبادت خانے برقرار رہنے دیتیں جن میں اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور ان کے بجائے بس بت خانے مزارات اور آستانے ہی دنیا میں نظر آتے۔

اس آیت میں صومعۃ کا لفظ راہب قسم کے لوگوں کے عبادت خانوں کے لئے بِیَع (واحد بیعۃ) عیسائیوں کی عبادت گاہ یا گرجا کے لئے صلوٰت یہودیوں کی عبادت گاہوں کے لئے اور مساجد مسلمانوں کی عبادت گاہوں کے لئے استعمال ہوا ہے اور اب مسلمانوں کو جو جہاد و قتال کی اجازت دی جارہی ہے۔ تو وہ اللہ کے اسی قانون کے مطابق ہے کہ اللہ اہل حق کی امداد کر کے باطل کا سر کچل دے۔ اس آیت میں دراصل مسلمانوں کو ایک بہت بڑی بشارت دی گئی ہے اسی قانون کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر زمانہ میں مشرکوں کے غلبہ کو روکا اور اہل حق کو ان سے بچایا ہے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مشرکوں کے شر سے محفوظ رکھا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نصاریٰ کو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ یقیناً مسلمانوں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِن مَّكَّنَّٰهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ۗ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ ﴿٤١﴾ وَإِن يُكَذِّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَثَمُودُ ﴿٤٢﴾ وَقَوْمُ

زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کریں، بھلے کاموں کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں[۶۹]۔ اور سب کاموں کا انجام[۷۰] تو اللہ کے ہاتھ میں ہے(۴۱) (اے نبی!) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو ان سے پہلے نوح کی قوم اور قوم عاد اور ثمود بھی جھٹلا چکے ہیں۔(۴۲) نیز ابراہیم اور

کو بھی مشرکین کے شر سے محفوظ رکھے گا اور انہیں غلبہ عطا کرے گا اور اللہ تعالیٰ ایسے حالات پیدا کر دینے اور اہل ایمان کے حق میں انہیں سازگار بنانے کی پوری قدرت رکھتا ہے۔

[۶۹] ۞ اسلامی حکومت کی ذمہ داریاں:۔ اس آیت میں اسلامی طرز حکومت کے خدوخال اور حکومت چلانے والوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ اسلام میں ریاست کا قیام اصل مقصود نہیں بلکہ یہ کسی دوسرے عظیم مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں بھی غیر اسلامی ریاستوں سے بہت زیادہ ہیں۔ مثلاً ایک غیر اسلامی ریاست کی ذمہ داریاں محض یہ ہیں کہ پولیس کے ذریعہ امن بحال رکھا جائے۔ انتظامیہ کے ذریعہ حکومت کا کاروبار چلایا جائے اور فوج کے ذریعہ سرحدوں کی حفاظت کی جائے۔ جبکہ ایک اسلامی ریاست یہ ذمہ داریاں بھی پورا کرتی ہے اور یہ اس کا ثانوی فریضہ ہوتا ہے اس کے قیام کے اولین مقاصد یہ ہیں۔

۱۔ پوری ریاست میں نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم کیا جائے۔

۲۔ مکروہ کاموں کی روک تھام کی جائے اور اچھے کاموں کو فروغ دیا جائے اور ان اغراض کے لئے محکمے قائم کئے جائیں اور اس طرح۔

۳۔ ملک سے ظلم وجور کو ختم کر کے عدل وانصاف قائم کیا جائے اور اس راہ میں جو باطل قوتیں مزاحم ہوں۔ ان کو دور کیا جائے اور اسی کا نام جہاد ہے۔

علاوہ ازیں چونکہ ایک اسلامی ریاست کی بنیاد اخلاقی اقدار پر اٹھتی ہے، اسی لئے اسلام نے حکومت کے انتظام وانصرام کو وہ اہمیت نہیں دی جو اخلاقی اقدار کو دی ہے اور یہی چیز ایک اسلامی طرز حکومت کو دوسرے تمام اقسام حکومت سے ممتاز کرتی ہے۔

اس آیت میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عموماً اور مہاجرین کی خصوصاً اور بالخصوص خلفائے راشدین کی حقانیت اور فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ جن کے ذریعہ وہ تمام امور بطریقِ احسن سرانجام پائے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ اور جن کی داغ بیل خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈالی تھی۔

[۷۰] یعنی ایک ایسی طرزِ حکومت کے قیام کا تصور خواہ موجودہ حالات میں ناممکن نظر آرہا ہو لیکن ہر کام کا انجام تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جو ابابیل کے لشکر سے ہاتھیوں کے لشکر کو بھی پٹوا سکتے ہیں۔ وہ آخر ایک اہل حق کی کمزور سی جماعت کے مقابلہ میں کفار کے کروفر والے لشکر کو مغلوب کیوں نہیں کر سکتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِبْرٰهِيمَ وَقَوْمُ لُوطٍ ﴿٤٣﴾ وَّأَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوسٰى فَأَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِينَ ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ
كَانَ نَكِيرِ ﴿٤٤﴾ فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ
قَصْرٍ مَّشِيدٍ ﴿٤٥﴾ أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَتَكُونَ لَهُمْ قُلُوبٌ يَعْقِلُونَ بِهَا أَوْ ءَاذَانٌ يَسْمَعُونَ

لوط کی قوم بھی۔(۴۳) اور مدین والوں نے بھی جھٹلایا تھا۔ اور موسیٰ کو بھی جھٹلایا گیا۔ ان سب کافروں کو[۷۱] میں نے پہلے مہلت دی پھر انہیں پکڑ لیا سو دیکھ لو میری سزا کیسی[۷۲] رہی؟(۴۴) کتنی ہی بستیاں ہیں جو خطار کار تھیں، انہیں ہم نے ہلاک کر دیا تو اب وہ اپنے چھتوں پر گری پڑی ہیں، ان کے کنویں بے کار اور پلستر شدہ محلات ویران[۷۳] پڑے ہیں۔ (۴۵) کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ ان کے دل ایسے ہو جاتے جو کچھ سمجھتے سوچتے اور کان ایسے

[۷۱] ۞ عذاب میں تاخیر پر کافروں کا استہزاء:۔ ان آیات میں ایک تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہہ کر تسلی دی جا رہی ہے کہ کفار و مشرکین کے انکار، ضد، ہٹ دھرمی اور مخالفت کا واقعہ صرف آپ سے ہی پیش نہیں آیا بلکہ سب سابقہ انبیاء ایسے ہی حالات سے دوچار ہوتے رہے ہیں۔ انہوں نے ایسے مصائب پر صبر کیا تھا۔ لہٰذا آپ بھی صبر کیجئے۔ اور دوسرے یہاں ایک قانون بیان کیا جا رہا ہے جو یہ ہے کہ انبیاء اس وقت مبعوث کئے جاتے ہیں۔ جب معاشرہ میں خاصا بگاڑ پیدا ہو چکا ہو۔ لوگ اللہ وحدہ کو بھول چکے ہوں۔ شرک کی وبا عام ہو۔ غریبوں اور کمزوروں پر ظلم و تشدد ہو رہا ہو۔ حکومت اور قیادت بڑے بڑوں کے ہاتھ میں ہو۔ ان حالات میں جب نبی آکر اللہ کی طرف دعوت دیتا ہے تو جن بڑے بڑے لوگوں پر اس دعوت کی زد پڑتی ہے وہ سب اس نبی اور اس کی مختصر اور کمزور سی پیروکار جماعت کے مخالف ہو جاتے ہیں۔ جس پر نبی انہیں اللہ کے عذاب اور اس کی گرفت سے ڈراتا ہے اور جب عذاب میں تاخیر ہوتی ہے تو یہ بڑے بڑے فوراً یہ کہنے لگتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب لے کیوں نہیں آتے؟ گویا نبی کی تکذیب کے لئے انہیں ایک اور دلیل ہاتھ آجاتی ہے۔

[۷۲] ۞ نکیر کا لغوی مفہوم:۔ اللہ کے عذاب یا اس کی گرفت کے لئے بھی ایک قانون ہے۔ یہاں ایسی اندھیر نگری نہیں کہ ادھر کسی نے جرم کیا تو فوراً عذابِ الٰہی سے وہ تباہ ہو گیا۔ ایسا ہوتا تو یہ دنیا کبھی آباد نہ رہ سکتی۔ اس کے بجائے اس کائنات میں اللہ کا قانون امہال و تدریج کام کرتا ہے اور عذاب کے سلسلہ میں یہی قانون ہے۔ اللہ مجرمین کو مہلت دیتے ہیں۔ تاکہ انہیں انتباہ کے بعد سنبھلنے کا اور توبہ کرنے کا موقع میسر ہو۔ اس دوران اگر وہ سنبھل جائیں تو عذاب الٰہی رک جاتا ہے اور اگر نہ رکیں تو بھی عذاب اپنے معینہ وقت پر ہی آتا ہے اور جب اس کا معینہ وقت آجاتا ہے تو پھر وہ آکے رہتا ہے۔

اس آیت میں عذاب کے لئے نکیر کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کے مادہ نکر میں ناگواری کا مفہوم بھی پایا جاتا ہے اور اجنبیت کا بھی لہٰذا اس کی ضد عرف بھی آتی ہے اور عجب بھی اور نکیر کا لفظ کسی ناگوار بات کے معنوں میں بھی آتا ہے اور کسی ناگوار بات پر گرفت کے معنوں میں بھی۔ پھر نکر کے معنی کسی چیز کی شکل و صورت کو اس طرح بدلنا ہے کہ اس کا حلیہ بگڑ جائے۔ لہٰذا نکیر کے معنی ایسی گرفت یا عذاب ہو گا جو اس عذاب میں ماخوذ لوگوں کا حلیہ بگاڑ کے رکھ دے۔

[۷۳] یعنی رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کا انجام یہ ہوا کہ ان کی پر رونق اور پر بہار آبادیاں اور شہر کھنڈر میں تبدیل ہو گئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِهَا ۚ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى الْأَبْصَارُ وَلَٰكِن تَعْمَى الْقُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ ﴿٤٦﴾ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ
بِالْعَذَابِ وَلَن يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ ۚ وَإِنَّ يَوْمًا عِندَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ﴿٤٧﴾ وَكَأَيِّن

جن سے وہ کچھ سن سکتے۔ بات یہ ہے کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، اندھے تو وہ دل[۷۴] ہو جاتے ہیں جو سینوں میں ہیں۔(۴۶) یہ لوگ عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کرتے ہیں حالانکہ اللہ کبھی اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا مگر تمہارے پروردگار کا ایک دن تمہارے شمار کے حساب سے ہزار سال[۷۵] کا ہوتا ہے۔(۴۷)

اس عذاب نے صرف آدمیوں کا ستیاناس نہیں کیا بلکہ ان کے تعمیر شدہ مکانات بھی زمین بوس ہو گئے۔ کنوئیں ویران ہو گئے۔ جن سے آسانی سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کبھی یہاں انسانوں کی کثیر تعداد آباد ہو گی۔

[۷۴] ❁ غور و فکر کا منبع دماغ ہے یا دل؟ یعنی ان تباہ شدہ بستیوں سے جو ان کے راستہ میں پڑتی ہیں یہ لوگ کبھی بھی عبرت حاصل نہیں کرتے۔۔ نہ یہ سوچتے ہیں کہ ان بستیوں کا ایسا انجام کیوں ہوا؟ مگر یہ باتیں سوچنے کے لئے تو دیدہ بینا چاہئے اور وہ ان میں ہے نہیں۔ عبرت حاصل کرنے کے لئے آنکھ کی بینائی کی ضرورت نہیں دل کی بینائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ہر مقام پر عقل، فہم، فکر، سوچ کو دل سے متعلق کیا ہے۔ علاوہ ازیں تمام قسم کے جذبات مثلاً محبت، ہمدردی، رحم، اخوت اور اس کے برعکس جذبات مثلاً نفرت، کینہ، بغض حسد سب کا منبع دل کو قرار دیا ہے۔ جبکہ جدید طب کی رو سے کم از کم عقل، فہم، فکر اور سوچ وغیرہ دل سے نہیں بلکہ دماغ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بایں ہمہ ہر زبان کے محاورہ میں دل ہی کو ان اشیاء کا مرجع قرار دیا جاتا ہے۔ جیسے مذکورہ بالا شعر میں بھی "دل بینا" استعمال ہوا ہے یا مثلاً:

یہی جی میں آئی کہ گھر سے نکل
ٹہلتا ٹہلتا ذرا باغ چل

اس شعر سے بھی واضح ہوتا ہے کہ ارادہ سوچ کے بعد پیدا ہوتا ہے جسے دماغ کے بجائے دل سے منسوب کیا گیا ہے اور قرآن لوگوں کے اور بالخصوص قریش کے محاورہ کے مطابق نازل ہوا ہے۔

اور اس سے بھی بڑھ کر یہ بات ہے کہ موجودہ نظریہ قابل تغیر و تبدل ہے اور عین ممکن ہے کہ اس تحقیق کے بعد کسی نئی تحقیق کی رو سے ان تمام اشیاء کا اصل مرکز دماغ کے بجائے دل ہی کو قرار دیا جائے اور دماغ کی تمام تر فکر اور سوچ بھی دل کے خیالات اور جذبات کے تابع ہو۔ لہٰذا ہمیں ہر وقت یہ بات ملحوظ رکھنی چاہئے کہ بات اسی ہستی کی سب سے زیادہ صحیح ہو سکتی ہے جو خود ان اشیاء کی خالق اور ہر طرح کے قلبی واردات سے پوری طرح واقف ہے۔

[۷۵] ❁ قوموں کی طبعی عمر؟ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ ہر ابھرنے والی قوم یا تہذیب کی طبعی عمر ہزار سال ہوتی ہے یا ہونی چاہئے۔ بلکہ یہ الفاظ انسان کے عذاب کو جلد طلب کرنے اور اللہ کے قانونِ تدریج و امہال کے مطابق تاخیر میں تقابل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ع ۱۲
مِّنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ أَخَذْتُهَا ۚ وَإِلَيَّ الْمَصِيرُ ﴿٤٨﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا
أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿٤٩﴾ فَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُم مَّغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٥٠﴾
وَالَّذِينَ سَعَوْا فِي آيَاتِنَا مُعَاجِزِينَ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٥١﴾ وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن

اور کتنی ہی بستیاں ہیں جو خطا کار تھیں، میں نے پہلے انہیں مہلت دی، پھر انہیں پکڑ لیا اور انہیں واپس تو میرے[۷۶] ہی پاس آنا ہے۔(۴۸)
آپ ان سے کہئے: لوگو! میں تو تمہارے لئے (برے انجام سے) صاف صاف[۷۷] ڈرانے والا ہوں۔(۴۹) سو جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے لئے تو بخشش بھی ہے اور عزت کی روزی[۷۸] بھی۔(۵۰) اور جو لوگ ہماری آیات[۷۹] کو نیچا دکھانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں تو یہی لوگ اہل جہنم ہیں۔(۵۱) ہم نے آپ سے پہلے جو بھی رسول[۸۰] یا نبی بھیجا تو جب بھی وہ کوئی

کے طور پر ذکر کئے گئے ہیں۔ یہ عین ممکن ہے کہ کسی قوم کے ظلم و جور میں اس قدر زیادتی واقع ہو جائے تو تین چار صدیاں گزرنے پر بھی اسے تباہ کر دیا جائے۔ اور یہ بھی عین ممکن ہے کہ کوئی قوم یا تہذیب ہزار سال سے بھی زیادہ عرصہ زندہ رہے۔ یہ سب باتیں کسی قوم کے گناہوں کی رفتار پر منحصر ہوتی ہیں۔

[۷۶] یعنی اگر کسی ظالم قوم پر عذاب آنے میں تاخیر ہوئی یا سرے سے اس پر عذاب آیا ہی نہیں تو بھی وہ ہماری گرفت سے بچ کر کہیں جا نہیں سکتی اور اخروی زندگی میں انہیں ان کے اعمال کی پوری پوری سزا مل کے رہے گی۔

[۷۷] یعنی یہ بات میرے اختیار میں نہیں کہ اگر تم عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کرو تو میں فوراً وہ عذاب لے آؤں۔ میرا کام صرف تمہیں تمہارے انجام سے ڈرانا ہے اور یہ کام میں پوری ذمہ داری سے سرانجام دے رہا ہوں۔

[۷۸] رزقِ کریم یعنی عزت کی روزی کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اہل جنت کو جو کچھ بھی کھانے پینے کو ملے گا اعلیٰ قسم کا ہوگا خواہ پھل ہوں، مشروبات ہوں یا دوسری اشیاء جن پر لفظ رزق کا اطلاق ہوتا ہے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ انہیں کھانے پینے کو دیا جائے گا وہ اعلیٰ قسم کے برتنوں میں اور عزت سے تختوں پر بٹھا کر پیش کیا جائے گا۔

[۷۹] یعنی ہماری آیات کا انکار کر کے اور پھر اسلام کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر کے یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ اسی طرح اسلام اور اہل اسلام کو دبا لیں گے تو یہ ان کی بھول ہے البتہ ان کی ان کرتوتوں کے عوض انہیں جہنم کا عذاب ضرور ہوگا۔

[۸۰] رسول اور نبی کا فرق:۔ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اور نبی دو الگ الگ شخصیتیں ہوتی ہیں۔ نبی عام ہے اور رسول خاص بالفاظ دیگر ہر رسول نبی تو ہوتا ہے جیسے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا: ﴿وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا﴾ (۱۹:۵۱) "یعنی موسیٰ علیہ السلام رسول بھی تھے اور نبی بھی" لیکن ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ نبی اور رسول کا فرق پہلے سورہ مائدہ کی آیت ۶۷ کے تحت واضح کیا جا چکا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ

آرزو[۸۱] کرتا تو شیطان اس کی آرزو میں وسوسہ کی آمیزش کر دیتا۔ پھر اللہ تعالیٰ شیطانی وسوسہ کی آمیزش کو تو دور

[۸۱] تمنیٰ کے معنی تمنا یا آرزو کرنا بھی لغوی لحاظ سے درست ہیں اور تلاوت کرنا بھی۔ ترجمہ میں پہلے معنی کو اختیار کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی یا رسول جب کوئی آرزو کرتا ہے (اور نبی یا رسول کی بڑی سے بڑی خواہش یہی ہوتی ہے کہ لوگ اس کی دعوت کو قبول کر لیں اور اس دعوت کو فروغ اور قبول عام حاصل ہو) تو شیطان اس کی خواہش کی تکمیل میں کئی طرح سے رکاوٹیں کھڑی کر دیتا ہے۔ اور ایسا وسوسہ بعض دفعہ تو شیطان نبی اور اس کے پیروکاروں کے دلوں میں ڈالتا ہے۔ جیسے کفار کے کسی حسی معجزہ کے مطالبہ پر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے دل میں یہ خیال آنے لگا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی ایسا معجزہ دکھا دے تو اس سے کئی فائدے حاصل ہو سکتے ہیں یا مثلاً رؤسائے قریش نے آپ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اگر آپ ان ناتواں اور حقیر لوگوں (یعنی کمزور مسلمانوں) کو اپنی مجلس سے کسی وقت اٹھا دیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کی دعوت غور سے سننے کو تیار ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی عدم مخالفت اور اسلام کے غلبہ کی خاطر کافروں کے اس مطالبہ پر غور کرنے کے لئے تیار بھی ہو گئے تھے تو ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بروقت تنبیہ ہو جاتی تھی اور اللہ تعالیٰ ایسی آیات نازل فرما دیتا جو خود اسے منظور ہوتا تھا اور اس کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ شیطان نبی یا رسول کی خواہش کی تکمیل کی راہ میں دوسرے لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرتے، اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرتے اور اس کے خلاف سازشیں کرنے لگتے ہیں اور یہ لوگ دو ہی قسم کے ہو سکتے ہیں ایک منافقین اور دوسرے وہ لوگ جن کے دل قبولِ حق کے سلسلہ میں پتھر کی طرح سخت ہو چکے ہوں۔ لیکن اللہ تعالیٰ بالآخر ایسے لوگوں کی تمام تر سازشوں اور کوششوں کو ناکام بنا دیتا ہے۔ اور جس مقصد کی تکمیل کے لئے وہ کسی نبی یا رسول کو مبعوث فرماتا ہے اسے پختہ سے پختہ تر بنا دیتا ہے۔

❁ کسی نبی یا رسول کی آرزو میں شیطانی وسوسہ؟ اور اگر تمنیٰ کا معنی تلاوت کرنا سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ نبی یا رسول کوئی آیت تلاوت کرتا ہے۔ تو اس کا صحیح مفہوم سمجھنے کے سلسلہ میں شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈال کر انہیں شکوک و شبہات میں مبتلا کر دیتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے جب یہ آیت نازل فرمائی کہ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ تو بعض لوگوں نے یہ اعتراض جڑ دیا کہ یہ کیا بات ہوئی کہ اللہ کا مارا ہوا جانور تو حرام ہوا اور انسان کا مارا ہوا (ذبح کیا ہو) حلال؟ یہ خالصتاً شیطانی وسوسہ تھا۔ اسی طرح جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ﴾ (یعنی تم بھی اور اللہ کے سوا جنہیں تم پوجتے ہو سب جہنم کا ایندھن بنیں گے) اور آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی تو کافروں نے فوراً یہ اعتراض جڑ دیا کہ پرستش تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عزیر علیہ السلام اور فرشتوں کی بھی کی جاتی رہی ہے تو کیا یہ ہستیاں بھی جہنم کا ایندھن بنیں گی؟ یہ بھی خالصتاً شیطانی وسوسہ تھا۔ ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ دوسری صریح اور محکم آیات نازل فرما کر شکوک و شبہات اور شیطانی وساوس کو دور فرما کر اپنے حکم کی وضاحت فرما دیتے ہیں۔

❁ لات و منات کی سفارش کا من گھڑت قصہ: یہاں یہ وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس آیت کے شانِ نزول

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۲﴾ لِّيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾ وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ

کر دیتا اور اپنی آیات کو پختہ [۸۲] کر دیتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے اور حکمت والا ہے۔(۵۲) تاکہ اللہ تعالیٰ شیطان کے ڈالے ہوئے وسوسہ کو ان لوگوں کے لئے آزمائش بنا دے جن کے دلوں میں (نفاق کا) مرض ہے یا جن کے دل (ایمان لانے کے بارے میں) سخت ہو چکے ہیں۔ بلاشبہ یہ ظالم (حق کی) مخالفت میں دور تک چلے گئے ہیں۔(۵۳)

کے متعلق بعض تفاسیر میں ایک واقعہ مندرج ہے جو یوں ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ سورہ النجم کی تلاوت فرما رہے تھے اور یہ تلاوت مشرکین مکہ بھی پاس بیٹھے سن رہے تھے۔ جب آپ نے آیات تلاوت فرمائیں۔ ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى﴾ تو شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر درج ذیل الفاظ یوں پڑھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ الفاظ آپ ہی کی زبان سے ادا ہوئے ہیں۔ (تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْجٰى) (یہ بلند مرتبہ دیویاں ہیں یعنی لات، عزیٰ اور منات۔ اور اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کی یقیناً توقع کی جا سکتی ہے) چنانچہ جب مشرکین مکہ نے یہ الفاظ سنے تو ان کے کلیجے ٹھنڈے ہو گئے کہ ان کے بتوں کا بھلائی سے ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ وہ بڑے غور سے آپ کی تلاوت سننے لگے اور سورہ والنجم کے اختتام پر آپ نے اور دیگر مسلمانوں نے سجدہ کیا تو ساتھ ہی مشرکوں نے بھی سجدہ کیا۔

پھر یہ قصہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اس کا اگلا حصہ یہ ہے کہ پھر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ مسلمانوں اور کفار مکہ میں صلح و سمجھوتہ ہو گیا ہے یہ خبر اڑتی اڑتی جب مہاجرین حبشہ کو ملی تو ان میں سے بعض مہاجر مکہ واپس آ گئے۔ لیکن یہاں آ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط تھی۔

یہ واقعہ کئی لحاظ سے غلط ہے مثلاً:

۱۔ ان تمام روایات کی اسناد مرسل اور منقطع ہیں۔ لہٰذا یہ روایات ساقط الاعتبار ہیں۔ اسی وجہ سے صحاح ستہ میں اس قسم کی کوئی روایت مذکور نہیں۔

۲۔ ان آیات میں "اس شیطانی وسوسہ" سے پہلے ہی بتوں اور دیویوں کی مذمت مذکور ہے اور بعد میں بھی۔ لہٰذا درمیان میں بتوں کا یہ ذکرِ خیر کسی لحاظ سے بھی فٹ نہیں بیٹھتا۔

۳۔ تاریخی لحاظ سے یہ روایات اس لئے غلط ہیں کہ ہجرت کا واقعہ ۵ نبوی میں پیش آیا تھا اور جو مہاجر اس غلط افواہ کی بنا پر واپس مکہ آئے تھے وہ صرف تین ماہ بعد آئے تھے۔ جبکہ یہ سورت مدنی ہے اور ہجرت حبشہ سے واپسی اور اس سورہ کے نزول کے درمیان کم از کم آٹھ نو سال کا عرصہ ہے۔

[۸۲] ❁ شیطانی وساوس کا مختلف لوگوں پر مختلف اثر:۔ ان روایات میں دراصل کافروں کے ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے جو یہ ہے کہ "اللہ تعالیٰ جو بعد میں محکم اور واضح آیات نازل کر کے شکوک و شبہات کو دور کرتے ہیں وہ پہلے ہی ایسے واضح احکام کیوں نہیں بھیج دیتے جن سے شکوک و شبہات پیدا ہی نہ ہوں" یہ اعتراض بھی دراصل کج رو اور کج فطرت کافروں کی عیاری

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ
الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٥٤﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ
السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلَّهِ ۖ يَحْكُمُ

اور اس لئے بھی کہ جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ جان لیں کہ یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے اور وہ ایمان لائیں اور ان کے دل اس حق کے آگے جھک جائیں اور اللہ تعالیٰ یقیناً ایمان لانے والوں کو سیدھی راہ دکھا[۸۳] دیتا ہے۔(۵۴) اور کافر تو ہمیشہ اس (حق) سے شک میں پڑے ہی رہیں گے۔ تا آنکہ ان پر یا تو یکدم قیامت کی گھڑی آن پہنچے یا کسی منحوس دن کا عذاب[۸۴] ان پر نازل ہو۔(۵۵) اس دن حکومت اللہ ہی کی ہو گی۔

کا غماز ہے اور اس کا جواب سورہ آل عمران کے ابتدا میں آیات متشابہات اور آیات محکمات (آیت نمبر ۷) میں بیان ہو چکا ہے اور یہاں بھی انہیں دوسرے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ:

۱۔ شکوک میں مبتلا صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو منافق ہوں یا ہٹ دھرم قسم کے کافر۔

۲۔ ایسی آیات سے بھی ایمانداروں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اور برحق ہے۔

۳۔ ایسی آیات دراصل سب لوگوں کے لئے ایک آزمائش اور جانچ ہوتی ہیں۔ جن سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کون کس مقام پر کھڑا ہے؟ آیا وہ منافقوں سے تعلق رکھتا ہے یا اللہ پر ایمان لانے والوں سے؟

[۸۳] ۞ مشرکین کیوں سجدہ ریز ہوئے تھے؟ یعنی ایمان والے فوراً یہ سمجھ جاتے ہیں کہ فلاں بات تو فی الواقع وحی الٰہی ہے یا ہو سکتی ہے اور فلاں بات شیطان کا وسوسہ یا دھوکا ہے۔ واضح رہے کہ مندرجہ بالا واقعہ میں سے اس کا صرف آخری حصہ ہی ایسا ہے۔ جو درست ہے اور صحیح احادیث میں مذکور ہے۔ یعنی کسی موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ النجم تلاوت فرمائی۔ اس کے اختتام پر آپ نے اور مسلمانوں نے سجدہ کیا تو پاس بیٹھے ہوئے مشرکوں نے بھی سجدہ کیا۔ ماسوائے ایک شخص (امیہ بن خلف) کے کہ اس نے کنکریوں کی ایک مٹھی اٹھائی اور اسے اپنی پیشانی سے لگا کر کہنے لگا کہ بس مجھے اتنا ہی کافی ہے (بخاری۔ کتاب التفسیر۔ تفسیر سورہ والنجم) رہی یہ بات کہ قرآن شریف میں بتوں کی تعریف مذکور ہو یا یہ الفاظ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوئے ہوں، ایمان والے فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ یہ بات ناممکنات سے ہے۔ رہا مشرکوں کا مسلمانوں کے ساتھ سجدہ ریز ہو جانا تو اس کی وجہ قرآن کی اپنی تاثیر ہے جس کی بنا پر وہ قرآن کو جادو اور آپ کو جادوگر کہا کرتے تھے اور مسلمانوں پر قرآن بلند آواز سے پڑھنے پر پابندی لگا رکھی تھی کہ اس سے ان کی عورتیں اور بچے متاثر ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود بھی قرآن کی تاثیر سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔

[۸۴] یعنی ان ہٹ دھرم کافروں کا یہ حال ہے کہ یہ جوتے کھا کر ہی سیدھے رہ سکتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ ماننے والے نہیں یا تو ان کا یہ شک قیامت کا دن دیکھ کر دور ہو گا۔ جب سب حقائق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ یا عذابِ الٰہی کا منحوس دن دیکھ کر،

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَيْنَهُمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ
كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۵۷﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ ع ۱۴
قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾
لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ذٰلِكَ ۚ وَمَنْ عَاقَبَ

وہ ان کے درمیان[۸۵] فیصلہ کر دے گا۔ تو جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے وہ تو نعمتوں والے باغات میں ہوں گے۔(۵۶) اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا تو ایسے لوگوں کے لئے رسوا کرنے والا عذاب ہوگا۔(۵۷)

جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی پھر شہید ہوئے یا[۸۶] مر گئے اللہ انہیں اچھا رزق دے گا اور یقیناً اللہ ہی بہترین رازق ہے(۵۸) وہ انہیں ایسی جگہ داخل کرے گا جس سے وہ خوش ہو جائیں گے اور اللہ یقیناً سب کچھ جاننے والا، بردبار[۸۷] ہے۔(۵۹) یہ (تو ان لوگوں کا معاملہ ہے) اور جو شخص اتنا ہی بدلہ لے جتنی اس پر سختی

جس سے ان کے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی اور نہ ہی اس دن کے بعد انہیں اگلا دن دیکھنا نصیب ہوگا۔

[۸۵] یعنی آج تو ہر شخص خواہ وہ ایماندار ہے یا کافر ہے یا منافق ہے یا مشرک ہے وہ یہی سمجھ رہا ہے کہ وہ حق پر ہے اور جو کچھ وہ کر رہا ہے اچھا کر رہا ہے۔ لیکن قیامت کے دن سب کو روزِ روشن کی طرح علم ہو جائے گا کہ آج صرف اکیلے اللہ ہی کی حکمرانی ہے۔ اور ان کے معبودوں یا دیوتاؤں کے کارساز نہ ہونے کا سارا فریب کھل جائے گا اور اللہ تعالیٰ شہادتیں قائم کر کے یہ فیصلہ کر دیں گے کہ حق پر کون تھا اور جھوٹا کون؟ یا فلاں شخص کتنا حصہ حق پر تھا اور کتنا باطل پر؟ پھر اسی فیصلہ کے مطابق لوگوں کو بدلہ دیا جائے گا۔ اہل حق تو جنت کی نعمتوں سے محظوظ ہوں گے اور حق کو جھٹلانے والوں کو رسوا کن عذاب کا مزا چکھنا ہوگا۔

[۸۶] اہلِ ایمان کا ذکر کرنے کے بعد خصوصی طور پر مہاجرین کا ذکر فرمایا۔ جنہوں نے اللہ اور اس کے دین کی خاطر اپنے گھر بار، جائیداد اور وطن مالوف کو خیرباد کہا اس کے بعد خواہ جہاد کر کے شہید ہو جائیں یا طبعی موت سے وفات پا جائیں ان کی ہجرت کا عمل ہی اتنا گرانقدر ہے جس کے عوض اللہ انہیں ہزارہا گنا بہترین کھانے پینے کا سامان اور بہترین رہائش عطا فرمائیں گے۔ اتنا بہتر کہ جس سے وہ خوش ہو جائیں گے۔

[۸۷] یعنی اللہ خوب جانتا ہے کہ کس نے کس قدر خلوص نیت کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ لہٰذا وہ اتنا ہی اسے زیادہ اجر دے گا اور یہاں حلیم کے لفظ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کسی مہاجر سے کچھ خطا ہو بھی گئی تو اللہ تعالیٰ اس سے مؤاخذہ نہیں کریں گے اور دوسرا یہ کہ جن لوگوں نے مہاجرین کو ہجرت پر مجبور کیا تھا اللہ خوب جانتا ہے۔ لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ حلیم ہے لہٰذا ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ فوراً عذاب نازل نہیں کرتے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۝۶۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝۶۱

ہوئی تھی۔ پھر (از سر نو) اس پر زیادتی کی جائے تو اللہ ضرور اس کی مدد[۸۸] کرے گا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا[۸۹] اور درگزر کرنے والا ہے۔(۶۰) یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں[۹۰] داخل کرتا ہے اور اللہ سب کچھ سنتا دیکھتا ہے۔(۶۱)

[۸۸] ❁ مظلوم کی آہ سے بچنے کا حکم خواہ وہ کسی بھی قوم سے تعلق رکھتا ہو:۔ پچھلی دو آیات میں ان مہاجر مسلمانوں کا ذکر تھا جو کفار کے ظلم و تشدد سے مجبور ہو کر گھر بار چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے اور وہ ظلم کا بدلہ لے ہی نہ سکتے تھے۔ اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہوں۔ انہیں یہ ہدایت کی جا رہی ہے کہ اگر وہ بدلہ لینا چاہیں تو اتنا ہی بدلہ لیں جس قدر ان پر زیادتی ہوئی ہے۔ اور اگر بدلہ لینے میں زیادتی کریں گے تو یہ خود ظالم ٹھہریں گے اس صورت میں اللہ ان کی مدد کریں گے جو مظلوم ہیں۔ کیونکہ اللہ ہمیشہ مظلوم کی مدد کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا معاذ بن جبل کو جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو جہاں اور بہت سی نصیحتیں ارشاد فرمائیں وہاں سب سے آخر میں اور بطور خاص جو نصیحت فرمائی یہ تھی۔ "وَاتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ فَاِنَّهٗ لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللّٰهِ حِجَابٌ" (مسلم۔ کتاب الایمان۔ باب الدعاء الی الشهادتین و شرائع الاسلام) یعنی مظلوم کی بددعا سے بچے رہنا کیونکہ مظلوم کی پکار اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔ اسی مضمون کو شیخ سعدیؒ نے بڑے خوبصورت انداز میں یوں بیان کیا ہے۔

بترس از آہ مظلوماں کہ ہنگام دعا کردن
اجابت از در حق بہر استقبال می آید

یعنی مظلوموں کی آہ سے ڈرتے رہنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اس آہ کی قبولیت خود اسے لینے کو آگے آتی ہے۔

[۸۹] ❁ زیادتی کے برابر بدلہ لینے کا جواز یا رخصت:۔ اس آیت میں صرف زیادتی کے برابر بدلہ لینے کی اجازت دی گئی ہے اور اگر اینٹ کا جواب پتھر سے دیا جائے تو اللہ اس بات کو قطعاً پسند نہیں کرتے اور اسے ظلم شمار کیا جائے گا۔ اس اجازت کے باوجود اگر بدلہ نہ لیا جائے تو یہی بات اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ کیونکہ وہ خود بھی معاف کرنے والے اور درگزر کرنے والے ہیں لہٰذا بندوں کو بھی چاہئے کہ وہ اپنے ذاتی اور معاشرتی معاملات میں عفو و درگزر کی عادت کو اپنائیں اور ہر وقت بدلہ لینے کے درپے نہ ہوا کریں۔

[۹۰] کائنات میں اللہ تعالیٰ کے تصرف اور قدرت کا یہ عالم ہے کہ دن اور رات کو الٹتا پلٹتا رہتا ہے کبھی دن بڑے اور راتیں چھوٹی ہونا شروع ہو جاتی ہیں اور کبھی راتیں گھٹنا اور دن بڑے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اب جو ہستی کائنات میں اس قدر تصرف کی قدرت رکھتی ہے کیا وہ ظالم سے بدلہ نہ لے سکے گی۔ لہٰذا جہاں تک ہو سکے ظلم اور زیادتی سے اجتناب کرو اور اس سے بہتر یہ روش ہے کہ اگر کوئی زیادتی کرے تو اسے معاف کر دیا کرو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ
الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ
مُخْضَرَّةً ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ ﴿۶۳﴾ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ
وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ﴿۶۴﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ ع ۸ ۱۵

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور اللہ کے سوا جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں وہ سب کچھ باطل ہے اور اللہ ہی عالی شان [۹۱] اور کبریائی والا ہے۔(۶۲)

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برساتا ہے تو اس سے زمین سرسبز ہو جاتی ہے۔ وہ بڑا [۹۲] باریک بین اور ہر چیز سے باخبر ہے۔(۶۳) جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے سب اسی کا ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر ایک سے بے نیاز [۹۳] اور حمد کے لائق ہے۔(۶۴) کیا تم دیکھتے نہیں کہ جو کچھ زمین میں ہے وہ اللہ نے تمہارے تابع فرمان بنا دیا ہے

[۹۱] پھر جو ہستی کائنات میں اتنا تصرف کرنے پر قدرت رکھتی ہے اور اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے کو تصرف میں ذرہ بھر بھی دخل نہیں۔ تمام ظاہری اور باطنی اسباب اور ان کے نتائج پر اللہ اکیلے کا کنٹرول ہے تو پھر حق بات یہی ہے کہ اپنی حاجات کے لیے اکیلے اللہ ہی کو پکارا جائے۔ کیونکہ وہی سب سے بڑی قوت ہے اور قوت والا ہے اور وہی سب سے بڑا ہے جس نے کائنات کی ایک ایک چیز کو اپنے قبضہ اختیار میں لے رکھا ہے اور جو لوگ ایسے قدرتوں والے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو پکارتے ہیں وہ غلط کار ہیں اور غلطی پر ہیں۔ کیونکہ دوسروں کے پاس کوئی قدرت و تصرف ہے ہی نہیں۔

[۹۲] ۞ لطیف کا لغوی مفہوم:۔ یہاں لطیف کا لفظ کا استعمال ہوا ہے اس کے مادہ ل ط ف میں بنیادی طور پر دو باتیں پائی جاتی ہیں (۱) دقت نظر اور (۲) نرمی (مقائیس اللغۃ) اور لطیف کے معنوں میں کبھی تو ایک ہی معنی پایا جاتا ہے۔ جیسے اس آیت میں دقیقہ رس (یا ایک ہی معاملہ کی چھوٹی چھوٹی جزئیات پر تک نظر رکھنے والا) کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ بیک وقت دونوں معنوں میں استعمال ہوتا ہے کہ تمام مخلوق کی چھوٹی سے چھوٹی ضروریات اور تکلیفات کا علم رکھنا پھر ان کا ازالہ بھی کرنا۔ اس صورت میں لطیف کا ترجمہ مہربان کر لیا جاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و تصرف کی ایک اور دلیل پیش کی گئی ہے۔ یعنی پانی اور خشک مٹی کے اجزاء باہم ملتے ہیں تو زمین کے اجزا پھول جاتے ہیں اور ان میں روئیدگی کی قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اب جتنے بیج اس خشک زمین میں دبے پڑے تھے یا گھاس پھونس کی جڑیں خشک ہو کر زمین میں مل گئی تھیں ان میں جان پڑ جاتی ہے اور اس خشک اور مردہ بیج میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کی نرم و نازک کونپل زمین کی سخت سطح کو چیر پھاڑ کر زمین سے باہر نکل آتی ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب وہ سبزہ زار بن کر لہلہانے لگتی ہے اور اس سارے عمل کے دوران اللہ تعالیٰ کا لطف یا دقت نظر ہی وہ چیز ہوتی ہے جس کی بنا پر ایسے مثبت نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

[۹۳] چونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے خالق و مالک ہیں۔ لہٰذا ہر چیز اپنی ہستی اور اس کی بقاء تک کے لئے اللہ تعالیٰ کی محتاج ہوئی۔ جبکہ وہ خود کسی کے محتاج نہیں۔ تمام کائنات کے وجود سے پہلے بھی اس کی ہستی قائم و دوائم تھی اور وجود کے بعد بھی وہ اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۚ وَيُمْسِكُ السَّمَاءَ أَنْ تَقَعَ عَلَى الْأَرْضِ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ

اور کشتی کو بھی جو اس کے حکم سے سمندر میں چلتی ہے۔ اور وہ آسمان کو یوں تھامے ہوئے ہے کہ وہ اس کے اِذن کے بغیر زمین پر گر نہیں سکتا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندوں پر [۹۴] ترس کھانے والا اور نہایت رحم والا ہے۔(۶۵) وہی تو ہے جس نے تمہیں زندگی دی، پھر تمہیں [۹۵] مارتا ہے پھر تمہیں (دوبارہ) زندہ کرے گا اور حقیقت یہ

سے بے نیاز ہیں۔ لہٰذا کوئی اس کی حمد و ثنا بیان کرے یا نہ کرے اس سے انہیں کچھ فرق نہیں پڑتا (البتہ حمد و ثنا بیان کرنے والے کی اپنی ذات کو ضرور فائدہ پہنچ جاتا ہے) کیونکہ وہ اپنی ذات میں خود ہی محمود ہیں۔

[۹۴] ❁ انسان پر اللہ تعالیٰ کے چار بڑے احسانات:۔ اس آیت اور اس سے پہلی آیات میں دراصل ایسی باتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے بغیر انسان کا اس دنیا میں زندہ رہنا اور باقی رہنا مشکل تھا۔ اللہ کا سب سے پہلا احسان تو یہ ہے کہ زمین سبزہ اگاتی ہے اور اسی سبزہ پر انسان کیا دوسرے جانوروں کی زندگی کا بھی انحصار ہے۔ اگر زمین میں پانی کی آمیزش سے روئیدگی کی قوت پیدا نہ ہوتی تو کسی بھی جاندار کا اس زمین پر زندہ رہنا مشکل تھا اللہ کا دوسرا احسان انسان پر یہ ہے کہ اس نے زمین کی ہر چیز کو اس کے لئے مسخر کر دیا ہے۔ ورنہ زمین پر بسنے والے درندے اسے چیر پھاڑ کر کھا جاتے اور اس کی ہستی کا خاتمہ کر سکتے تھے۔ پھر کئی ایسے عظیم الجثہ جانور بھی ہیں کہ انسان محض ان کا ایک نوالہ ہی بنتا ہے۔ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے اتنی عقل دی کہ وہ زمین کی ہر بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیز کو اپنے کام میں لا رہا ہے اور دوسری اشیاء کو اللہ تعالیٰ نے ایسے طبعی قوانین کا پابند بنا دیا ہے کہ انسان انہیں معلوم کر کے ہر چیز سے گوناگوں فائدے حاصل کر رہا ہے۔ انسان ان اشیاء میں جیسی بھی قطع و برید یا تصرف کرے، کوئی چیز اس کے آگے دم نہیں مار سکتی، اسی احسان کا ایک پہلو یہ ہے کہ انسان سمندری سفر کے قابل ہو گیا ہے۔ وہ سمندر جو زمین کے تین چوتھائی حصہ پر پھیلا ہوا ہے۔ جہاں کوئی نشان راہ بھی نہیں ہوتا نہ ہی سمت معلوم ہو سکتی ہے اور اس کی تلاطم خیز موجیں انسان جیسی کمزور مخلوق کو آن کی آن میں فنا کر کے میلوں گہرائی تک پہنچا سکتی ہیں۔ جہاں سے کبھی اس کا سراغ تک نہ مل سکے۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کو طبعی قوانین کا پابند بنا کر اسے بھی انسان کے تابع کر دیا ہے۔

اور تیسرا احسان اللہ کا یہ ہے کہ فضائے بسیط میں لاکھوں ہمہ وقت گردش میں مصروف سیارے اپنے اپنے مدار پر چلنے کے لئے طبعی قوانین کے اس قدر پابند اور ان میں جکڑے ہوئے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی زمین پر گر کر زمین کو پاش پاش اور انسان کو صفحہ ہستی سے مٹا نہیں سکتا۔ یہ سب اللہ کے اذن سے ہی جکڑے ہوئے ہیں۔ پھر یہ اللہ کا اذن ہی ہو گا کہ ایک وقت یہ اجرامِ فلکی آپس میں ٹکرا جائیں گے اور قیامت بپا ہو جائے گی۔ اور یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ ہر آفت سے محفوظ رکھنا چاہتا ہے۔

[۹۵] انسان کو اللہ کا زندگی بخشنا ایسا احسان ہے جسے ہر شخص احسان سمجھتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا انسان کو موت دینا اس لحاظ سے احسان ہے کہ اگر آدم سے لے کر موجودہ دور تک تمام مخلوق زندہ رہتی تو انسان کو زمین پر کھڑا ہونے کو بھی جگہ نہ ملتی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَكَفُورٌ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ
رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُسْتَقِيمٍ ﴿٦٧﴾ وَإِنْ جَادَلُوكَ فَقُلِ اللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿٦٨﴾
اللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٦٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي
السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ ۗ إِنَّ ذَٰلِكَ فِي كِتَابٍ ۚ إِنَّ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ﴿٧٠﴾ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

ہے کہ انسان بڑا ہی منکر حق ہے۔(۶۶) ہم نے ہر ایک امت کے لئے عبادت کا ایک[۹۶] طریقہ مقرر کیا جس پر وہ چلتے ہیں۔ لہٰذا انہیں اس معاملہ میں آپ سے جھگڑنا نہیں چاہئے[۹۷]۔ آپ اپنے رب کی طرف دعوت دیں۔ بلاشبہ آپ راہ راست پر ہیں۔(۶۷) اور اگر وہ آپ سے جھگڑا کریں تو آپ ان سے کہئے کہ: "جو کچھ تم کر رہے ہو، اللہ اسے خوب جانتے ہیں۔(۶۸) اللہ ہی قیامت کے دن تمہارے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کریں گے جن میں تم اختلاف کر رہے ہو"(۶۹) کیا تم جانتے نہیں کہ اللہ وہ سب کچھ جانتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ بلاشبہ یہ سب[۹۸] کچھ ایک کتاب (لوح محفوظ) میں درج ہے۔ اللہ کیلئے یہ بات بالکل آسان ہے۔(۷۰) یہ لوگ اللہ کے علاوہ ان کی عبادت

وسائلِ معاش اور ضروریاتِ زندگی کا مہیا ہونا تو دور کی بات ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ساتھ ہی ساتھ پہلوں کو موت کی نیند سلا کر آنے والوں کے لئے جگہ اور ضروریات زندگی مہیا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح مرنے کے بعد زندہ کرنا پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دینا بھی اللہ تعالیٰ کا انسان پر احسانِ عظیم ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ انسان کو اس اخروی زندگی اور اس کی تفصیلات سے بذریعہ وحی مطلع کر کے انجام سے خبردار نہ کرتے تو طاقتور اور درندہ صفت انسان کمزور انسانوں کو کچا چبا ڈالتے اور انہیں کبھی جینے کا حق نہ دیتے۔ جس کا بالآخر نتیجہ یہ ہوتا کہ دنیا میں مسلسل جنگ اور بدامنی کی وجہ سے انسان کا وجود ہی صفحہ ہستی سے ختم ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے اتنے احسانات کے باوجود انسان کی حالت یہ ہے کہ وہ نہ کسی ایسے حقائق پر غور کرتا ہے اور نہ ہی اللہ کے ان احسانات کے لئے اس کا شکر گزار ہوتا ہے۔

[۹۶] مَنسک کا معنی اور منسک اور مِنہاج کا فرق:۔ منسک کا لفظ اگرچہ حج کے شعائر و احکام اور ادائیگی سے مختص ہو گیا ہے اور مناسکِ حج سے مراد اعمال اور ارکانِ حج ادا کرنے کے مقامات، قاعدے اور طریقے ہے اور نسک اس قربانی کو کہتے ہیں جو حج کے دوران کی جاتی ہے۔ تاہم اس لفظ کے معانی میں یہ وسعت ہے کہ اس کا اطلاق تمام عبادات کے طریق کار پر ہوتا ہے اور یہ لفظ منہاج سے اخص ہے۔ منہاج کے معنی میں تمام شرعی احکام کی ادائیگی کا طریقِ کار شامل ہے اور یہ طریقِ کار بھی اللہ ہی کی طرف سے بتایا جاتا ہے اور مَنسک کا اطلاق صرف عبادات کے طریق کار پر ہوتا ہے۔

[۹۷] عبادات کا طریق کار ہر نبی اور اس کی امت کے لئے مختلف رہا ہے اور اس میں وقت کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا جاتا رہا ہے۔ اور چونکہ یہ طریقِ کار بھی اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس بارے میں آپ سے بحث یا جھگڑا کرے۔ کیونکہ اس زمانہ میں یہی طریق کار درست اور برحق ہے۔ جو آپ ﷺ کو بتایا جا رہا ہے۔

[۹۸] یعنی مختلف انبیاء کی شریعت یا عبادات کے طریقوں میں تبدیلی اور اس کی وجوہ سب کچھ اللہ کے علم کے مطابق اور پہلے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ﴿۷۱﴾ وَاِذَا تُتْلٰى
عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ۭ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ
يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۭ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ اَلنَّارُ ۭ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ

کرتے ہیں جن کے لئے نہ تو اللہ نے کوئی دلیل اتاری ہے اور نہ ہی خود[۹۹] انہیں کچھ علم ہے۔ ان ظالموں کا کوئی بھی مددگار[۱۰۰] نہ ہوگا۔(۷۱) اور جب ان پر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو آپ ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار دیکھتے ہیں۔ (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) ابھی وہ ان لوگوں پر جھپٹ پڑیں جو انہیں ہماری آیات سناتے ہیں۔ آپ ان سے کہئے: میں آپ کو بتاؤں اس سے بدتر چیز کیا ہے؟ آگ[۱۰۱] جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ

سے ہی طے شدہ ہیں اور اللہ کی کتاب میں پہلے ہی سے ثبت ہیں۔ پھر اللہ کو یہ بھی علم ہے کہ کون لوگ اس واضح سی بات پر بھی جھگڑے پیدا کرنے والے ہیں۔ اللہ کو ان سب باتوں کا پہلے سے علم ہونا، پھر ان جھگڑا کرنے والوں کے درمیان فیصلہ کر کے انہیں ان کی ہٹ دھرمی کی سزا دینا اللہ تعالیٰ کی وسعتِ علم اور عظیم قدرت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ اور معمولی باتیں ہیں۔

[۹۹] ۞ اللہ کے دوسروں کو اختیارات تفویض کرنے پر کوئی علمی دلیل نہیں:۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کسی کتاب میں کہیں بھی یہ ذکر موجود نہیں کہ اس نے فلاں فلاں ہستی کو فلاں فلاں اختیارات تفویض کر رکھے ہیں۔ لہٰذا ان کاموں میں تم ان سے رجوع کر کے ان سے اپنی حاجات طلب کر سکتے ہو۔ نہ ہی انہیں کسی علمی تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ امور کائنات میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو بھی تصرف کا حق حاصل ہے۔ اور اس بنا پر ان کی بھی عبادت کرنا درست ہے۔ لہٰذا جو معبود ان لوگوں نے بنا رکھے ہیں اور ان سے کئی صفات اور اختیارات منسوب کر دیئے گئے ہیں ان کے آستانوں پر دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ نذریں، نیازیں چڑھائی جاتی ہیں بعض کے طواف اور اعتکاف تک بھی کئے جاتے ہیں ان کی حقیقت جاہلانہ توہمات کے سوا کچھ بھی نہیں۔

[۱۰۰] یعنی اللہ تو اس لئے ان کی مدد نہیں کریں گے کہ ان ظالموں نے اللہ کے شریک بنا کر ان کو ناراض کر لیا اور ان کے معبود اس لیے مدد نہیں کر سکیں گے کہ ان میں اتنی قدرت ہی نہیں۔ پھر ایسے لوگوں کے ظلم اور حماقت میں کیا شک ہو سکتا ہے؟

[۱۰۱] ۞ مشرکوں اور کافروں کی توحیدِ خالص سے چڑ اور بدکنا:۔ یعنی مشرکوں کے سامنے جب اللہ تعالیٰ کی ایسی آیات پڑھی جاتی ہیں جن میں خالص توحید کا ذکر ہوتا ہے اور یہ بتایا جاتا ہے کہ تصرف امور کے جملہ اختیارات صرف اللہ کو ہیں اور کوئی دوسرا ان میں شریک نہیں تو ان مشرکوں کے تیور بگڑنے لگتے ہیں اور وہ یوں کبیدہ خاطر ہونے لگتے ہیں کہ ابھی ایسی آیات سنانے والے پر حملہ کر دیں گے یا چپت رسید کر دیں گے۔ آپ ﷺ انہیں کہئے کہ بیشک تمہیں یہ آیات ناگوار ہیں۔ لیکن اس ناگواری کا انجام اس سے بھی زیادہ ناگوار ہوگا اور وہ ہے آگ کا عذاب۔ اب تم خود ہی فیصلہ کر لو کہ ان دونوں ناگوار باتوں میں سے کون سی بات تمہیں قابل قبول ہے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ع ۹ ۱۶ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ
تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ
الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

کر رکھا ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔(۷۲) لوگو! تم سے ایک مثال بیان کی جاتی ہے اسے ذرا غور سے سنو۔ جن لوگوں کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو وہ اگر سارے بھی اکٹھے ہو جائیں تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اور اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین کر لے جائے تو اس سے چھڑا بھی نہیں سکتے۔ چاہنے والا[۱۰۲] بھی ناتواں اور جس سے مدد طلب کی جا رہی ہے وہ بھی (ایسا ہی) ناتواں ہے۔(۷۳) ان لوگوں نے اللہ کی قدر پہچانی[۱۰۳] ہی نہیں جیسا

[۱۰۲] ۞ طالب اور مطلوب دونوں کی بے کسی اور بے بسی:۔ اللہ تعالیٰ نے اس مثال میں مکھی کا انتخاب اس لیے فرمایا کہ وہ بہت چھوٹی اور حقیر سی مخلوق ہے۔ جس سے سب لوگوں کو نفرت اور گھن آتی ہے۔ اب جو لوگ اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں انہوں نے خود اپنے آپ کو کمزور سمجھ کر ہی اپنے معبود سے حاجت طلب کی۔ لہٰذا اس کمزوری میں تو کوئی شبہ ہی نہ رہا۔ اور جس سے مراد طلب کی جارہی ہے اس کا اپنا یہ حال ہے کہ وہ ایک مکھی جیسی حقیر مخلوق بھی پیدا نہیں کر سکتا۔ بلکہ ان کے سامنے جو نذریں، نیازیں پیش کی جارہی ہیں ان پر مکھی بیٹھ کر اس کا حقیر سا حصہ اڑا لے جائے تو وہ اس سے واپس بھی نہیں لے سکتا۔ پھر یہ کسی ایک معبود کا مسئلہ نہیں سارے معبود مل کر بھی نہ ایک مکھی تک پیدا کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کی چھینی ہوئی چیز اس سے چھڑا سکتے ہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر ان کی بے بسی اور کمزوری کیا ہو سکتی ہے؟ اب اگر یہ مشرک اس ایک بات پر ہی غور کر لیں تو انہیں اپنی حماقت کا پوری طرح علم ہو سکتا ہے کہ کمزوری اور بے بسی میں ان کے معبود ان سے بھی بڑھ کر ہیں۔ لہٰذا ان سے حاجات طلب کرنا نہایت احمقانہ بات ہے۔

[۱۰۳] ۞ کائنات کی وسعت اور اس پر کنٹرول سے اللہ کی ہستی اور قدرت پر دلیل:۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت پر کبھی غور ہی نہیں کیا۔ جو اس پوری کائنات کو اور خود ان کو بھی عدم سے وجود میں لائے ہیں۔ اور انہیں زندگی بخشی ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے کسی بھی کارنامے پر غور کرتے تو کبھی اس کے اختیار و تصرف میں کمزور اور بے بس قسم کی مخلوق کو شریک بنانے کی حماقت نہ کرتے۔ مثلاً: کائنات کی وسعت کا یہ حال ہے کہ موجودہ تحقیقات کی رو سے سورج کے گرد نو سیارے گردش کر رہے ہیں جن میں تیسرے نمبر پر ہماری زمین ہے اور اس کا سورج سے فاصلہ ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل ہے۔ آخری نواں سیارہ پلوٹو ہے جس کا سورج سے ۱۳ ارب ۶۸ کروڑ میل فاصلہ ہے جسامت کے لحاظ سے بھی ہماری زمین دوسرے سیاروں کی نسبت بالکل حقیر ہے۔ ہمارے اس نظامِ شمسی میں سورج ایک ستارہ یا ثابت ہے۔ کائنات میں ایسے ہزاروں ستارے یا ثابت مشاہدہ کئے جا چکے ہیں اور یہ ستارے یا سورج جسامت کے لحاظ سے ہمارے سورج سے بہت بڑے ہیں۔ ہمارے نظام شمسی سے بہت دور تقریباً ۴۰ کھرب کلومیٹر کے فاصلے پر ایک سورج موجود ہے جو ہمیں محض روشنی کا ایک چھوٹا سا نقطہ معلوم ہوتا ہے اس کا نام الفا قنطورس (Alfa Centauris) ہے۔ ایسے ہی دوسرے سورج اس سے بھی دور ہیں اور خلا میں ہر طرف ایک دوسرے سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَدْرِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝۷۴ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰۗىِٕكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ

کہ پہچاننا چاہئے تھی۔ اللہ تعالیٰ تو بڑا طاقتور اور ہر چیز پر غالب ہے۔(۷۴) اللہ (پیغام رسانی کے لیے) فرشتوں میں سے بھی رسول[۱۰۴] چن لیتا ہے اور لوگوں میں سے بھی۔ بیشک اللہ سب کچھ

الگ الگ بکھرے پڑے ہیں۔ رات کے وقت وہ آسمان پر روشنی کے ننھے منے نقطوں کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ یہ سب ستارے دراصل بہت بڑے اجسام ہیں اور ہمارے سورج کی طرح یہ بھی خود روشن ہیں۔

جسامت کے لحاظ سے سیاروں اور ستاروں کو چار قسموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلی قسم کو سفید بونے کہا جاتا ہے ان کی اوسط جسامت مشتری کے برابر سمجھی گئی ہے اور مشتری کی جسامت نظام شمسی کے باقی آٹھ سیاروں (جن میں ہماری زمین بھی شامل ہے) کے برابر ہے۔ ہمارا سورج دوسری قسم میں آتا ہے اور اس کی جسامت ہماری زمین سے ۳ لاکھ ۳۷ ہزار گنا زیادہ ہے گویا ہمارا اتنا بڑا سورج بھی بڑے ستاروں میں شامل نہیں ہے۔ تیسری قسم کے ستاروں کو دیو (Gaints) اور چوتھی قسم کے ستاروں کو شاہ دیو (Super Gaints) کہا جاتا ہے۔ ایسے ستاروں کے مقابلہ میں ہمارا سورج ایسے ہی ہے جیسے سورج کے مقابلہ میں ہماری زمین ہے۔ ایسے ہی ایک ستارے کا نام قلب عقرب (Antares) ہے۔ اگر اسے اٹھا کر نظام شمسی میں رکھا جائے تو سورج سے لے کر مریخ تک تمام علاقہ اس میں پوری طرح سما جائے گا۔ جبکہ مریخ کا سورج سے فاصلہ ۱۴ کروڑ ۱۵ لاکھ میل ہے۔ گویا قلب عقرب کا قطر ۲۸ کروڑ ۳۰ لاکھ میل کے لگ بھگ ہے۔

مزید برآں کائنات میں لاتعداد مجمع النجوم اور کہکشائیں ہیئت دانوں کو ورطہ حیرت میں ڈال کر ان کے علم کو ہر آن چیلنج کر رہی ہیں پھر اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جوں جوں ہیئت دان مزید طاقتور اور جدید قسم کی دوربینیں استعمال کر رہے ہیں، توں توں اس بات کا بھی انکشاف ہو رہا ہے کہ کائنات میں مزید وسعت پیدا ہو رہی ہے۔ سیاروں کے درمیانی فاصلے بھی بڑھ رہے ہیں اور نئے نئے اجرام بھی مشاہدہ میں آ رہے ہیں۔

اب اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہماری زمین سورج کے گرد چھیاسٹھ ہزار چھ سو میل فی گھنٹہ کی برق رفتاری سے گردش کر رہی ہے۔ اسی طرح کائنات میں تمام سیارے کم و بیش اسی برق رفتاری سے محو گردش ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی طرح جکڑا ہوا ہے۔ کہ نہ وہ آپس میں ٹکراتے ہیں نہ ان کی چال میں فرق آتا ہے اور نہ ہی اپنے مدار سے ایک انچ بھی ادھر ادھر ہو سکتے ہیں۔ اور جوں جوں انسان اللہ تعالیٰ کی ان قدرتوں میں غور کرتا ہے تو اس کی عظمت و جلال کا سکہ اس کے دل پر نقش ہوتا جاتا ہے۔

اب ایک طرف تو اس قدر عظمت و جلال اور قوت و قدرت والی اللہ تعالیٰ کی ہستی ہے اور دوسری طرف اس کے ساتھ ایسے معبودوں اور حاجت رواؤں کو شریک کیا جا رہا ہے جو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے بلکہ ایسے بے بس ہیں کہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز چھین لے جائے تو اسے مکھی سے چھڑانے کی قدرت بھی نہیں رکھتے۔ غور فرمائیے کیا ان دونوں کی قدرت میں کوئی نسبت قائم کی جا سکتی ہے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ جو دوسروں کو اللہ کے شریک بناتے ہیں تو اس کی وجہ محض یہ ہے کہ انہوں نے کسی بھی معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں پر کبھی غور نہیں کیا۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچاننے کی کبھی کوشش کی ہے ورنہ وہ کبھی ایسی حماقت نہ کرتے۔

[۱۰۴] ❁ رسالت کے لئے اللہ تعالیٰ کا فرشتوں اور انسانوں سے انتخاب:۔ یعنی اللہ پیغام رسانی کے لئے فرشتوں میں سے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔(۷۵) وہ اسے بھی جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے ہے اور اسے بھی جو ان سے اوجھل[۱۰۵] ہے اور تمام معاملات اسی کی طرف[۱۰۶] لوٹائے جاتے ہیں۔(۷۶)

آدمیوں سے بھی انتخاب خود اپنی حکمت اور صوابدید کے مطابق کرتے ہیں۔ فرشتوں میں سے سیدنا جبریل علیہ السلام یا وہ فرشتے جو سیدنا زکریا، سیدہ مریم، سیدنا ابراہیم اور سیدنا لوط کے پاس پیغام رساں بن کر آئے تھے اور لوگوں میں سے تمام انبیاء و رسل اللہ ہی کا پیغام لوگوں کو پہنچاتے رہے ہیں اور احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ جس طرح لوگوں میں سے پیغمبر سب سے افضل ہوتے ہیں اسی طرح پیغام رساں فرشتے بھی دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں۔ اس آیت میں دراصل کافروں کے ایک اعتراض کا جواب دیا گیا ہے وہ کہتے تھے کہ اگر اللہ کو کوئی رسول بھیجنا ہی تھا تو وہ مکہ اور طائف کی بڑی بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی کا انتخاب کرتا۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ یہ بات بھی اللہ ہی خوب جانتے ہیں کہ لوگوں میں سے رسالت کا اہل کون ہے اور اس معاملہ میں کسی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

[۱۰۵] ۞ سفارش پر پابندیاں: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ یہ جملہ قرآن کریم میں چار مقامات سورہ بقرہ آیت ۲۵۵ (آیۃ الکرسی) سورہ طٰہٰ، آیت نمبر ۱۱۰، سورہ انبیاء، آیت نمبر ۲۸، اور یہاں سورہ حج کی آیت نمبر ۷۶ میں استعمال ہوا ہے۔ اور ہر مقام پر اس جملہ سے پہلے یا آخر میں سفارش اور معبودانِ باطل کا ذکر ہے۔

اس جملہ میں سفارش پر پابندیوں کی وجہ بیان کی گئی ہے۔ سفارش پر پابندیاں یہ ہیں۔ (۱) کوئی شخص اللہ کے اذن کے بغیر سفارش نہ کر سکے گا (۲) سفارش اسی کے حق میں کی جا سکے گی جس کے حق میں اللہ چاہیں گے اور (۳) صرف اس جرم یا خطا کے لیے کی جا سکے گی جسے اللہ کو معاف کرنا منظور ہوگا۔ اب سب پابندیوں کو ملانے سے منطقی نتیجہ یہی حاصل ہوتا ہے کہ سفارش پر ہرگز تکیہ نہ کر بیٹھنا چاہئے۔ اور اس جملہ میں سفارش پر تکیہ نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی جا رہی ہے کہ مثلاً ایک بااثر شخص کسی افسر سے مل کر کہتا ہے کہ حضور! آپ کا فلاں ملازم جس جرم میں ماخوذ ہے اسے معاف کر دیں۔ یہ میرا خاص آدمی ہے۔ اور افسر اسے یہ جواب دیتا ہے کہ تمہاری نظر تو صرف اس کے حالیہ جرم پر ہے۔ لیکن اس کا سابقہ ریکارڈ بھی بہت گندا ہے۔ لہٰذا اب مجھے اس کا موجودہ جرم بھی معاف کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ جس پر سفارش کرنے والا لاجواب اور بے بس ہو جاتا ہے۔ بالکل یہی صورت حال اللہ کے حضور سفارش کی ہے۔ اللہ تو ہر انسان کے پورے ریکارڈ سے واقف ہیں اور یہی اس جملہ کا مطلب ہے لیکن سفارش کرنے والے کو اس کی پوری ہسٹری شیٹ کا علم ہو ہی نہیں سکتا جس کی وہ سفارش کرنا چاہتا ہے اسی لئے سفارش پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں۔

[۱۰۶] اگرچہ یہ جملہ عام ہے اور تمام کاموں کا انجام اللہ ہی کے سپرد ہے۔ مگر یہاں ربطِ مضمون کے لحاظ سے اس کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ جن معبودوں یا بزرگوں کی سفارش پر تکیہ کیا جاتا ہے یا لوگوں کو جھوٹے وعدے دیئے جاتے ہیں یا لوگ خود ہی خود فریبی میں مبتلا ہو چکے ہیں ان کے یہ محض توہمات ہیں جو لغو اور باطل ہیں۔ ہر شخص کا انجام وہی کچھ ہوگا جو اللہ کو منظور ہوگا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور نیک کام کرو تاکہ تم کامیاب[۱۰۷] ہو سکو(۷۷) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق[۱۰۸] ہے۔ اس نے تمہیں (اپنے دین کے کام کیلئے) چن لیا ہے

[۱۰۷] اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ خطاب انفرادی طور پر ہو۔ اس صورت میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اخروی نجات اور کامیابی کے لئے تین کاموں کا سرانجام دینا نہایت ضروری ہے۔ نماز کی درست طور پر ادائیگی۔ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی عبادت جس میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔ اور نیک اعمال کی بجاآوری اور اگر یہ خطاب مجموعی طور پر بحیثیت امت سمجھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جس قوم میں یہ صفات موجود ہوں ان کی اخروی کامیابی تو یقینی ہے ہی، ان کی دنیا میں بھی کامیابی کی توقع کی جاسکتی ہے۔

❁ سورہ حج کی فضیلت:۔ سورہ حج کی فضیلت یہ ہے کہ اس میں دو سجدے آئے ہیں ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ بھی مقام سجدہ تلاوت ہے۔ اس سورہ کا پہلا سجدہ تو متفق علیہ ہے۔ لیکن یہ دوسرا سجدہ اختلافی ہے سجدہ کے قائلین کی دلیل یہ ہے۔ یہاں ایمان لانے والوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا ہے۔ اور دوسرے گروہ کی دلیل یہ ہے کہ یہاں رکوع اور سجدہ کا اکٹھا حکم آیا ہے۔ اور جہاں یہ دونوں الفاظ اکٹھے آئیں تو اس سے مراد پوری نماز لی جاتی ہے کیونکہ یہ دونوں نماز کے ہی جزء اشرف ہیں اور جزء اشرف بول کر اسے کل مراد لینا اہل عرب کا عام دستور ہے۔ بلکہ بعض دفعہ قرآن میں صرف رکوع یا صرف سجود کے لفظ سے بھی پوری نماز مراد لی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں قائلین کا موقف ہی راجح معلوم ہوتا ہے کیونکہ بعض روایات بھی ان کی تائید کرتی ہیں اگرچہ وہ روایات اتنی قوی نہیں ہیں۔

[۱۰۸] ❁ جہاد کی اقسام:۔ جہاد کرنے کا حق یہ ہے کہ دامے، درمے، سخنے ہر طرح سے جہاد کیا جائے۔ جہاد دراصل ہر اس بھرپور کوشش کا نام ہے جو اقامت دین کے لئے اور اس کی راہ میں رُکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے کی جائے۔ اس کا پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان اپنے نفس سے جہاد کرے اور اسے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے دین کے تابع بنادے۔ اس کا دوسرا درجہ اپنے اہل و عیال اور گھربار کو پوری کوشش کے ساتھ اس راہ پر ڈالنا ہے۔ پھر اس کے بعد رشتہ داروں کی باری آتی ہے پھر عام لوگوں کی۔

جہاد کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ جہاں موقع اور ضرورت ہو انسان زبان سے لوگوں کو اس راہ کی طرف دعوت دے۔ اسلام کی تبلیغ و اشاعت کرے۔ اور جہاں موقع اور ضرورت ہو تو صاحبِ قلم، قلم سے جہاد کریں۔ اسلام کی تعلیم کی اشاعت کر کے لوگوں میں پھیلائیں۔ اور اسلام کے مخالفوں کے اعتراضات کے مدلل جواب دیں۔ اور اس کا آخری درجہ یہ ہے کہ بوقت ضرورت جہاد بالسیف سے بھی دریغ نہ کریں۔ خواہ اس میں جان اور مال کی قربانی دینی پڑے۔ اور اس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو سربلند کرنا ہو۔ اور یہ ساری اور ہر قسم کی کوششیں جہاد ہی کے ضمن میں آتی ہیں۔ اور ایک مومن کے ایمان کا تقاضا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِّلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ

اور دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں[۱۰۹] رکھی۔ یہ تمہارے باپ[۱۱۰] ابراہیم کا دین ہے۔ اللہ نے اس سے پہلے بھی تمہارا نام مسلم رکھا تھا اور اس (قرآن) میں[۱۱۱] بھی (مسلم ہی رکھا ہے) تاکہ رسول تم پر

ہیں جس قدر کسی کا ایمان مضبوط ہوگا اس قدر وہ جہاد میں سرگرم عمل رہے گا۔ اس کا ایمان خود اسے ایسی کوششوں کی ترغیب دیتا رہے گا۔

[۱۰۹] ❁ دین میں تنگی نہیں کمزور اور مجبور لوگوں کا لحاظ:۔ یعنی اسلام نے مسلمانوں پر جو فرائض عائد کئے ہیں ان میں ہر قسم کے لوگوں کی مجبوریوں کو بھی ملحوظ رکھا ہے اور سختی نہیں کی۔ مثلاً بوڑھوں، بچوں، عورتوں، اندھوں اور معذوروں کو جہاد بالسیف سے سبکدوش کیا گیا ہے۔ مسافروں کی نماز میں تخفیف کر دی گئی ہے۔ مریضوں کو نماز بیٹھ کر اور زیادہ بیماری میں لیٹ کر، حتیٰ کہ اشارہ سے پڑھنے کی رخصت دی گئی ہے۔ پانی نہ ملنے پر تیمم کی اجازت ہے۔ اور ایسی مثالیں بے شمار ہیں اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ سابقہ شریعتوں میں جو سخت احکام تھے انہیں دور کر کے آسان کر دیا گیا ہے اور اس کی مثالیں کسی دوسرے مقام پر گزر چکی ہیں۔ اور اس کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ رسم و رواج کی پابندیوں اور بعض بزرگان دین کی خود ساختہ عائد کردہ پابندیوں کو ساقط الاعتبار قرار دیا گیا ہے اور اس کی کچھ تفصیل سورہ اعراف کی آیت نمبر ۱۵۷ کے تحت گزر چکی ہے اور اس سے متعلق احادیث سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۵۸ کے تحت درج کر دی گئی ہیں۔

[۱۱۰] ❁ دین کے معاملہ میں سیدنا ابراہیم کا خصوصی ذکر کیوں؟ تمام انبیاء و رسل کا دین ایک ہی رہا ہے اور یہاں بالخصوص جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین کا نام لیا، دین موسوی یا عیسوی وغیرہ کا نام نہیں لیا، تو اس کی چند وجوہ ہیں۔ جو یہ ہیں:

۱۔ آپ کو یہودی، عیسائی، مسلمان حتیٰ کہ صابی بھی اپنا پیشوا تسلیم کرتے ہیں اور آپ سب کے ہاں یکساں محترم ہیں۔

۲۔ اہل عرب میں سے اکثر قبائل آپ کی ہی اولاد تھے اور آپ ان کے جد اعلیٰ ہیں۔

۳۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مسلمانوں کے روحانی باپ ہیں اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد تھے۔ لہٰذا سیدنا ابراہیم علیہ السلام تمام مسلمانوں کے باپ ہوئے۔

واضح رہے کہ دین کے بجائے ملت کا لفظ آیا ہے۔ اور یہ دونوں مترادف الفاظ ہیں۔ اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ دین صرف ان احکام و فرامین کا نام ہے جو کتاب و سنت یا کسی الہامی کتاب میں مذکور ہوتے ہیں۔ انہی احکام و فرامین کو جب عملی شکل دے کر رائج کر دیا جائے تو ایسے نظام کا نام ملت ہے۔ یعنی دین کی عملی شکل جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے پیش فرمائی تھی وہی اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے لہٰذا ہمیں انہی کی ملت کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔

[۱۱۱] مسلم کے لغوی معنی ہیں اللہ کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کر دینے والا۔ اس لحاظ سے ہر نبی پر ایمان لانے والی قوم مسلم ہی تھی۔ ابراہیمی یا نوحی، یا موسوی، یا عیسوی، وغیرہ ناموں سے وہ لوگ نہیں پکارے جاتے تھے۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کے یہ نام رکھے تھے۔ ان کے یہ نام ان کے خود ساختہ تھے یا دوسروں کے تجویز کردہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام بھی مسلمان ہی رکھا تھا اور تمہارا نام بھی مسلمان ہی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ (۷۸) ع ۱۰ ۱۷

گواہ ہو[۱۱۲] اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔ لہٰذا نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ (کے دین) کو مضبوطی سے[۱۱۳] تھامے رکھو۔ وہی تمہارا کارساز ہے وہ کیسا اچھا کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔(۷۸)

[۱۱۲] اس آیت کی تشریح کے لئے دیکھئے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴۳ کا حاشیہ

[۱۱۳] یعنی تمہیں ہر قسم کے احکام و قوانین خواہ یہ درونِ خانہ سے تعلق رکھتے ہوں یا تمہاری معیشت و معاش سے یا معاشرت و تمدن سے یا داخلی و خارجی پالیسی سے اللہ کے دین سے لینے چاہئیں اور انہی پر پوری طرح عمل پیرا ہونا چاہئے۔ لہٰذا تم اپنے نام کی لاج رکھو اور جس ہدایت عامہ کے لیے تمہیں پیدا کیا گیا ہے اس کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے اپنے آپ کو نمونہ بناؤ۔ بدنی اور مالی عبادات میں بھی کوتاہی نہ ہونے پائے۔ ہر کام میں شریعت سے روشنی حاصل کرو اور جادۂ حق سے ادھر ادھر نہ جاؤ۔ اس کے فضل اور رحمت پر اعتماد رکھو اور تمام کمزور سہارے چھوڑ دو۔ صرف اللہ کو ہی اپنا مالک اور مولیٰ سمجھو۔ اس سے بہتر مالک اور مددگار تمہیں اور کون مل سکتا ہے؟

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۱۸ آیاتها سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ رکوعها ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝۲ وَالَّذِيْنَ

کلمات ۱۰۷۰ آیت ۱۱۸ (۲۳) سورۃ المؤمنون مکی ہے (۷۴) رکوع ۶ حروف ۴۵۳۸

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

ایماندار لوگ کامیاب[۱] ہو گئے۔(۱) جو اپنی نماز میں عاجزی[۲] کرتے ہیں(۲) اور جو بیہودہ[۳] باتوں

[۱] ۞ فلاح کا مفہوم:۔ افلح (مادہ.....ف ل ح) میں تین باتیں بنیادی طور پر پائی جاتی ہیں (۱) پھاڑنا (۲) کامیابی اور (۳) بقا (مقائیس اللغۃ) اور فلاح بمعنی کسان جو بیج بونے کے لئے زمین کو پھاڑتا، فصل پکنے پر کامیابی سے ہمکنار ہوتا اور اس سے فائدہ اٹھانے پر اپنی مراد پاتا ہے۔ گویا افلح کے معنی ایسا کامیاب ہونا ہے جو کسی کے اپنے عمل اور محنت کے نتیجہ میں ہو۔

۞ کامیابی کے لئے مومنوں کی چھ صفات:۔ یہ سورت بالاتفاق مکی ہے اور اس دور میں نازل ہوئی جب مسلمانوں کے کامیاب ہونے کا تصور بھی محال تھا اور ان پر عرصہ حیات بھی تنگ کر دیا گیا تھا اور اگر اسلام لانے سے پہلے کسی مسلمان کا کوئی کاروبار یا شغل تھا بھی تو اسلام لانے کے بعد وہ ختم ہو چکا تھا۔ دوسری طرف قریش مکہ تھے جن کے ہاں مال و دولت کی ریل پیل تھی۔ تجارت ان کے ہاتھ میں تھی اور صاحب اختیار و اقتدار تھے۔ کعبہ کے متولی ہونے کی بنا پر تمام قبائل عرب ان کی عزت بھی کرتے تھے اور ان سے ڈرتے بھی تھے۔ ان حالات میں ایمانداروں کی کامیابی کا اعلان جہاں مسلمانوں کے لئے ایک بشارت تھی وہاں اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ایک دنیادار انسان کے نزدیک کامیابی کا جو تصور اور معیار ہے وہ تصور ہی سرے سے غلط ہے۔ دنیوی اور اخروی کامیابی کے لئے جن صفات کا ہونا لازمی ہے۔ وہ وہی چھ صفات ہیں جن کا آئندہ آیات میں ذکر ہو رہا ہے۔

[۲] ۞ نماز میں خشوع کا مقام اور اثرات:۔ خَشَعَ کے معنی ایسی عاجزی ہے جو دل میں ڈر اور ہیبت طاری ہونے کی وجہ سے ہو۔ پھر اس ڈر اور عاجزی کے اثرات اعضاء و جوارح پر بھی ظاہر ہونے لگیں۔ آنکھیں مرعوب ہو کر جھک جائیں اور آواز پست ہو جائے چنانچہ ایسے مقامات پر بھی قرآن نے یہی لفظ استعمال فرمایا ہے، پھر اسی خشوع کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ انسان نماز میں باادب کھڑا ہو۔ ادھر ادھر نہ دیکھے، نہ اپنے کپڑوں کو سنوارتا رہے نہ اپنی داڑھی وغیرہ سے کھیلتا رہے۔ اور نہ دل میں نماز پر توجہ کے علاوہ دوسرے خیالات آنے دے۔ اور خیالات آنے بھی لگیں تو فوراً ادھر سے توجہ ہٹا کر یہ سوچنے لگے کہ وہ نماز میں اپنے مالک کے سامنے دست بستہ کھڑا ہے اور اس بات پر توجہ دے کہ وہ زبان سے کیا کہہ رہا ہے۔ خشوع اگرچہ اجزائے صلوٰۃ کے لئے شرط نہیں تاہم حسنِ قبول کے لئے لازمی شرط ہے۔

[۳] ۞ لغو کا مفہوم:۔ لغو سے مراد فضول اور بیکار مشغلے اور کھیل بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ اگر تفریح طبع کے لئے یا جسمانی کسرت کے طور پر کوئی کھیل کھیلتے ہیں تو ایسے کھیل نہیں کھیلتے جن میں محض وقت کا ضیاع ہو بلکہ ایسے کھیل کھیلتے ہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ﴿۳﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ ﴿۴﴾ وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ﴿۵﴾
إِلَّا عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ

سے دور رہتے ہیں(۳) اور جو زکوٰۃ ادا کرتے[۴] رہتے ہیں(۴) اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت[۵] کرتے ہیں(۵) سوائے اپنی بیویوں اور کنیزوں کے جو ان کے قبضہ[۶] میں ہوں کیونکہ ان کے معاملہ میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔(۶) البتہ ان کے سوا

جن سے کوئی دینی فائدہ بھی حاصل ہوتا ہو۔ جیسے جہاد کی غرض سے تیراکی، نیزہ بازی، تیر اندازی، اور نشانہ بازی وغیرہ۔ اور لغو سے مراد بیہودہ اور فضول باتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ جیسے فضول گپیں، غیبت، بکواس، تمسخر، فحش گفتگو اور فحش قسم کے گانے وغیرہ۔ ان باتوں سے وہ صرف خود ہی پرہیز نہیں کرتے بلکہ جہاں ایسی سوسائٹی ہو وہاں سے وہ اٹھ کر چلے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ رہنا قطعاً گوارا نہیں کرتے۔

[۴] ۞ زکوٰۃ کا لغوی مفہوم:۔ زکوٰۃ (زکیٰ۔ زکو) کے معنی بالیدگی، نشوونما پانا، بڑھنا اور عمدہ ہونا ہے اور زکیٰ کے معنی کسی چیز کو عمدہ بنانا، اس کی اصلاح کرنا اور آگے بڑھانا ہے۔ اور تزکیہ نفس کے معنی نفس کو روحانی آلائشوں، بیماریوں یا اخلاق رذیلہ سے پاک صاف کر کے اوصافِ حمیدہ پیدا کرنا ہے جیسے ارشاد باری ہے۔ ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا﴾ (۹۱:۹) "یعنی جس نے اپنے نفس کو پاکیزہ بنا لیا وہ کامیاب ہو گیا" اور زکوٰۃ کے مفہوم میں یہ سب باتیں شامل ہیں اور زکوٰۃ سے جو دو فائدے زکوٰۃ ادا کرنے والے کو پہنچتے ہیں وہ ہیں تطہیر مال اور تزکیہ نفس (۹:۱۰۳) اور زکوٰۃ سے جو فائدہ معاشرہ کو پہنچتا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے غریبوں اور محتاجوں کی امداد ہوتی ہے۔ طبقاتی تقسیم کم ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے دولت کا بہاؤ امیر سے غریب کی طرف ہو جاتا ہے۔

اور فَاعِلُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی ان کی مستقل اور پختہ عادت بن چکی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ جب جی چاہے ادا کر دیں اور جب نہ چاہے تو نہ کریں۔

۞ زکوٰۃ اور اس کے فوائد:۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ زکوٰۃ تو مدینہ میں فرض ہوئی تھی۔ پھر اس مکی سورہ میں فَاعِلُوْنَ کا کیا معنی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ کا نصاب محل زکوٰۃ اشیاء اور شرح زکوٰۃ کا تعین یہ سب کچھ فی الواقع مدینہ میں ہوا تھا مگر اس کی مشروعیت مکہ میں ہو چکی تھی۔ چنانچہ اکثر مکی سورتوں میں بھی زکوٰۃ و صدقات کا ذکر پایا جاتا ہے۔

[۵] اس آیت کے بھی دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے مقامات ستر کو ڈھانپ کر رکھتے ہیں اور کسی کے سامنے کھولتے نہیں نہ عریاں لباس پہنتے ہیں کہ بدن کے اعضاء نظر آتے رہیں اور دوسرا یہ کہ وہ اپنی عفت و عصمت کی پوری پوری نگہداشت کرتے ہیں۔

[۶] ۞ ترکِ نکاح اور رہبانیت کا رد:۔ مسلمانوں کے لئے اپنے شہوانی جذبات اور خواہشات کی تکمیل کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنی خواہش اپنی بیویوں سے پوری کریں اور دوسری یہ کہ اپنی مملوک کنیزوں سے پوری کر سکتے ہیں۔ مملوک لونڈیوں کے لئے نکاح کی شرط نہیں اور اس سے تمتع کے جواز کی بنیاد نکاح نہیں بلکہ مِلک ہے۔

اس آیت سے مزید دو امور کا پتہ چلتا ہے۔ ایک یہ کہ راہب سنیاسی یا بعض صوفی قسم کے لوگ شہوانی خواہش کی تکمیل کو برا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝۸ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝۹

جو کوئی اور ذریعہ چاہے تو ایسے ہی لوگ حد[۷] سے بڑھنے والے ہیں۔(۷) اور جو اپنی امانتوں اور عہد و پیمان[۸] کا پاس رکھتے ہیں(۸) اور اپنی نمازوں[۹] پر محافظت کرتے ہیں۔(۹)

سمجھتے ہیں۔ حتیٰ کہ نکاح کو ان کی خود ساختہ ولایت کے معیار کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے کہ نکاح کے بعد انسان خانہ داری اور اولاد کے جھنجھٹوں میں پڑ جاتا ہے۔ اور یہ چیز رہبانیت کی ریاضت کے حصول میں آڑے آتی ہے۔ اس آیت میں ان لوگوں کے نظریہ کا پورا پورا رد موجود ہے۔

نیز دورِ نبوی میں صحابہ کرام میں بھی کچھ رہبانیت کا رجحان چل نکلا تھا۔ چنانچہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "تین آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے گھر آئے اور آپ ﷺ کی عبادت کے متعلق پوچھنے لگے۔ جب انہیں بتایا گیا تو اسے انہوں نے کم سمجھا اور کہنے لگے کہ کہاں ہم اور کہاں اللہ کے رسول ﷺ جن کے پہلے اور پچھلے سب گناہ معاف کئے جا چکے ہیں۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا: میں ہمیشہ ساری رات نماز میں گزارا کروں گا" دوسرے نے کہا: "میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور تیسرے نے کہا میں ہمیشہ عورتوں سے کنارہ کش رہوں گا اور کبھی نکاح نہ کروں گا" اتنے میں آپ تشریف لے آئے اور ان لوگوں سے پوچھا: "کیا تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسی اور ایسی باتیں کی ہیں؟ اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور پرہیزگار ہوں۔ اس کے باوجود میں روزہ رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں۔ رات کو نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ تو جو کوئی میری سنت کو ناپسند کرے اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں" (بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب الترغیب فی النکاح)

۞ عورت کا اپنے غلام سے تمتع کی ممانعت: اور دوسری یہ بات کہ مرد کے لئے تو اس کی مملوکہ کنیز سے تمتع جائز ہے۔ لیکن عورت اپنے مملوک غلام سے تمتع نہیں کر سکتی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک عورت نے اپنے غلام سے تمتع کر لیا۔ پھر دلیل میں یہ آیت پیش کی۔ آپ نے صحابہ کی مجلس شوریٰ میں یہ معاملہ پیش کیا تو سب نے بالاتفاق کہا کہ تَاوَّلَتْ كِتَابَ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرَ تَاوِيْلِهٖ (یعنی اس عورت نے اللہ کی کتاب کا غلط مفہوم اخذ کیا ہے) اور عورت کے لئے اس چیز کو حرام کرنے کی حکمت یہ ہے کہ غلام اپنی مالکہ کی خواہش شہوانی تو پوری کر سکتا ہے۔ لیکن اس کا قوام نہیں بن سکتا۔ لہٰذا ایسی عورت کے لئے بہتر یہی ہے کہ اگر وہ چاہے تو اسے آزاد کر کے اس سے نکاح کر لے۔

[۷] ۞ شہوانی خواہش کی تین ممکنہ صورتیں اور راہِ اعتدال:۔ شہوانی خواہشات کے سلسلہ میں تین ہی صورتیں ممکن تھیں۔ ایک یہ کہ انسان ایسی خواہشات کو کلیتاً ترک کر دے۔ دوسری یہ کہ ان خواہشات کی تکمیل میں انسان کلیتاً آزاد ہو اور تیسری یہ کہ کوئی معتدل روش اختیار کی جائے۔ اسلام نے ان میں سے معتدل روش کو اختیار کیا ہے۔

۞ جائز نکاح اور مِلک یمین کے علاوہ باقی سب صورتیں حرام ہیں:۔ یعنی ان خواہشات کی تکمیل کا راستہ کھول تو دیا۔ لیکن صرف جائز نکاح یا مِلک یمین کی صورت میں۔ باقی دونوں انتہا پسندانہ صورتوں کو ناجائز اور حرام قرار دیا ہے۔ نہ رہبانیت کی ترک خواہش کو پسند فرمایا اور نہ اس سلسلہ میں شتر بے مہار قسم کی آزادی کو۔ اس آیت میں اسی بے لگام آزادی کو ممنوع قرار دیا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

گیا ہے اور اس میں زنا، لواطت یا لونڈے بازی، عورتوں کی ہم جنسی، جلق یا مشت زنی غرضیکہ شہوت رانی کی جتنی بھی صورتیں مندرجہ بالا دو صورتوں کے علاوہ ممکن ہیں سب ناجائز قرار پاتی ہیں۔

واضح رہے کہ جائز نکاح سے مراد ایسا نکاح ہے جو عورت کو بسانے کے لئے کیا جائے۔ عورت کی رضا کو مقدم سمجھا جائے۔ عورت کا نکاح اس کا ولی کرے، نکاح کا اعلان ہو اور کم از کم دو گواہ موجود ہوں اور حق مہر مقرر کیا جائے۔ ان شرائط کو پورا نہ کرنے والا نکاح مثلاً نکاح متعہ، نکاح حلالہ یا نکاح شغار جائز نہیں۔ دور نبوی میں اور بھی کئی قسم کے نکاح رائج تھے۔ جو یہ شرائط پوری نہیں کرتے تھے۔ لہٰذا وہ از خود باطل قرار پا گئے۔ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگ چار طرح پر نکاح کیا کرتے تھے۔ ایک تو وہی معروف نکاح ہے۔ جیسے آج کل بھی لوگ کرتے ہیں یعنی کوئی شخص کسی دوسرے کو نکاح کے لئے کہتا اور وہ اپنی کسی رشتہ دار عورت (مثلاً بہن، بھتیجی، بھانجی وغیرہ) یا بیٹی کا مہر مقرر کر کے نکاح کر دیتا۔ (اسی قسم کے نکاح کو اسلام نے بحال رکھا ہے)

دوسری صورت یہ تھی کہ جب کسی کی بیوی حیض سے پاک ہو جاتی تو شوہر اپنی بیوی سے کہتا کہ تو فلاں شخص کو اپنے پاس بلا لے اور اس سے لپٹ جا۔ (یعنی اس سے ہمبستری کر) جب عورت اس مرد سے صحبت کر چکتی تو اس کا خاوند اس سے اس وقت تک علیحدہ رہتا جب تک کہ اس غیر مرد کا حمل نمایاں نہ ہو جاتا۔ اور جب حمل واضح ہو جاتا تو اس کے بعد اس کا خاوند اگر چاہتا تو اس سے صحبت کرتا۔ اور شوہر اپنی بیوی سے یہ کام اس لئے کراتا تھا کہ بچہ شریف اور عمدہ پیدا ہو (تاکہ وہ شوہر کی ناموری کا باعث ہو) ایسے نکاح کو نکاح استبضاع کہا کرتے تھے۔

نکاح کی تیسری صورت یہ تھی کہ ایک عورت کے شوہر کئی مرد ہوتے تھے لیکن یہ دس سے کم ہی ہوتے تھے۔ اور وہ سب اس عورت سے صحبت کیا کرتے۔ پھر جب اسے حمل قرار پا جاتا تو وہ وضع حمل کے چند دن بعد ان سب شوہروں کو بلا بھیجتی اور اس کی دعوت پر ان سب کو آنا پڑتا تھا۔ جب وہ اس کے ہاں اکٹھے ہو جاتے تو وہ ان سے کہتی۔ جو کچھ تم کرتے رہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ اب میرے ہاں جو بچہ پیدا ہوا ہے یہ تم میں سے فلاں کا بچہ ہے۔ اس معاملہ میں اس عورت کو پورا اختیار ہوتا کہ جس کا وہ چاہتی نام لے لیتی اور وہ بچہ اسی کا ہو جاتا اور کسی کو اس کے فیصلہ سے انکار کی مجال نہ ہوتی۔ (کیونکہ قومی رسم ہی یہی تھی)

اور چوتھی صورت یہ تھی کہ کسی عورت کے پاس بہت سے آدمی آتے جاتے رہتے اور وہ ہر ایک سے صحبت کرا لیتی کسی سے بھی انکار نہ کرتی اور وہ کنجریاں تھیں جن کے دروازے پر پہچان کے لئے جھنڈا لگا دیتے۔ اب جس شخص کا جی چاہتا وہ اس سے صحبت کر سکتا تھا پھر جب اسے حمل ٹھہر جاتا اور بچہ جنتی تو اس کے ہاں جانے والے سب مرد اس عورت کے ہاں اکٹھے ہو جاتے اور کسی قیافہ شناس کو اپنے پاس بلاتے۔ قیافہ شناس علم قیافہ کی رو سے جس مرد کو اس بچہ کا باپ بتاتا وہ بچہ اسی کا بیٹا ہو جاتا وہ اس کا باپ کہلاتا۔ اور قیافہ شناس کے فیصلہ سے کسی کو انکار کی مجال نہ ہوتی۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا تو آپ نے جاہلیت کے سب نکاح ختم کر دیئے۔ بس ایک ہی قسم کا نکاح باقی رکھا جو آج کل لوگ کرتے ہیں" (بخاری۔ کتاب النکاح۔ باب من قال لانکاح الا بولی۔۔۔۔۔)

۱۸] امانت کی قسمیں اور ان کی نگہداشت:۔ امانتوں سے مراد ہر وہ امانت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا معاشرہ کی طرف سے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ﴿١٠﴾ الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ

یہی لوگ ایسے وارث ہیں(۱۰) جو فردوس[۱۰] کے مالک ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔(۱۱) اور ہم نے انسان کو

یا کسی فرد کی طرف سے کسی شخص کے سپرد کی گئی ہو۔ خواہ یہ امانت منصب سے تعلق رکھتی ہو یا اقوال سے یا اموال سے۔ ان سب کی پوری پوری نگہداشت ضروری ہے۔ یہی صورت مال، عہد اور معاہدات کی ہے۔ خواہ کوئی عہد اللہ تعالیٰ سے کیا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ نے بندوں سے لیا ہو۔ خواہ یہ آپس کا قول و قرار ہو اور خواہ یہ معاہدہ بیع یا نکاح سے متعلق ہو۔ ان کو وفا کرنا ضروری ہے۔ امانت میں خیانت اور وعدہ خلافی دونوں ایسے جرم ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی علامتیں قرار دیا ہے جیسا کہ درج ذیل احادیث سے واضح ہے:

۱۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا": منافق کی تین نشانیاں ہیں۔ جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھیں تو خیانت کرے" (بخاری۔ کتاب الایمان۔ باب علامة المنافق)

۲۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس میں چار خصلتیں ہوں وہ پکا منافق ہے اور جس میں ان چاروں میں سے کوئی ایک خصلت ہو گی اس میں نفاق کی ایک خصلت ہو گی جب تک اسے چھوڑ نہ دے جب اس کے پاس امانت رکھیں تو خیانت کرے اور جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب عہد کرے تو بے وفائی کرے۔ اور جب جھگڑا کرے تو بکواس کرے یا ناحق کی طرف چلے" (بخاری۔ کتاب الایمان۔ باب علامة المنافق)

اب دیکھئے پہلی حدیث میں صرف تین علامتیں مذکور ہیں جن میں دو یہی ہیں جو اس آیت میں مذکور ہیں اور دوسری میں جو چار علامتیں مذکور ہیں ان میں سے بھی دو یہی باتیں ہیں۔

[۹] ایمان لا کر کامیاب ہونے والوں کی صفات کی ابتدا بھی نماز سے کی گئی اور اختتام بھی نماز پر ہوا۔ اس سے نماز کی دوسرے خصائل پر اہمیت اور فضیلت معلوم ہوئی۔ پہلی آیت میں نماز میں خشوع کا ذکر تھا۔ اور اس آخری آیت میں سب نمازوں کی حفاظت کا ذکر ہے۔ حفاظت سے مراد نمازوں کو مقررہ اوقات پر بروقت ادا کرنا اور ہمیشہ ادا کرنا۔ تسلی سے نماز ادا کرنا اس کے پورے ارکان بجا لانا یعنی جسم کا، کپڑوں کا اور جگہ کا پاک ہونا پھر وضو اور طہارت پوری طرح کرنا وغیرہ وغیرہ سب کچھ شامل ہے۔

[۱۰] ❁ جنت کا سب سے اعلیٰ مقام جنت الفردوس:۔ فردوس بمعنی سرسبز وادی (منجد) اور بمعنی رودبار میں واقع باغ جس میں ہر قسم کے پھل اور پھول موجود ہوں (منتہی الارب) گویا جنت الفردوس سے مراد جنت کا وہ حصہ ہے جس میں گھنی اور ٹھنڈی چھاؤں والے سرسبز درخت بکثرت ہوں۔ پھولوں کی خوشبو سے معطر ہو اور اس میں ہر قسم کے پھل باافراط ہوں۔ اور جنت الفردوس جنت کا سب سے بلند طبقہ اور عین وسط میں ہو گا۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہے:

سیدنا انس بن مالک کہتے ہیں کہ ربیع بنت نضر کا بیٹا حارثہ بن سراقہ بدر کے دن ایک غیبی تیر سے شہید ہو گیا۔ وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا

مٹی کے سَت[۱۱] سے پیدا کیا۔(۱۲) پھر ہم نے اسے ایک محفوظ مقام[۱۲] (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا۔(۱۳) پھر نطفہ کو لوتھڑا

آپ ﷺ کے پاس آ کر کہنے لگیں ”: مجھے حارثہ کا حال بتائیے اگر وہ خیر کو پہنچا تو میں ثواب کی امید رکھوں اور صبر کروں اور اگر نہیں پہنچا تو میں اس کے لئے دعا کرتی رہوں“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ام حارثہ! جنت میں بہت سے باغ ہیں اور تیرا بیٹا تو فردوسِ بریں میں داخل ہوا ہے جو جنت کے وسط میں بلند زمین اور سب سے بلند مقام ہے“ (ترمذی۔ ابواب التفسیر)

اسی جنت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو یہ دعا سکھائی: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ الْفِرْدَوْسَ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب اللہ سے سوال کرو تو جنت الفردوس کا سوال کیا کرو۔

(نیز جنت کی وراثت کے سلسلہ میں سورہ اعراف آیت نمبر ۴۳ کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیے)

مندرجہ بالا آیات کے نزول کے وقت مسلمانوں کی جو حالت تھی اور ان آیات کے نزول پر آپ ﷺ نے مسلمانوں کے حق میں جو دعا فرمائی۔ مندرجہ ذیل حدیث سے اس حالت کا پورا نقشہ سامنے آ جاتا ہے:

سیدنا عمرؓ کہتے ہیں کہ جب آپ ﷺ پر وحی اترتی تو آپ ﷺ کے چہرے کے آس پاس شہد کی مکھی کی گنگناہٹ جیسی آواز آنے لگتی تھی۔ ایک دن آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو تھوڑی ہی دیر بعد آپ ﷺ نے قبلہ کی طرف منہ کر کے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی: اے اللہ! ہمیں زیادہ کر، تھوڑے نہ رہنے دے، ہمیں عزت عطا فرما، ذلیل نہ رہنے دے ہمیں عطا کر اور محروم نہ رکھ، ہمیں دوسروں پر مقدم کر، دوسروں کو ہم پر مقدم نہ رکھ، ہمیں خوش کر دے اور ہم سے خوش ہو جا! اس دعا کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ: مجھ پر دس آیات نازل ہوئی ہیں جو ان پر عمل کرے گا، جنت میں داخل ہو گا۔ پھر آپ ﷺ نے ﴿قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ..........﴾ سے لے کر دس آیات پڑھیں۔ (ترمذی۔ کتاب التفسیر)

[۱۱] انسان کی پیدائش اور مٹی کے جوہر کا مفہوم:۔ سَلَالَةٌ بمعنی خلاصہ، نچوڑ، ست، جوہر، کسی بھی چیز سے نکالا ہوا کار آمد حصہ (مفردات القرآن) اور انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ سیدنا آدم علیہ السلام کا پتلا مٹی سے بنایا گیا۔ پہلے یہ خشک مٹی تھی۔ پھر اس میں پانی ملایا گیا تو یہ گارا بن گیا۔ پھر اس کا خمیر اٹھایا گیا جس میں بدبو پیدا ہو گئی۔ پھر اسے گوندھ کر اس کا چکدار اور لیسدار حصہ لیا گیا اور اسے خشک کر لیا گیا۔ پھر اسے حرارت پہنچائی گئی حتیٰ کہ وہ ٹن کی طرح بجنے لگا۔ جیسا کہ مٹی کے برتن اور ان کی مختلف شکلیں بنائی اور آگ میں پکائی جاتی ہیں۔ اور ان میں مٹی کا صرف چکدار اور کار آمد حصہ ہی استعمال ہوتا ہے۔ اسی مٹی سے آدم علیہ السلام کا پتلا تیار ہوا جس میں اللہ نے اپنی روح سے پھونکا تو جیتا جاگتا انسان وجود میں آ گیا۔ پھر آئندہ آدم کی نسل توالد و تناسل اور نطفہ سے چلی۔ اور دوسرا مطلب یہ ہے نطفہ بذات خود انسان کے جسم میں انہیں غذاؤں سے بنتا ہے جو زمین سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے نطفہ بھی بالآخر زمین ہی کا جوہر ہے۔

[۱۲] یعنی رحمِ مادر ایسا محفوظ مقام ہے جہاں نطفہ کو نشوونما کے لئے مناسب حرارت تو ملتی رہتی ہے لیکن شدید گرمی یا سردی وغیرہ کے اثرات سے بالکل محفوظ ہوتا ہے اور وہ وہاں سے ہل بھی نہیں سکتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ

بنایا پھر لوتھڑے کو بوٹی بنایا پھر بوٹی کو ہڈیاں بنایا پھر ہڈیوں پر گوشت [۱۳] چڑھایا، پھر ہم نے اسے ایک اور ہی [۱۴] مخلوق بنا کر پیدا کر دیا۔ پس بڑا بابرکت ہے، اللہ جو سب بنانے والوں سے [۱۵]

[۱۳] رحمِ مادر میں نطفہ کی نشوونما کے دوران جو مراحل پیش ہوتے ہیں۔ ان کی تشریح سورہ حج کی آیت نمبر ۵ کے تحت کی جا چکی ہے۔

[۱۴] ❁ انسان کی اندرونی کائنات:۔ یعنی نطفہ اور بے جان گوشت کے لوتھڑے سے ایک جیتا جاگتا عقل و شعور رکھنے والا انسان بنا کر پیدا کر دیا۔ جس کا ایک ایک عضو اور رگ و ریشہ کئی مقاصد کی تکمیل کر رہا ہے اور اس کا کوئی بھی حصہ بیکار پیدا نہیں کیا گیا۔ اب انسان کی اندرونی ساخت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کئی قسم کی آٹومیٹک کلوں اور مشینوں کا مجموعہ ہے کہیں چکی لگی ہے، کہیں چھلنی ہے، کہیں پیسنے کی کل، کہیں کوٹنے کی، کہیں توڑنے کی کہیں جذب کرنے والی کہیں فضلات کو باہر پھینکنے والی، کہیں اچھالنے والی اور کہیں اتارنے والی اور یہ خودکار مشینیں اس قدر مضبوط، مربوط اور منظم طریقے سے کام کر رہی ہیں جن کا مطالعہ کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی قدرتوں اور حکمتوں پر عش عش بھی کر اٹھتا ہے اور ورطۂ حیرت میں گم بھی ہو جاتا ہے۔ معدہ خالی ہو جائے تو از خود انسان کو بھوک اور پیاس لگتی ہے اور وہ کھانے پینے پر مجبور ہوتا ہے۔ اور جب غذا معدہ میں پہنچ جاتی ہے تو یہ سب خودکار مشینیں اپنا اپنا کام شروع کر دیتی ہیں۔ اگر ان میں سے کسی کل میں خرابی واقع ہو جائے تو انسان بیمار پڑ جاتا ہے اور اگر خرابی درست نہ ہو بلکہ بڑھ جائے تو انسان مر جاتا ہے۔

یہ تو تھا جسم کی اندرونی ساخت کا قصہ، اب اس کے قویٰ پر نظر دوڑایئے۔ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس میں زندگی کی ابتدائی خصوصیات کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا نہ سماعت، نہ بصارت، نہ گویائی، نہ چلنے یا بیٹھنے کی طاقت، نہ عقل و خرد، نہ کوئی اور خوبی۔ مگر وہ رحم مادر سے باہر آ کر کوئی اور ہی چیز بننا شروع ہو جاتا ہے۔ جس کو پیٹ والے جنین سے کوئی مناسبت نہیں ہوتی۔ تھوڑی ہی مدت میں وہ ایک سمیع و بصیر اور ناطق بچہ بن جاتا ہے۔

❁ انسان کا اور ہی چیز بن جانے کا مطلب:۔ اب وہ کچھ علم ماحول سے حاصل کرتا ہے اور کچھ اپنے ذاتی تجربہ اور مشاہدہ سے۔ ذرا اس میں عقل آتی ہے تو اس میں دوسروں سے مسابقت یا آگے نکل جانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کی یہ بیداری اور خودی اسے ہر اس چیز پر اپنا تحکم جتانے اور اپنا زور منوانے کی کوشش کرتی ہے۔ جس پر اس کا بس چل سکتا ہو اور اس کی یہی بیداری اور خودی اس میں "کوئی اور ہی چیز" ہونے کی کیفیت کو نمایاں تر اور افزوں تر کرتی چلی جاتی ہے۔ پھر وہ جوان اور پختہ عمر کا ہوتا ہے تو اس کی تمام قوتیں، طاقت اور قابلیتیں بھی بڑھتی جاتی ہیں اور ایک وقت آتا ہے جب اس میں "ہمچو ما دیگرے نیست" کا تصور پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات بعض انسان ایسے محیر العقول کارنامے بھی سرانجام دیتے ہیں جو عام انسانوں کی بساط سے باہر ہوتے ہیں۔

[۱۵] اب اگر انسان ذرا سا بھی غور کرے کہ کس طرح ایک حقیر پانی کی بوند سے اس کی زندگی کا آغاز ہوا۔ اور مختلف مراحل طے کرانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے کیا سے کیا بنا دیا۔ تو بے اختیار اس کی زبان سے یہ الفاظ نکل آتے ہیں کہ ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ

بہتر بنانے والا ہے۔(۱۴) پھر اس کے بعد تمہیں ضرور[۱۶] مرنا ہوگا۔(۱۵) پھر یقیناً تم قیامت کے دن[۱۷] دوبارہ اٹھائے جاؤ گے۔(۱۶) اور ہم نے تمہارے اوپر سات[۱۸] طبقے (آسمانوں کے)

اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کس قدر خیر و خوبی والی اور حکمتوں اور قدرتوں والی ہے جس نے انسانی تخلیق کا آغاز مٹی سے یا نطفہ سے کیا پھر مختلف مراحل طے کرا کر محیر العقول طریقوں سے اسے ایک باشعور اور صاحب ارادہ و اختیار انسان بنا دیا۔ واضح رہے کہ تبارک کا لفظ عموماً اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے اور ان خیر کے کاموں کے سلسلہ میں آتا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ سے مختص ہیں۔

[۱۶] یعنی تمہارا اس دنیا میں آنا بھی تمہارے اپنے اختیار سے نہ تھا بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق تھا اور اب اگر تم دنیا میں رہنا چاہو اور مرنے سے بچنے کی کوشش کرو تو یہ بات بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ اللہ کا قانون یہی ہے کہ تمہیں موت آ کے رہے گی اور یہاں سے تمہاری اخروی زندگی کا آغاز ہو جائے گا۔ جیسا کہ نطفہ سے تمہاری دنیوی زندگی کا آغاز ہوا تھا۔ بالفاظِ دیگر موت دنیوی زندگی اور اخروی زندگی کی سرحد پر واقع ہے۔

www.KitaboSunnat.com

[۱۷] ❁ موت سے اخروی زندگی کا آغاز کیسے؟ یعنی جس طرح نطفہ سے انسان بننے میں تمہارا اپنا کچھ بھی اختیار نہ تھا۔ اور اللہ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے مختلف مراحل طے کرا کر تمہیں پیدا بھی کیا اور ایک محیر العقول تخلیق بھی بنا دیا۔ اسی طرح موت کے بعد اسی جسم کے خلاصہ سے مختلف مراحل طے کرا کر تمہیں دوبارہ اسی طرح زندہ پیدا کر دے گا۔ جس طرح پہلی بار کیا تھا۔ چنانچہ سورہ انشقاق میں اللہ تعالیٰ نے کئی قسمیں کھانے کے بعد فرمایا: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ﴾ یعنی یہ مراحل تمہیں بہر حال طے کرنا ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی تخلیق کے مراحل کا تو ذکر کئی مقامات پر فرما دیا اس لئے وہ انسان کے مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں اور دوسری زندگی کے مراحل کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ نہ تو وہ انسان کے مشاہدہ میں آ سکتے ہیں اور نہ ہی انسان کی عقل ان مراحل کو سمجھ سکتی ہے۔

[۱۸] سابقہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے وہ دلیل بیان فرمائی جو انفس سے تعلق رکھتی ہے اور جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ ﴿فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ﴾ اب آفاق سے چند دلائل پیش کئے جا رہے ہیں۔

❁ کائنات کی تخلیق اور اس کی نگہداشت:۔ سبع طرائق سے بعض علماء نے سات آسمان یا سات طبقات مراد لئے ہیں۔ جیسے ارشاد باری ہے: ﴿اَلَمْ تَرَ كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا.....﴾ اور بعض نے ان سے مراد سات راستے ہی لئے ہیں۔ جو فرشتوں کی آسمانوں میں آمد و رفت کے راستے ہیں۔ اور آسمان چونکہ سات ہیں۔ اس لئے یہ راستے بھی سات ہیں۔ اور بعض علماء نے ان سے سات سیاروں کے راستے یا مدار مراد لئے ہیں۔ چونکہ نزول قرآن کے زمانہ میں بطلیموسی نظریہ ہیئت بھی درست سمجھا جاتا تھا اور اس نظریہ کے مطابق سات سیارے ہی محوِ گردش ہیں اور وہ چاند، زہرہ، عطارد، سورج، مشتری، مریخ اور زحل۔ لہٰذا قرآن نے لوگوں کے علم اور سمجھ کے مطابق سات ہی راستوں کا ذکر فرمایا۔ اگرچہ اس سے زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ

پیدا کئے ہیں اور ہم اپنی مخلوق [۱۹] سے غافل نہیں۔ (۱۷) نیز ہم نے آسمان سے ایک خاص مقدار [۲۰] میں پانی اتارا جسے ہم نے زمین میں ٹھہرا دیا

اور فَوْقَكُمْ یعنی تمہارے اوپر کے ایک معنی تو وہی ہیں جو عام فہم ہیں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ آسمانوں کی یا سیاروں اور ان کے مداروں کی تخلیق تمہاری تخلیق سے بہت بلند تر اور بڑی چیز ہے۔ اور اس مطلب کی تائید بھی قرآن کریم کی اس آیت سے ہو جاتی ہے۔ ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ (۴۰:۵۷)

[۱۹] یعنی ہم اپنی مخلوق کو پیدا کرنے کے بعد اس کی مستقل نگہداشت بھی کرتے رہتے ہیں کیونکہ جس چیز سے بھی کام لیا جائے وہ کسی نہ کسی وقت بگڑ بھی جاتی ہے اس کی چال اور اس کے کام میں فرق آجاتا ہے اور اگر بروقت اس کی نگہداشت نہ کی جائے تو وہ خراب اور تباہ بھی ہو جاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ کائنات کا نظام انتہا مربوط و منظم ہے کہ اس میں نہ ذرہ بھر فرق آتا ہے اور نہ کہیں ٹکراؤ پیدا ہوتا ہے جو اس بات کی قوی دلیل ہے کہ اس کائنات کا کوئی ایسا منتظم موجود ہے جو اپنی اس عظیم الجثہ مخلوق کی ہمہ وقت کڑی نگہداشت کر رہا ہے۔

[۲۰] ❁ پانی کی کل مقدار جو اللہ نے آسمان سے اتاری:۔ سوال یہ ہے کہ یہ ایک خاص مقدار میں پانی اللہ تعالیٰ نے کب اتارا تھا؟ اس کا ایک جواب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی تو اس وقت ہی ایک خاص اور کثیر مقدار میں پانی اتار دیا تھا۔ اتنا کثیر مقدار میں جو قیامت تک زمین پر پیدا ہونے والی مخلوق، خواہ وہ کسی نوع سے تعلق رکھتی ہو، کی ضروریات کے لئے کافی ہو۔ اس کثیر مقدار کے ایک کثیر حصہ نے زمین کی تین چوتھائی سطح کو سمندروں کی شکل میں تبدیل کر رکھا ہے۔ پھر اس کثیر مقدار کا کثیر حصہ زمین کی سطح کے نیچے چلا گیا جیسے زمین کے نیچے بھی پانی کے دریا بہہ رہے ہیں اور سطح زمین کا کثیر حصہ ایسا ہے کہ جہاں سے کھودیں نیچے سے پانی نکل آتا ہے۔ جسے انسان نکال کر اپنے استعمال میں لاتا ہے اور کبھی زمین سے از خود چشمے ابل پڑتے ہیں۔ پھر اپنی مخلوق کی ضروریات کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ قائم فرمایا کہ سورج کی گرمی سے سمندر سے آبی بخارات اوپر اٹھتے ہیں جو کسی سرد طبقہ میں پہنچ کر بادلوں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں اور مزید سردی سے زمین پر برسنے لگتے ہیں۔ اس بارش کے پانی سے زمین کی تمام نباتات سیراب ہوتی ہے۔ جاندار بھی اپنی ضرورتیں پوری کرتے ہیں۔ پھر اس بارش کا کچھ حصہ زمین میں جذب ہو جاتا ہے اور باقی حصہ ندی نالوں اور دریاؤں کی شکل میں پھر سمندروں میں جا گرتا ہے۔ اور جو پانی مخلوق استعمال کرتی ہے وہ بھی بالآخر یا تو پانی کی شکل میں زمین میں چلا جاتا ہے یا بخارات بن کر ہوا میں مل جاتا ہے۔ ان تصریحات سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کی جتنی مقدار زمین پر نازل فرمائی تھی۔ اس مقدار میں نہ کچھ اضافہ ہوا ہے اور نہ ہی کمی واقع ہوئی ہے۔ البتہ اس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ضروریات کی تکمیل کا ایک مستقل اور دائمی انتظام مہیا فرما دیا ہے۔

❁ نیچریت اور دہریت کا رد:۔ اس سلسلہ میں حیران کن امر یہ ہے کہ پانی بذات خود ایک مرکب چیز ہے جو دو حصے ہائیڈروجن گیس اور ایک حصہ آکسیجن سے مل کر بنتا ہے (H_2O)۔ ہائیڈروجن گیس ایک آتش گیر اور فوراً بھڑک اٹھنے والی گیس ہے اور آکسیجن وہ گیس ہے جو جلانے میں مدد دیتی ہے۔ گویا ان آتشیں خاصیت والے مادوں سے اللہ تعالیٰ نے وہ چیز پیدا کی جو آگ کو بجھا دیتی ہے اور پھر اسی کو کیمیاوی عمل کے ذریعہ پھاڑ کر انہیں گیسوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ اور دوسری حیران کن بات یہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فِي الْأَرْضِ ۖ وَإِنَّا عَلَىٰ ذَهَابٍ بِهِ لَقَادِرُونَ ﴿١٨﴾ فَأَنشَأْنَا لَكُم بِهِ جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ
لَّكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿١٩﴾ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِن طُورِ سَيْنَاءَ تَنبُتُ بِالدُّهْنِ وَ
صِبْغٍ لِّلْآكِلِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهَا وَلَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ كَثِيرَةٌ

اور بلاشبہ ہم اس کو لے جانے[۲۱] پر بھی قادر ہیں۔(۱۸) پھر ہم نے اس پانی سے کھجوروں اور انگوروں کے باغ پیدا کئے ہیں جن سے تمہیں بہت سے پھل حاصل ہوتے ہیں اور انہیں[۲۲] تم کھاتے ہو۔(۱۹)

اور (اسی پانی سے) طورِ سیناسے ایک درخت اگتا[۲۳] ہے جو روغن لئے اگتا ہے اور کھانے والوں کو سالن کا کام دیتا ہے۔(۲۰) نیز تمہارے لئے چوپایوں میں بھی عبرت کا سامان ہے، جو کچھ ان کے بطنوں میں ہوتا ہے اس میں سے ایک چیز (دودھ) ہم تمہیں پلاتے[۲۴] ہیں اور ان سے تمہیں اور بھی بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں اور

ہے کہ ہائیڈروجن گیس اور آکسیجن گیس آج بھی وافر مقدار میں فضا میں موجود ہے اگر وہ از خود زمین کی پیدائش کے وقت مل کر پانی بن گئیں تھیں تو آج بھی مل کر پانی کی مقدار میں اضافہ کیوں نہیں کر دیتیں؟ نیچری اور دہریہ حضرات کے لئے یہ ایک بہت اہم لمحہ فکریہ ہے۔ ہمارے پاس تو اس کا واضح جواب موجود ہے کہ جتنا پانی بنانا اللہ کو منظور اور اس کے اندازہ کے موافق تھا اتنا بن گیا۔ ان گیسوں میں از خود یہ قدرت نہیں ہے کہ مل کر پانی بن جائیں۔

اور اس جملہ کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنی مخلوق کی ضروریات کے مطابق آسمان سے بوقت ضرورت پانی برساتے ہیں۔ نہ اتنا زیادہ کہ مخلوق ڈوب کر مر جائے اور نہ اتنا کم کہ مخلوق قحط میں مبتلا ہو کر مر جائے۔ اِلا یہ کہ وہ عذابِ الٰہی ہی کی شکل ہو۔

[۲۱] پانی کے زمین دوز ذخیروں کو اتنی گہرائی تک لے جائیں کہ اسے نکالنا انسانوں کی بساط سے باہر ہو جائے۔ یا ان ذخیروں کو کڑوا کسیلا بنا دیں جو قابل استعمال ہی نہ رہیں۔

[۲۲] صرف یہی نہیں کہ ان باغوں سے تمہیں بہت سے پھل وغیرہ کھانے کو ملتے ہیں۔ بلکہ یہ باغ تمہارے لئے ذریعہ آمدنی اور ذریعہ معاش بھی ہیں۔

[۲۳] ۞ زیتون کا درخت اور اس کے فوائد:۔ اس درخت سے مراد زیتون کا درخت ہے۔ شام و فلسطین اس درخت کا اصلی وطن ہے۔ اور طور سیناکا ذکر اس لئے کیا گیا کہ یہ اس علاقہ کا مشہور مقام ہے۔ اس درخت کی عمر، اس کا قد و قامت اور پھیلاؤ بہت زیادہ ہوتا ہے ہے۔ جیسے ہمارے ہاں برگد کا درخت ہوتا ہے۔ جس کے زیادہ پھیلاؤ کی وجہ سے اس کی کئی شاخیں واپس زمین تک آکر اس کا سہارا بنتی ہیں۔ زیتون کے درخت سے تیل وافر مقدار میں حاصل ہوتا ہے۔ یہیں سے یہ تیل دنیا کے اکثر مقامات پر جاتا ہے۔ طبی لحاظ سے یہ تیل بہت مفید چیز ہے۔ اور بہت سے لوگ اس کے پھل کا اچار ڈالتے ہیں۔ اس کے تیل کو سالن کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ اور سالن میں گھی کی جگہ بھی استعمال کرتے ہیں اس کی عام افادیت کے پیش نظر ہی اللہ تعالیٰ نے سورہ "التین" میں زیتون کی قسم بھی کھائی ہے۔

[۲۴] ۞ دودھ کیسے اور کب بنتا ہے؟ چوپایوں میں عبرت یا حیران کن بات یہ ہے کہ گھاس پھوس کھانے والے اور چرنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ ﴿٢١﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُونَ ﴿٢٢﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَقَالَ يَا قَوْمِ
اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٢٣﴾ فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ مَا هَٰذَا

ان میں سے بعض کو تم کھاتے بھی [۲۵] ہو۔(۲۱) نیز ان پر اور کشتیوں پر سوار بھی ہوا کرتے ہو۔(۲۲) ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو جس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔ کیا تم [۲۶] ڈرتے نہیں؟"(۲۳) اس کی قوم کے جن سرداروں نے ماننے سے انکار کیا تھا، کہنے لگے: "یہ تو تمہارے ہی جیسا [۲۷]

والے مویشی (مادائوں) کے جسم میں جب غذا جاتی ہے تو اس سے خون اور فضلہ یا گوبر کے علاوہ ایک تیسری چیز بھی بنتی ہے جو اوصاف میں ان دونوں چیزوں سے یکسر مختلف ہوتی ہے۔ خون اور گوبر دونوں نجس اور حرام چیزیں ہیں۔ جبکہ دودھ نہایت پاکیزہ، حلال، طیب، انتہائی سفید رنگ، مزہ میں شیریں اور پینے میں خوشگوار ہوتا ہے اور مکمل غذا کا کام دیتا ہے۔ اس سے بھوک بھی دور ہو جاتی ہے اور پیاس بھی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کا محیر العقول کارنامہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مادائوں کے جسم میں ایسی مشینری فٹ کر دی ہے جو گھاس پھونس سی چیز کو ایک نہایت اعلیٰ اور قیمتی چیز میں تبدیل کر دیتی ہے اور اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ ہے کہ یہ مشینری صرف اس وقت حرکت میں آتی ہے جب حمل قرار پا جائے اور اس کا نتیجہ فوری طور پر نہیں نکلتا بلکہ بچہ کے وضع ہونے کے وقت تک یہ مشینری خون کو دودھ میں تبدیل کر دینے کے قابل بن جاتی ہے ادھر بچہ پیدا ہوتا ہے تو ادھر ماں کے پستان دودھ سے بھر جاتے ہیں اور بچہ پیدا ہوتے ہی جب ماں کے پستانوں کی طرف لپکتا ہے تو اسے فوراً یہ قدرتی غذا مہیا ہو جاتی ہے جبکہ وہ کوئی اور غذا کھانے کے قابل ہی نہیں ہوتا۔ اور اگر ماں کو حمل قرار نہ پائے تو اس بات کے باوجود کہ دودھ بنانے والی یہی گوشت پوست اور رگ ریشہ پر مشتمل یہ مشینری اس کے اندر موجود ہے۔ کبھی اپنا کام نہ کرے گی اور نہ دودھ بنے گا نہ پستانوں میں اترے گا۔

[۲۵] ❁ مویشیوں کے فوائد:۔ مویشیوں کی ایک ایک چیز انسان کے کام کی چیز ہے۔ ان کی کھال، ان کے بال، ان کی ہڈیاں، غرضیکہ ہر چیز سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے۔ زندہ ہوں تو ان پر سواری بھی کرتا ہے اور یہ کھیتی باڑی اور بار برداری کے کام بھی آتے ہیں۔ پھر ان کا گوشت انسان بطور خوراک بھی استعمال کرتا ہے اور دودھ جو ان سے حاصل ہوتا ہے وہ ان سب فوائد سے بڑھ کر ہے۔

[۲۶] سیدنا نوح علیہ السلام کے واقعات پہلے سورہ اعراف حاشیہ نمبر ۶۱ تا ۶۴، سورہ یونس حاشیہ نمبر ۸۴، اور سورہ ہود حاشیہ نمبر ۳۴ تا ۵۳ میں گزر چکے ہیں۔ وہ بھی پیش نظر رکھے جائیں۔

[۲۷] ❁ رسول کا بشر ہونا کیوں ضروری ہے:۔ تمام انبیاء اور رسل ہمیشہ بشر ہی ہوتے تھے۔ اور انسانوں کے لئے رسول بھی کوئی بشر ہی ہونا چاہئے جو انہی میں سے ہو تاکہ جب وہ انہیں اپنی زبان میں اللہ کا پیغام پہنچائیں تو وہ اسے سمجھ سکیں۔ نیز رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہی نہیں ہوتا۔ ان احکام پر سب سے پہلے خود عمل پیرا ہو کر عملی نمونہ دکھانا بھی ہوتا ہے۔ اب اگر رسول انسان کے بجائے فرشتہ ہو یا نوری مخلوق ہو یا کسی اور اعلیٰ جنس سے ہو۔ تو اس پر ایمان لانے والے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم لوگ انسان ہو کر ایک فرشتہ یا کسی بالاتر جنس والی ہستی کی اقتدا کیسے کر سکتے ہیں۔ یہی وہ مصلحتیں ہیں جن کی بنا پر رسول کا بشر ہونا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيدُ أَن يَتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً ۖ مَّا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا

انسان ہے جو چاہتا ہے کہ تم پر برتری[۲۸] حاصل کرے اور اگر اللہ چاہتا تو فرشتے نازل کرتا۔ یہ بات تو ہم نے اپنے آباء واجداد

ضروری ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کسی بشر ہی کو نبی اور رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور قرآن کریم میں ان باتوں کی بہت سے مقامات پر وضاحت موجود ہے۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ کی زبان سے کئی بار اپنی بشریت کا اقرار کرایا ہے۔ حتیٰ کہ اس حقیقت کو اس کلمہ کا لازمی جز بنا دیا جس کے اقرار پر کوئی شخص اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

❁ نور و بشر کی بحث:۔ لیکن گمراہ لوگوں کی گمراہیوں میں سے ایک یہ گمراہی بھی بطور قدر مشترک رہی ہے۔ بشریت اور رسالت دونوں صفات اکٹھی نہیں ہو سکتیں انبیاء کی تکذیب کرنے والوں نے سب سے پہلے بطور طعنہ انبیاء سے یہی بات کہی کہ تم تو ہم جیسے بشر ہو تم رسول بن کیسے سکتے ہو؟ یہ ایک طرح کی گمراہی تھی اور دوسری طرح کی گمراہی انبیاء کے عقیدت مندوں میں پیدا ہوتی ہے۔ جو غلو کی راہ اختیار کر کے دوسری انتہاء کو پہنچتے ہیں۔ ان کا نظریہ بھی یہی ہوتا ہے کہ نبوت یا رسالت اور بشریت ایک ہی شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ فرق یہ پڑ جاتا ہے کہ وہ رسالت کا تو اقرار کرتے ہیں مگر بشریت سے انکار کر دیتے ہیں۔ دور کیوں جایئے ہم مسلمانوں میں ایک ایسا طبقہ موجود ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہنے والوں کو "گستاخانِ رسول" کا طعنہ دیتا ہے۔ چنانچہ ان کا یہ زبان زد نعرہ "بشر عرش توں پار جا کوئی نہیں سکدا" ان کے اسی نظریہ کی ترجمانی کرتا ہے یہ لوگ آپ ﷺ کو بشر کے بجائے نور ثابت کرتے ہیں اور بشریت سے انکار کرتے ہیں اور یہ بحث پہلے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۵ کے حاشیہ نمبر ۴۲ کے تحت گزر چکی ہے۔

[۲۸] دنیاداروں کا ہمیشہ سے یہ نظریہ رہا ہے کہ جو شخص بھی کسی اصلاحی دعوت کے کام کا آغاز کرتا ہے تو انہیں فوراً یہ خیال آتا ہے کہ یہ شخص اپنی چودھراہٹ قائم کرنے اور اپنا جھنڈا بلند کرنے کے لئے یہ کام کر رہا ہے۔ اور وہ اپنے اس نظریہ میں اس حد تک حق بجانب بھی ہوتے ہیں کہ وہ خود چونکہ اسی غرض کے لئے اپنی زندگیاں اور اپنی تمام تر کوششیں کھپا دیتے ہیں۔ لہٰذا وہ ہر شخص کو اسی نظر سے دیکھتے ہیں قوم نوح نے نوح علیہ السلام کو یہ طعنہ دیا۔ فرعون نے سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو یہی بات کہی کہ "موسیٰ اس ملک پر قابض ہونا چاہتا ہے" اور آپ ﷺ کی قوم نے آپ ﷺ کے متعلق یہی نظریہ قائم کیا اور آپ ﷺ سے کہا کہ اگر تم مال و دولت چاہتے تو جتنا چاہو حاضر ہے۔ اقتدار چاہتے ہو تو ہم تمہیں اپنا قائد تسلیم کر لیتے ہیں اور کسی حسین عورت سے شادی کرنا چاہتے ہو تو یہ کام بھی ہم کئے دیتے ہیں۔ بشرطیکہ ہماری مخالفت اور ہمارے معبودوں کی مذمت سے باز آجاؤ اور ہم سے سمجھوتہ کر لو"

❁ انبیاء اور دوسرے لوگوں کے حصولِ اقتدار میں فرق:۔ پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ انبیاء کو بھی بالآخر اللہ کی مدد سے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر ان دونوں کے اقتدار کے حصول میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ ایک دنیادار کا مقصود ہی اقتدار کا حصول ہوتا ہے۔ جبکہ ایک نبی کا اصل مقصود احکامِ الٰہیہ کا نفاذ ہوتا ہے اور اس کے لئے وہ اقتدار کو محض ایک ذریعہ بناتا ہے۔ اس فرق کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک آدمی قتل ناحق کرتا ہے تو یہ سراسر فساد ہے اور ایک جج اس قاتل کو قصاص میں قتل کی سزا دیتا ہے تو یہ سراسر عدل اور رحمت اور فساد کی روک تھام ہے۔ جبکہ نفس قتل کے لحاظ دونوں واقعات ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾
فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ
فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا
تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ

کے وقتوں میں[۲۹] کبھی سنی ہی نہیں۔(۲۴) وہ تو ایک ایسا آدمی ہے جسے[۳۰] جنون ہو گیا ہے لہٰذا کچھ مدت اور انتظار کرو (شاید وہ ٹھیک ہو جائے)(۲۵) نوح نے دعا کی: "اے میرے پروردگار! ان لوگوں نے جو مجھے جھٹلایا ہے تو اس پر تو میری[۳۱] مدد فرما"(۲۶) تب ہم نے اس (نوح) کی طرف وحی کی کہ ہماری نگرانی میں اور ہماری ہدایات کے مطابق ایک کشتی بناؤ۔ پھر جب (عذاب کے لئے) ہمارا حکم آجائے اور تنور ابلنے لگے تو ہر قسم کے جوڑے سے دو (نر اور مادہ) اس کشتی میں بٹھا لینا اور اپنے گھر والوں کو بھی سوائے ان کے جن کے خلاف پہلے فیصلہ صادر ہو چکا ہے۔ اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے ان کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرنا کیونکہ وہ غرق ہو کے ہی رہیں گے۔(۲۷) پھر جب تم اور جو تمہارے ہمراہ ہوں کشتی میں[۳۲] جم کر بیٹھ جاؤ تو

[۲۹] یہ بات کہ "رسول بشر ہی ہوتا ہے" یا یہ کہ ایک اکیلے اللہ ہی ساری کائنات کی فرمانروائی اور حاجت روائی کے لئے بہت کافی ہیں اور دوسرے سب معبود لغو اور باطل ہیں"

[۳۰] قومِ نوح کی نظروں میں سیدنا نوح علیہ السلام کی دیوانگی یہ تھی کہ ساری قوم کے نظریہ کے خلاف خالص توحید کی طرف دعوت دے رہے تھے۔ اور وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ نوح علیہ السلام کا (نعوذ باللہ) ایک بیہودہ سا خیال ہے۔ بھلا ساری قوم کے مقابلہ میں اس اکیلے کی پکار کی کیا حقیقت ہے۔ لہٰذا اس کی طرف توجہ کی چنداں ضرورت نہیں۔ وہ خود ہی جب اپنی ناکامی دیکھے گا تو اپنی ایسی باتوں سے باز آجائے گا۔

[۳۱] سیدنا نوح علیہ السلام کا زمانہ تبلیغ غالباً تمام انبیاء سے زیادہ ہے جو قرآن کی صراحت کے مطابق ساڑھے نو سو سال ہے۔ اس طویل عرصہ میں آپ اپنی قوم سے ناروا باتیں اور طعنے وغیرہ سنتے اور برداشت کرتے رہے۔ اتنی طویل مدت میں بہت ہی کم لوگ ایمان لائے۔ دوسروں کا کیا ذکر آپ کی بیوی اور ایک بیٹا بھی آپ کے مقابلہ میں کافروں کا ساتھ دے رہے تھے۔ سیدنا نوح علیہ السلام کو یہ یقین ہو گیا کہ اب جو کافر موجود ہیں وہ اس قدر ضدی اور ہٹ دھرم واقع ہوئے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی دعوت حق کو قبول کرنے کو تیار نہیں ہوگا۔ بس یہ لوگ صرف سیدنا نوح علیہ السلام کی اذیت اور ذہنی کوفت کا باعث بن رہے تھے۔ جب ان کافروں نے آپ کو اذیت دینے میں انتہا کر دی تو اس وقت آپ نے دعا کی کہ یا اللہ! یہ قوم مجھ پر غالب آگئی ہے اب تو ہی میری مدد فرما اور ان سے اس ظلم کا بدلہ لے جو انہوں نے اتنی طویل مدت مجھ پر ڈھایا ہے۔

[۳۲] یہ واقعات اور ان کی تفصیل سورہ ہود کے حواشی نمبر ۳۴ سے ۵۳ تک تفصیل سے گزر چکے ہیں۔ لہٰذا ان کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ
الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾
فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ ع ۲

کہنا: "سب تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے ہمیں ظالم لوگوں سے [۳۳] نجات دی۔(۲۸) اور (یہ بھی) کہنا کہ: "میرے پروردگار! مجھے برکت والی جگہ اتارنا اور تو سب سے بہتر اتارنے والا [۳۴] ہے۔"(۲۹) اس واقعہ میں کئی نشانیاں ہیں اور آزمائش تو ہم کر کے ہی [۳۵] رہتے ہیں۔(۳۰) پھر ان کے بعد ہم نے ایک اور نسل کو پیدا کیا۔(۳۱) تو ان کی طرف انہیں میں سے [۳۶] ایک رسول بھیجا، (جس نے انہیں کہا کہ) اس اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں۔ کیا تم ڈرتے نہیں؟ [۳۷](۳۲) اور اس کی قوم کے جن سرداروں نے (اس دعوت کو

[۳۳] یہ قوم اتنی بدبخت تھی جس کی غرقابی پر سیدنا نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور بجائے افسوس کے خوشی کا اظہار کیا۔ یہ قوم فی الواقع "خس کم جہاں پاک" کا مصداق تھی۔ جبکہ سیدنا نوح علیہ السلام نے اپنی دعا میں واضح طور پر یہ الفاظ کہے تھے: یا اللہ! اس قوم میں سے ایک گھرانہ بھی زندہ نہ رہنے دے کیونکہ ان کے ہاں جو بچے پیدا ہوں گے وہ بھی فاسق و فاجر ہی پیدا ہوں گے اور کبھی حق کو قبول نہ کریں گے" (۷۱: ۲۶، ۲۷)

[۳۴] یہ بھی اس دعا کا حصہ ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے سیدنا نوح علیہ السلام کو کشتی میں سوار ہوتے وقت سکھائی تھی۔ اس دعاء میں ﴿اَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ﴾ کا ایک معنی تو ترجمہ سے واضح ہے اور اس کا دوسرا معنی یہ ہے کہ "تو بہت اچھا مہمان نواز ہے یا بہت اچھا میزبان ہے" جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا: "کیا تم دیکھتے نہیں کہ میں ماپ میں بھی پورا دیتا ہوں اور مہمان نواز بھی بہت اچھا ہوں" (۱۲: ۵۹) مطلب یہ کہ مجھے بابرکت جگہ پر کشتی سے اتارنا اور اترنے کے بعد ہمیں وافر رزق بھی مہیا فرمانا"

[۳۵] سیدنا نوح علیہ السلام کے قصہ میں کئی ایسی باتیں ہیں جن سے ایک غور کرنے والا انسان سبق حاصل کر سکتا ہے۔ اور جب ہم کوئی نبی بھیجتے ہیں تو اس وقت قوم کا امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ نبی اور اس کے پیروکاروں کا بھی کہ وہ کس حد تک صبر و ثبات سے کام لیتے ہیں اور جھٹلانے والوں کا بھی کہ وہ کس حد تک سرکشی اختیار کرتے ہیں۔ پھر جو اس امتحان میں کامیاب ہوں انہیں انعامات سے نوازتے بھی ہیں اور ان کی مدد بھی کرتے ہیں اور معاندین کو قرار واقعی سزا بھی دیتے ہیں۔ پھر یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بعد میں آنے والی قوم میں سے کون ان نشانیوں کو دیکھ کر عبرت و نصیحت حاصل کرتا ہے اور کون نہیں کرتا؟"

[۳۶] یہ اور نسل یا اور قوم عاد یا عاد اولیٰ تھی۔ جیسا کہ قرآن کریم کے بعض دوسرے مقامات میں سیدنا نوح علیہ السلام کے بعد اسی قوم کا ذکر ہوا ہے۔ اور ان کی طرف سیدنا ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا۔

[۳۷] یعنی اللہ کے ساتھ دوسرے شریک بنانے کے برے انجام سے تمہیں خطرہ پیدا نہیں ہوتا کہ کہیں ہم پر قہر الٰہی نازل نہ ہو جائے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ
يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا
لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ
لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا

ماننے سے) انکار کیا اور آخرت کی ملاقات کو[۳۸] جھٹلایا اور جنہیں ہم نے دنیا کی زندگی میں عیش و آرام دے رکھا تھا، وہ کہنے لگے: "یہ تو تمہارے ہی جیسا ایک انسان ہے، وہی کچھ کھاتا ہے[۳۹] جو تم کھاتے ہو اور پیتا بھی وہی کچھ ہے جو تم پیتے ہو۔(۳۳) اور اگر تم نے اپنے ہی جیسے ایک آدمی کی اطاعت کر لی تو پھر تو تم خسارے[۴۰] میں ہی رہے۔(۳۴) کیا تمہیں وہ یہ کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں بن جاؤ گے تو تم (دوبارہ) اٹھائے جاؤ گے(۳۵) یہ بات تو بعید از عقل اور بعید از قیاس ہے جس کا تمہیں وعدہ دیا جا رہا ہے۔(۳۶) زندگی تو بس یہی دنیا کی زندگی ہے، ہم مرتے ہیں اور جیتے (پیدا ہوتے) ہیں اور ہم ہرگز اٹھائے[۴۱] نہیں جائیں گے۔(۳۷)

[۳۸] انبیاء کی دعوت کی زد چونکہ چودھری قسم کے لوگوں پر ہی پڑتی ہے اور انہیں اپنی سرداریاں خطرہ میں پڑتی نظر آتی ہیں۔ اس لئے انبیاء کے اولین مخالف یہی لوگ ہوتے ہیں۔ اور عام لوگوں میں چونکہ انہیں کا اثر و رسوخ ہوتا ہے۔ لہٰذا انبیاء کی دعوت کے مقابلہ میں انہیں عوام سے سر کھپانا پڑتا ہے۔ تاکہ وہ انبیاء کی دعوت قبول کر کے ان کے دائرہ اثر سے باہر نہ ہو جائیں۔ مشرکین مکہ کی طرح قوم عاد بھی اخروی زندگی کی منکر تھی۔ اور مال و دولت کی فراوانی اور آسودگی کی زندگی نے ان سرداروں کو بالکل خدا فراموش بنا رکھا تھا۔ اور ان کا منتہائے مقصود صرف دنیا کا مال و دولت اور اس کا حصول تھا۔

[۳۹] نبی کی دعوت کے مقابلہ میں جس بات کی دعوت وہ عوام الناس کو دے سکتے تھے وہ یہی تھی کہ آخر اس نبی میں کیا خوبی ہے کہ تم اس کی اطاعت کرو وہ بھی تمہارے ہی جیسا انسان اور کھانے پینے کا محتاج ہے۔

[۴۰] ❁ دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آ جاتا ہے اور اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا:۔ حالانکہ وہ خود بھی ایک عام انسان ہی تھے۔ اور عام لوگوں کی طرح کھاتے پیتے تھے۔ اس کے باوجود وہ عوام کے مطاع بنے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ عوام ان کی اطاعت کریں۔ ان کا یہ پروپیگنڈا اس لئے نہ تھا کہ انسان مطاع نہیں بن سکتا۔ بلکہ صرف اس لئے تھا کہ کہیں لوگ نبی کی دعوت قبول کر کے ہماری اطاعت کو ترک کر کے اس کی اطاعت نہ کرنے لگ جائیں۔ گویا اصل خطرہ انہیں اپنی سرداریوں کا تھا اور ان کے لئے تو یہ واقعی خسارہ کی بات تھی۔ لیکن لوگوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ نبی کی اطاعت کر کے تم خسارہ میں رہو گے۔ گویا بشر ہونے کے باوجود ان کی اپنی اطاعت میں خسارے کی بات ان کے نزدیک خارج از بحث تھی۔

[۴۱] ❁ آخرت کا انکار جہالت اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے:۔ آخرت سے انکار کرنے والوں کے پاس سب سے بڑی دلیل یہ ہوتی ہے کہ چونکہ کوئی بھی مرا ہوا انسان آج تک دوبارہ زندہ ہو کر واپس نہیں آیا۔ لہٰذا ہم کیسے مان لیں کہ مرنے اور مر کر مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ اٹھائے جائیں گے؟ گویا ان کے انکار کی اصل بنیاد ان کا اپنا تجربہ یا مشاہدہ ہوتا ہے۔ قوم عاد مشرکین

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَجُلٌ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

یہ ایک ایسا آدمی ہے جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے[۴۲] اور ہم کبھی اس کی بات نہیں مانیں گے (۳۸) اس رسول نے دعا کی کہ: "پروردگار! ان لوگوں نے جو مجھے جھٹلایا ہے تو اس پر میری مدد فرما" (۳۹) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تھوڑے ہی عرصہ بعد یہ (اپنے کئے پر) پچھتانے لگیں[۴۳] گے۔ (۴۰) چنانچہ ٹھیک حق کے[۴۴] مطابق ایک ہیبت ناک چیخ نے انہیں آلیا تو ہم نے انہیں خس وخاشاک[۴۵] بنا کے رکھ دیا۔ سو ظالم لوگوں کے لئے پھٹکار ہی پھٹکار ہے۔ (۴۱)

مکہ کی طرح اللہ کی ہستی کے قائل تھے حالانکہ اللہ کی ہستی بھی کسی تجربہ اور مشاہدہ میں نہیں آتی۔ اور اللہ کی ہستی کے قائل ہونے کی وجہ بھی یہ نہیں ہوتی کہ وہ کسی پیغمبر کی تعلیم سے متاثر ہو کر اللہ پر ایمان بالغیب لاتے ہیں۔ بلکہ اس لئے فلاسفروں اور حکماء نے اللہ کی ہستی کو علت العلل (First Cause) کے طور پر تسلیم کیا ہے یعنی جس طرح ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ ہر چیز کے لئے صانع یا اس کے بنانے والے کا ہونا ضروری ہے اسی طرح اس کارخانہ کائنات کا بنانے والا ہونا بھی ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر اللہ کی ہستی کو عقلی دلیل کی بنا پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عقلی دلیل کی بنا پر بھی ایسی اشیاء کو تسلیم کرنا ضروری ہے جو مشاہدہ اور تجربہ میں نہ آئی ہوں یا نہ آسکتی ہوں۔ اور دوبارہ زندگی کے قیام پر چونکہ بہت سے عقلی دلائل موجود ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں بھی بے شمار مقامات پر ہوا ہے۔ لہٰذا جو لوگ آخرت اور دوبارہ زندگی کا انکار محض اس بنا پر کرتے ہیں کہ کوئی آدمی مر کر واپس نہیں آیا یا انسان کا جسم مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتا ہے تو پھر کیسے زندہ ہو سکتا ہے، تو یہ عقلی دلائل کا انکار اور محض جہالت ہے۔

[۴۲] اسی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم عاد اللہ تعالیٰ کی ہستی کی قائل تھی۔ اور ان کے نزدیک سیدنا ہود علیہ السلام کا اللہ پر جھوٹ باندھنا یہ تھا کہ میں اللہ کی طرف سے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں" یا یہ کہ "مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ ضرور تمہیں دوبارہ پیدا کرے گا اور تم سے تمہارے اعمال کا مواخذہ کرے گا" اور یہ دونوں باتیں ہم ہرگز تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔

[۴۳] یعنی ان کے گناہوں کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے۔ اور تھوڑی دیر بعد ہی ان پر عذاب آنے والا ہے۔ جب یہ اس کے آثار دیکھ لیں گے تو اس وقت اپنی اس ہٹ دھرمی پر پچھتائیں گے لیکن اس وقت نہ انہیں پچھتانا کچھ کام دے گا اور نہ ایمان لانا۔

[۴۴] یعنی بالکل ٹھیک اسی وقت ان پر عذاب آیا جو وقت ان کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ یہاں ہیبت ناک چیخ کے عذاب سے بعض علماء نے یہ قیاس کیا ہے کہ یہ قصہ قوم عاد اولیٰ کا نہیں کیونکہ ان پر تند و تیز اور شدید سرد آندھی کا عذاب آیا تھا۔ بلکہ یہ قصہ عاد ثانی۔ یعنی ثمود کی قوم کا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اس آیت میں بالحق کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے جو انہیں سزا دی تو وہ ٹھیک ان کے گناہوں کی پاداش کے مطابق تھی۔ عدل وانصاف کا یہی تقاضا تھا اور اس سلسلہ میں ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں ہوا۔

[۴۵] غثاء بمعنی کوڑا کرکٹ، کچرا، خس وخاشاک۔ یعنی وہ ہمارے عذاب کی رو میں یوں بہہ گئے جیسے سیلاب خس وخاشاک کو بہالے جاتا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثُمَّ أَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قُرُونًا آخَرِينَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ﴿٤٣﴾
ثُمَّ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَىٰ ۖ كُلَّمَا جَاءَ أُمَّةً رَّسُولُهَا كَذَّبُوهُ فَأَتْبَعْنَا بَعْضَهُم بَعْضًا وَجَعَلْنَاهُمْ
أَحَادِيثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ ﴿٤٤﴾ ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ

پھر ان کے بعد ہم نے کئی اور قومیں پیدا کیں۔(۴۲) کوئی بھی قوم نہ اپنے وقت سے پہلے ختم ہوئی اور نہ اس وقت کے بعد ٹھہر سکی۔(۴۳) پھر اس کے بعد ہم نے پے در پے اپنے رسول بھیجے جب بھی کسی قوم کے پاس اس کا رسول آتا تو وہ اسے جھٹلا دیتے تو ہم ایک قوم کے بعد دوسری قوم کو ہلاک کرتے رہے تا آنکہ انہیں افسانے[۴۶] بنا دیا۔ سو ان لوگوں پر پھٹکار ہو جو ایمان نہیں لاتے۔(۴۴)

پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو معجزے اور روشن دلیل[۴۷] دے کر بھیجا(۴۵)

[۴۶] قوم عاد اولیٰ اور عاد ثانی کے بعد، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک درج ذیل انبیاء مبعوث ہوئے۔ سیدنا ابراہیم، سیدنا اسماعیل، سیدنا اسحاق، سیدنا یعقوب، سیدنا یوسف، سیدنا ایوب، اور سیدنا شعیب علیہم السلام یہ تو وہ انبیاء ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں ملتا ہے اور جن کا ذکر قرآن میں نہیں آیا وہ ان سے بہت زیادہ ہیں۔ بعض روایات کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں مبعوث ہونے والے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ۳۱۳ تا ۳۱۵ بتائی اور انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی جبکہ قرآن میں صرف ۲۷ انبیاء و رسل کا ذکر ہے۔

۞ قوم عاد کے بعد کے انبیاء:۔ اب اگر تاریخی لحاظ سے دیکھا جائے تو جہاں تک انسانی علم کی رسائی ہو سکی ہے اس کے مطابق عاد اولیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کی درمیانی مدت تقریباً چار ہزار سال پر محیط ہے۔ اس طویل عرصہ میں لاتعداد انبیاء و رسل مبعوث ہوتے رہے۔ حتیٰ کہ ان انبیاء کا ایسا تانتا بندھا ہوا تھا کہ کوئی وقت ایسا نہ تھا جب روئے زمین پر کوئی نبی موجود نہ ہو۔ بلکہ بیک وقت ایک ہی زمانے میں کئی کئی انبیاء مبعوث ہوتے رہے۔ ان سب سے یہی سلوک ہوتا رہا کہ انہیں جھٹلایا گیا۔ کیونکہ چودھری قسم کے لوگ قطعاً اس بات پر آمادہ نہیں ہوتے کہ وہ اپنی سرداریوں سے دستبردار ہو کر نبیوں کے مطیع فرمان بن جائیں۔ وہ دوسرے لوگوں کو بھی انبیاء کے خلاف بھڑکاتے رہے۔ ان کے اس جرم کی پاداش میں ان پر عذاب آتے رہے۔ ایک قوم مٹتی تو دوسری اس کی جگہ لیتی رہی۔ پھر اس کے مقررہ وقت کے مطابق اسے بھی صفحہ ہستی سے نیست و نابود کیا جاتا رہا۔ حتیٰ کہ ان کے آثار بھی باقی نہ رہے، ماسوائے ان داستانوں اور افسانوں کے جو بعد کے آنے والے لوگوں میں سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔

[۴۷] ۞ سلطان کا لغوی مفہوم:۔ سلطان بمعنی غلبہ، قوت، اختیار (منجد، مقائیس اللغۃ) اور بمعنی فرمان شاہی (منجد) یعنی اتھارٹی یا اتھارٹی لیٹر (AthorityLetter) وہ اختیار یا اختیار نامہ جو کسی حاکم اعلیٰ سے اس کے نائب کو ملا ہو۔ (اور سلطان بمعنی بادشاہ اس کا کنائی اور مجازی معنی ہے لغوی نہیں۔ نہ ہی قرآن نے اس لفظ کو کسی بھی جگہ ان معنوں میں استعمال کیا ہے) اور اس مقام پر سلطان مبین سے مراد یا ان دونوں نبیوں کی نبوت ہے یا وحی الٰہی۔ اور آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو دیئے گئے صرف عصا اور ید بیضا ہی نہیں بلکہ دوسرے معجزات بھی کیونکہ یہاں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے تثنیہ کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ
مِثْلِنَا وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى
الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ

فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف تو وہ اکڑ گئے اور وہ تھے ہی سرکش[۴۸] لوگ (۴۷) کہنے لگے: "کیا ہم اپنے ہی جیسے دو آدمیوں پر ایمان لائیں جبکہ ان کی قوم ہماری غلام[۴۹] ہے۔(۴۷) چنانچہ انہوں نے ان دونوں کو جھٹلا دیا تو وہ بھی ہلاک ہونے والوں میں شامل ہو گئے۔(۴۸) اور ہم نے موسیٰ کو کتاب (اس لئے) دی تھی کہ وہ لوگ اس سے رہنمائی[۵۰] حاصل کریں۔(۴۹) اور ہم نے (عیسیٰ) ابن مریم اور اس کی والدہ کو ایک نشانی[۵۱] بنایا اور ایک ایسے ٹیلے[۵۲] پر جگہ دی جو اطمینان بخش تھی اور وہاں جاری پانی (چشمہ) بھی موجود تھا۔(۵۰)

نہیں۔ نیز آیات سے مراد احکامِ الٰہی بھی ہو سکتے ہیں۔ جو فرعون کے پاس جاتے وقت انہیں دیئے گئے تھے۔ اور جن سے یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ ان کی پشت پر کوئی مافوق الفطرت قوت موجود ہے۔

[۴۸] یعنی وہ متکبر قسم کے لوگ تھے جو اپنے آپ کو عام انسانوں سے کوئی بالاتر مخلوق سمجھتے تھے۔

[۴۹] یعنی دوسرے انبیاء کی تکذیب کرنے والے چودھری حضرات تو اپنے انکار کی صرف ایک وجہ بتاتے تھے کہ "یہ نبی بھی ہم جیسا ہی انسان ہے اور اس میں ایسی کون سی خوبی ہے کہ ہم اس پر ایمان لائیں" فرعون اور اس کے سرداروں نے اس وجہ کے ساتھ ایک اور وجہ بھی بیان کر دی کہ ان نبیوں کی برادری تو ہماری غلام ہے۔ لہٰذا ہم ان پر ایمان لا کر دوہری رسوائی کیسے قبول کریں۔

❁ عبادت کا مفہوم:۔ یہاں عٰبِدُوْنَ کے لفظ سے عبادت کا مفہوم کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ عبادت محض پوجا پاٹ کا نام نہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل فرعونیوں کی پوجا پاٹ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ عبادت کا لفظ اپنے وسیع معنوں میں ہمہ وقت کی غلامی اور فرمانبرداری کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

[۵۰] ❁ منکرینِ سنت کا رد:۔ اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات فرعون اور اس کے سرداروں کی غرقابی کے بعد دی گئی تھی۔ دوسرے یہ کہ جو احکام موسیٰ علیہ السلام کو تورات کے نازل ہونے سے پہلے دیئے گئے تھے وہ بھی موسیٰ علیہ السلام اور آپ پر ایمان لانے والوں کے لئے اسی طرح قابل اتباع تھے جس طرح تورات کے احکام۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ نبی پر کتاب اللہ کے علاوہ اللہ کی طرف سے اور بھی بہت کچھ نازل ہوتا ہے۔ اور اس کی اتباع بھی اسی طرح واجب ہوتی ہے جیسے کتاب اللہ کی اور اس میں ان لوگوں کا پورا رد موجود ہے جو کہتے ہیں کہ ہمیں ہدایت کے لئے صرف قرآن ہی کافی ہے۔

[۵۱] ❁ عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ پیدائش کے منکرین کا رد:۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ ابن مریم بھی ایک نشانی تھے اور ان کی والدہ بھی ایک نشانی تھی۔ بلکہ یوں فرمایا ان دونوں کو ملا کر ایک نشانی بنایا۔ اور اس کی صورت صرف یہی رہ جاتی ہے کہ سیدنا عیسیٰ کی ولادت کو بن باپ تسلیم کیا جائے نیز یہ بھی کہ سیدہ مریم کسی مرد کے چھوئے بغیر ہی نفخۂ الٰہی سے حاملہ ہوئی تھیں۔

[۵۲] ربوۃ کا لغوی مفہوم اور اس سے مراد:۔ ربوۃ سے مراد ایسی زمین ہے جو عام سطح زمین سے قدرے بلند ہو اور اس

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کی مٹی بھربھری اور ریتلی قسم کی ہو۔ ایسی زمین پانی کو اپنے اندر جذب کر کے خوب پھول جاتی ہے۔ پنجابی میں ایسی زمین کو "میرا زمین" کہتے ہیں۔ اس زمین کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ عام زمین کی نسبت سرسبز و شاداب بھی زیادہ ہوتی ہے اور بلند بھی ہوتی ہے۔

اب اس ربوۃ کی تعین میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہی بلند مقام ہے جہاں سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے وہاں ایک چشمہ بھی جاری کر دیا تھا اور کھجور کے ٹنڈ درخت سے اللہ کے حکم سے تازہ کھجوریں گرنے لگی تھیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ اس وقت کا ظالم یہودی بادشاہ ہیروڈس سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا دشمن بن گیا تھا۔ سیدہ مریم ان کی حفاظت کی خاطر اللہ کے حکم سے مصر کی طرف ہجرت کر گئیں۔ اور ایک بلند چشمہ دار جگہ پر قصبہ میں مقیم ہوئیں جسے رملہ کہتے ہیں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام وہیں جوان ہوئے پھر جب ہیروڈس مر گیا تو سیدہ مریم انہیں لے کر اپنے وطن واپس آ گئیں۔ اسرائیلی روایات اسی توجیہ کی تائید کرتی ہیں۔

اور ربوۃ کے ساتھ ذات قرار سے مراد ایسی جگہ ہے جہاں ضروریات زندگی مہیا ہو سکتی ہوں اور انسان کو وہاں قیام کرنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ اور معین کا لفظ تائید مزید کے لئے ہے۔ جس کا معنی جاری پانی، نتھرا پانی، بہتا ہوا چشمہ، ٹھنڈا اور میٹھا پانی سب کچھ آتا ہے۔

بیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں ہندوستان کے ضلع گورداسپور میں واقع ایک قصبہ قادیان میں ایک شخص مرزا غلام احمد نے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ وہ خود تو وہیں قادیان میں دفن ہوا اور اس کا مدفن بھی وہیں بنا۔ ۱۹۴۷ء میں پاکستان بنا تو مرزا صاحب کی امت وہاں سے پاکستان کے ضلع جھنگ میں منتقل ہوئی اسی طرح ایک بلند زمین اپنے ہیڈ کوارٹر کے لئے منتخب کی اور اس کا نام ربوہ رکھ لیا۔ مرزا صاحب کے خلیفے اور اولاد وہیں اقامت پذیر ہیں۔

❁ مرزا قادیانی کا مسیح موعود ہونے کا دعویٰ اور عیسیٰ علیہ السلام کی قبر کی نشاندہی:۔ مرزا صاحب نے صرف نبوت کا ہی دعویٰ نہیں کیا بلکہ مسیح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کیا تھا۔ مرزا صاحب عیسیٰ علیہ السلام کی معجزانہ پیدائش کے تو قائل تھے لیکن رفع عیسیٰ کے قائل نہیں تھے۔ کیونکہ اگر وہ اس کے قائل ہوتے تو آپ کو مسیح موعود بننے میں مشکل پیش آتی تھی۔ ان کی امت نے تو جھنگ میں ایک ربوہ بنا لیا لیکن خود انہوں نے کشمیر کو ربوہ قرار دیا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی طبعی موت قرار دینے کے بعد فرمایا کہ ان کی قبر کشمیر میں ہے۔ کشمیر کے صدر مقام سری نگر کے محلہ خان یار میں ایک قبر "یوسف آز" کے نام سے مشہور ہے۔ عوام میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ کسی نبی کی قبر ہے جو کوئی شہزادہ تھا اور کسی دوسرے ملک سے یہاں آیا تھا۔ مرزا صاحب کے مقصد کے لئے یہ بے سروپا افواہیں ہی کافی تھیں۔ چنانچہ ان کو الہام ہو گیا کہ یہ قبر تو عیسیٰ علیہ السلام ہی کی ہے۔ اب اگر ان کی امت کے بقول ان کے الہام کو درست سمجھ بھی لیا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں صرف سیدنا عیسیٰ کا ذکر نہیں بلکہ ان کی والدہ کا بھی ذکر ہے لہٰذا ان کو الہام تو دو قبروں کا ہونا چاہئے تھا۔ مگر افسوس ہے کہ وہاں قبر صرف ایک ہی ہے۔ اس سے ان کی نبوت اور الہامات کی بھی قلعی کھل جاتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ۭ اِنِّىْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖٓ
اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۡ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا

اے پیغمبروں کی جماعت[۵۳]! پاکیزہ چیزیں[۵۴] کھاؤ اور نیک اعمال کرو جو کچھ تم کرتے رہے ہو[۵۵] میں اسے خوب جانتا ہوں(۵۱) اور یہ تمہاری امت ایک ہی[۵۶] امت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں۔ لہٰذا مجھی سے ڈرو۔(۵۲) پھر لوگوں نے اپنے (دین کے) کام کو آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر

[۵۳] خطاب کا یہ انداز اس لحاظ سے نہیں کہ سارے رسول کسی ایک جگہ اکٹھے کئے گئے تھے تو انہیں اس طرح مخاطب کیا گیا ہے۔ بلکہ اس لحاظ سے ہے کہ چونکہ سارے رسولوں کی اصولی تعلیم ایک ہی جیسی رہی ہے۔ لہٰذا بطور اختصار یہاں خطاب کا مشترکہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ نیز اس آیت میں اگرچہ خطاب رسولوں کو ہے تاہم اس کا حکم عام ہے۔ اور قرآن کریم نے بعض مقامات پر تو یٰاَیُّھَا النَّاسُ کہہ کر حلال اور پاکیزہ چیزیں کھانے کا حکم دیا ہے اور بعض مقامات پر اس حکم کے مخاطب ایمان لانے والے ہیں۔

[۵۴] ۞ رسولوں کو پاکیزہ اشیاء کھانے کا حکم:۔ پاکیزہ چیزوں سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کا کھانا شریعت نے حلال قرار دیا ہو اور انہیں حلال ذرائع سے ہی حاصل کیا گیا ہو۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ مرغی بذات خود حلال چیز ہے مگر جب یہ چوری کی ہو تو حرام ہو جائے گی۔ اسی طرح سود یا دوسرے ناجائز ذرائع سے حاصل شدہ مال حرام مال تصور ہوگا۔

۞ کسبِ حلال کی اہمیت:۔ کسب حلال اور حرام سے اجتناب اس قدر اہم حکم ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے نیک اعمال سے پہلے ذکر فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی کی کمائی حرام کی ہو تو اس کے نیک اعمال بھی قبول نہیں ہوتے۔ اس سلسلہ میں ہم سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۸ کے تحت آٹھ حدیثیں درج کر چکے ہیں جن کو دوبارہ دیکھ لینا مفید ہوگا۔ تاکہ اس اہم شرعی حکم کی اہمیت پوری طرح معلوم ہو جائے۔

[۵۵] یعنی اگر کسی نے کسب حلال میں حرام کی آمیزش کی ہو تو اُسے میں خوب جانتا ہوں اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے اعمال میں اللہ کی رضامندی اور خلوص کا حصہ کتنا تھا۔ یہ مطلب اس لحاظ سے ہوگا جب اس خطاب کا روئے سخن عام لوگوں یا ایمانداروں کی طرف سے سمجھا جائے کیونکہ انبیاء سے کسی قسم کی نافرمانی کا امکان نہیں اور اگر اس کا روئے سخن انبیاء کی طرف سمجھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ تم نے حق تبلیغ کس حد تک ادا کیا ہے۔

[۵۶] ۞ امة واحدة کا مفہوم:۔ امت سے مراد ایسا گروہ ہے جو ہم عقیدہ و ہم خیال ہو۔ اور یہاں تمہاری امت سے مراد انبیاء و رسل کی جماعت بھی ہو سکتی ہے اور ان کے ساتھ ان پر ایمان لانے والے بھی۔ اور یہ پوری کی پوری جماعت متحد العقیدہ تھی۔ یعنی ان سب کی اصولی تعلیم اور اصول و عقائد ایک ہی جیسے رہے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ (۱) اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق و مالک ہے لہٰذا وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کی ذات و صفات اور عبادات میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔ (۲) یہ دنیا دارالامتحان ہے۔ مرنے کے بعد ہر انسان کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور اسے اللہ کے حضور پیش ہونا پڑے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ﴿٥٣﴾ فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتَّىٰ حِينٍ ﴿٥٤﴾ أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُم بِهِ مِن مَّالٍ وَبَنِينَ

لیا[۵۷]۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اس میں مگن ہے۔(۵۳) لہٰذا ان کا قصہ چھوڑو کہ وہ ایک خاص وقت تک اپنی اس مدہوشی میں[۵۸] پڑے رہیں۔(۵۴) کیا وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم جو انہیں مال اور اولاد دیئے

گا۔ دنیا میں جو اعمال وہ کرتا رہا اس کے متعلق اس سے باز پرس ہوگی۔ پھر ہر ایک کو اس کے اچھے یا برے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ لہٰذا تمہیں صرف مجھ سے ڈرنا چاہئے۔ (۳) کسبِ حرام سے مکمل طور پر اجتناب یعنی کسی صورت میں بھی دوسرے کے حقوق یا اموال پر ڈاکہ نہ ڈالا جائے اور (۴) اور نیک اعمال بجالائے جائیں یہ چار باتیں ایسی ہیں جو اصولی نوعیت کی ہیں اور ان کا حکم ہر نبی کو دیا جاتا رہا ہے اور انہی باتوں کا نام دین ہے۔ رہے جزئی احکام جن کا تعلق بالخصوص شق نمبر ۳ سے ہے تو اس میں انبیاء کی شریعتوں میں اختلاف بھی رہا ہے۔

[۵۷] ❁ دین کے اصول چار اور فرقے سینکڑوں:۔ یعنی اصل دین میں چند موٹی موٹی باتیں شامل تھیں۔ اور ہر نبی یہی اصول دین پیش کرتا رہا۔ مگر لوگوں نے انہیں اصول دین میں اختلاف کر کے سینکڑوں فرقے بنا ڈالے۔

مثلاً پہلی شق توحید ہی کو لیجئے۔ شیطان نے شرک کی بیسیوں نئی سے نئی قسمیں ایجاد کر کے لوگوں کو اس راہ پر ڈال دیا بعض لوگوں نے کسی شخص، نبی یا فرشتوں کو اللہ کی اولاد قرار دیا۔ حلول اور اوتار کا عقیدہ وضع کیا اور اللہ تعالیٰ کو بعض لوگوں کے اجسام میں اتار دیا۔ کسی نے کہا کہ فلاں ہستی اللہ کے نور میں سے (جدا شدہ) نور ہے۔ کئی ہستیوں کو اللہ کے علاوہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر تسلیم کیا گیا اور سب سے بڑھکر یہ کہ حضرت انسان نے جسے تمام مخلوق سے افضل و اشرف پیدا کیا گیا تھا، اپنے نفع و نقصان کو پتھروں، درختوں، مویشیوں، ستاروں، جن بھوتوں اور آستانوں سے وابستہ کر دیا۔ اور ان کے آگے سر تسلیم خم کرنے لگا۔ انہیں سے مرادیں مانگنے لگا۔

❁ فرقے کیسے بنتے ہیں اور ہر فرقہ کی خود پسندی:۔ دوسری شق آخرت پر ایمان ہے۔ بعض لوگوں نے تو روز آخرت اور دوبارہ جی اٹھنے کا انکار ہی کر دیا۔ اور جنہوں نے اسے تسلیم کیا انہوں نے بھی اس کے تقاضوں کو نہ سمجھا۔ بعض نے کہا کہ ہم چونکہ انبیاء کی اولاد یا سادات ہیں۔ لہٰذا ہمیں کیسے عذاب ہو سکتا ہے۔ بعض لوگوں نے سفارش کے عقیدے وضع کر لئے اور اگر فلاں حضرت کی بیعت کر لی جائے تو وہ شفاعت کر کے ہمیں چھڑا لیں گے۔ بعض نے یہی عقیدہ اپنے دیوتاؤں سے یا بتوں سے وابستہ کر دیا۔ نصاریٰ نے کفارۂ مسیح کا عقیدہ گھڑ لیا اور بعض پادری حضرات اس دنیا میں ہی لوگوں سے رقوم بٹور کر کے ان کے لئے معافی نامے جاری کرنے لگے۔ اور بعض لوگوں نے یہ عقیدہ وضع کیا کہ اگر فلاں حضرت کے بہشتی دروازہ سے اس کے عرس کے دن نیچے سے گزرا جائے تو یقیناً نجات ہو جائے گی ایسے سستی نجات کے سب عقیدے لغو اور باطل ہیں۔ اور قرآن نے ایسے عقائد رکھنے والوں کو آخرت کے منکر یعنی کافر قرار دیا ہے۔

تیسری شق حلال اور پاکیزہ اشیاء کھانے سے متعلق تھی تو اس میں بھی لوگوں نے افراط و تفریط کی راہیں پیدا کر لیں۔ رہبان و مشائخ اور بعض صوفیاء نے اپنے اوپر حلال اشیاء کو حرام قرار دے لیا۔ اور بعض دوسروں نے حرام و حلال کی تمیز ہی ختم کر دی اور سود جیسی حرام چیز کو جسے ساری شریعتوں میں حرام قرار دیا جاتا رہا ہے اسے حلال ثابت کرنے کی کوشش کی۔ بہت سے علماء و مشائخ، بتوں کے مہنتوں، مقبروں اور مزاروں کے مجاوروں نے حلت و حرمت کے اختیار خود سنبھال لئے اور ایسے لوگوں کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾
وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ
اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰۗىِٕكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا

جارہے ہیں(۵۵) تو ہم انہیں بھلائیاں دینے میں جلدی[۵۹] کر رہے ہیں؟ معاملہ یوں نہیں بلکہ اصل بات کا انہیں شعور ہی نہیں(۵۶) (بھلائیاں پانے والے دراصل وہ لوگ ہیں) جو اپنے پروردگار کے خوف سے ڈرتے رہتے ہیں(۵۷) اور جو اپنے پروردگار کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں(۵۸) اور وہ اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے(۵۹) اور وہ (اللہ کی راہ میں) دیتے ہیں جو بھی دیں اور ان کے دلوں کو دھڑکا لگا رہتا ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ کر جانے والے ہیں۔(۶۰) یہی لوگ ہیں جو نیک کاموں میں جلدی کرنے اور ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی[۶۰] کوشش کرتے ہیں۔(۶۱)

تذکرہ قرآن میں متعدد بار آیا ہے۔

چوتھی شق عمل صالح کی تھی۔ تو غالباً اس شق میں شرک سے بھی زیادہ فرقہ بازی ہوئی۔ دین کے بعض اصولی احکام کو مسخ کر کے بدعی عقائد و اعمال شامل کر دیئے گئے اور ان باتوں کی اصل بنیاد حبِ جاہ و مال تھی اور بے شمار سیاسی اور بدعی قسم کے فرقے وجود میں آگئے۔ انہی میں سے ایک تقلید شخصی کا عقیدہ ہے جس کے ذریعہ اماموں کو نبیوں کا درجہ دے دیا گیا یا ان سے بھی بڑھ کر سمجھا گیا۔

گویا اس سادہ اور مختصر سی اصولی تعلیم سے اختلاف کر کے لوگ جو فی الحقیقت ایک ہی امت تھے سینکڑوں اور ہزاروں فرقوں میں بٹتے چلے گئے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان میں ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھتا ہے اور اپنے علاوہ دوسرے فرقوں کو دوزخ کا ایندھن سمجھتا ہے۔ حالانکہ یہ اصولی تعلیم آج بھی موجود ہے اور اگر کوئی شخص یا کوئی فرقہ تعصب سے بالاتر ہو کر راہ حق کو تلاش کرنا چاہے تو راہ حق آج بھی ایسی چھپی ہوئی چیز نہیں ہے جس کا سراغ نہ لگایا جا سکتا ہو۔

[۵۸] یعنی ایسے متعصب اور ہٹ دھرم لوگ جو راہِ راست کی طرف آنا بھی پسند نہیں کرتے اور اپنے حال میں مست اور مگن ہیں۔ انہیں ان کے حال پر ہی رہنے دیجئے ایک وقت آنے والا ہے جب انہیں سب حقیقت پوری طرح معلوم ہو جائے گی۔

[۵۹] ۞ کیا آسودہ حالی اللہ کی رضامندی کی علامت ہے؟ دنیادار اور جاہل لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ آسودہ حالی اللہ کی رضامندی کی علامت ہوتی ہے۔ اور تنگدستی یا پریشان حالی اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی۔ حالانکہ بسا اوقات معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے۔ چودھری لوگوں کی سرکشی کا بڑا سبب یہی نظریہ ہوتا ہے وہ دیکھتے ہیں کہ پیغمبروں کی تکذیب کرنے اور ایمانداروں پر ظلم و زیادتی روا رکھنے کے باوجود بھی ان کا کچھ نہیں بگڑا تو وہ اس نظریہ پر مزید پختہ ہو جاتے ہیں۔ اب اللہ کی طرف سے ان پر ابتلاء کا دور یوں آتا ہے کہ ان پر مزید انعامات الٰہی کی بارش ہونے لگتی ہے۔ حالانکہ ان انعامات کی حیثیت ایسے ہی ہوتی ہے جیسے بجھنے والا چراغ بجھنے سے پیشتر ایک دفعہ خوب روشن ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے کہ مال و دولت اور نعمتوں کی فراوانی اللہ کی خوشنودی کے طور پر نہیں بلکہ امہال و استدراج کی بنا پر ہے۔ اور جتنی انہیں ڈھیل دی جا رہی ہے اسی قدر ان کی شقاوت کا پیمانہ لبریز ہو رہا ہے۔

[۶۰] ان لوگوں کے مقابلہ میں اب اللہ تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کی چند صفات بیان فرمائیں سب سے پہلی بات یہ کہ ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ بَلْ

ہم کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف[۶۱] نہیں دیتے اور ہمارے پاس ایسی کتاب (نامہ اعمال) ہے جو ٹھیک ٹھیک[۶۲] بیان کر دے گی اور ان کی حق تلفی[۶۳] نہ ہو گی۔(۶۲)

میں نیک کام کرتے رہنے کے باوجود نیکی کا غرور اور گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ اس بات سے اللہ سے ڈرتے رہتے ہیں کہ ان کے یہ اعمال شاید اللہ کی بارگاہ میں قبول ہونے کے لائق تھے یا نہیں یا ان میں کچھ تقصیر تو نہیں ہو گئی۔ دوسری صفت یہ ہے کہ وہ منزل من اللہ آیات پر بھی ایمان لاتے ہیں اور کائنات میں ہر طرف اللہ کی بکھری ہوئی آیات میں غور کر کے ان سے معرفت بھی حاصل کرتے ہیں جن سے ان کے دلوں میں اللہ کی عظمت اور جلال کا سکہ بیٹھتا ہے تیسری صفت یہ ہے کہ وہ شرک کی ہر چھوٹی بڑی قسم سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور چوتھی صفت یہ کہ اپنے اموال اور دوسری اللہ کی عطا کردہ نعمتوں میں سے صدقہ و خیرات وغیرہ ادا کرنے کے باوجود اللہ کے حضور اعمال کی باز پرس سے ڈرتے بھی رہتے ہیں۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس آیت کے متعلق نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں دیتے ہیں، انہیں کس بات کا ڈر لگا رہتا ہے؟ کیا وہ شراب پیتے ہیں یا چوری کرتے ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: صدیق کی بیٹی! یہ بات نہیں بلکہ وہ لوگ روزہ رکھتے، نماز پڑھتے اور صدقہ دیتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ڈرتے ہیں کہ شاید ان کا عمل قبول نہ ہو۔ یہی لوگ ہیں جو نیکیوں کی طرف لپکتے اور آگے نکل جانے والے ہیں" (ترمذی۔ ابواب التفسیر)

[۶۱] ❁ تکلیف کا مفہوم، شرعی احکام کی حکمت اور ہر شخص کی استعداد کا لحاظ:۔ یعنی ہم نے احکام شریعت ایسے نازل نہیں کئے جو انسان کی بساط سے باہر ہوں۔ شرعی احکام میں مصلحت کے جس پہلو کو ملحوظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہے کہ شرعی احکام بالعموم مسلمانوں کی اکثریت کے لئے اور نارمل حالات میں قابل عمل ہوتے ہیں۔ جب حالات بدل جائیں تو احکام میں بھی تھوڑی بہت تبدیلی کر دی جاتی ہے پھر چونکہ یہ احکام ایک عام انسان کی استعداد یا قوتِ کار کو ملحوظ رکھ کر دیئے جاتے ہیں۔ لہٰذا عام استعداد سے کم استعداد رکھنے والوں مثلاً بیماروں یا معذوروں کے لئے رخصت یا رعایت دی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ نابالغ، مجنون وغیرہ سے شرعی احکام ویسے ہی ساقط کر دیئے گئے ہیں۔ پھر معاشرہ میں کچھ ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو ایک عام انسان کی استعداد سے زیادہ استعداد رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے وسیع میدان عمل کو سامنے لا کر اس حکم کی زیادہ سے زیادہ بجا آوری کی ترغیب دی جاتی ہے۔ مثلاً ہر عاقل و بالغ مسلمان کو پانچ وقت نماز باجماعت ادا کرنے کا حکم ہے اور نماز سے پہلے وضو یا طہارت بھی ضروری ہے تو حالات کے مطابق مراعات تو یہ ہیں کہ جسے وقت پر وضو کے لئے پانی دستیاب نہ ہو وہ تیمم کر سکتا ہے۔ بیمار کو اگر وضو کرنے سے بیماری بڑھنے یا کسی اور تکلیف کا خطرہ ہو تو وہ بھی تیمم کر سکتا ہے۔ سفر یا خوف کی حالت میں نماز قصر بھی کر سکتا ہے اور دو نمازیں اکٹھی بھی پڑھ سکتا ہے، نیز سفر کی حالت میں سواری پر بھی نماز ادا کر سکتا ہے۔ نیز اگر قبلہ یا صحیح وقت کی تعیین میں دقت ہو تو اندازہ سے کام لے سکتا ہے۔ بارش یا کسی اور معقول عذر کی وجہ سے مسجد نہیں جا سکتا تو گھر پر نماز ادا کر سکتا ہے۔ اور کم استعداد والوں کی مثال یوں سمجھئے کہ بیمار بیٹھ کر نماز پڑھ سکتا ہے اگر زیادہ بیمار ہے تو لیٹے لیٹے ہی پڑھ سکتا ہے۔ اتنی بھی ہمت نہ رہی ہو تو اشارہ سے بھی ادا کر سکتا ہے۔ ایسا بیمار یا انتہائی بوڑھا جو مسجد تک جانے کی ہمت نہیں رکھتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا

بلکہ اس بات سے تو ان کے دل سخت غافل ہیں اور اس غفلت کے علاوہ ان کے اور بھی کئی (برے) اعمال ہیں[۶۴] جو وہ کر رہے ہیں(۶۳) یہاں تک کہ جب ہم ان کے عیاش لوگوں کو

مستقل طور پر اپنے گھر میں نماز ادا کر سکتا ہے۔ یہی اس جملہ کا مطلب ہے کہ "ہم کسی شخص کو اس کے مقدور سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے" اتنی مراعات کے باوجود پھر بھی کوئی شخص عمداً نماز ادا نہیں کرتا تو وہ کافر ہو جائے گا اور اگر نماز کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا ہے تو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

اور جو لوگ زیادہ استعداد رکھتے ہیں ان کے لئے فرضی نماز کے علاوہ نوافل تجویز کئے گئے ہیں۔ مثلاً ظہر کی نماز کی فرض رکعات صرف چار ہیں۔ ان چار رکعات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تطوعاً جو اضافہ کیا وہ ہمارے لئے سنت ہیں اور وہ چار رکعات فرض نماز سے پہلے ہیں اور دو بعد میں۔ پھر ان فرض اور سنت رکعات پر تطوعاً آخر میں مزید رکعات کا اضافہ ہوا جسے نفل کہتے ہیں اور ان پر مزید نوافل کا اضافہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ پھر کچھ نمازیں ایسی ہیں جو فرض کفایہ ہیں جیسے نماز جمعہ اور نماز جنازہ وغیرہ اور کچھ سنت ہیں جیسے تہجد کی نماز جو آپ ﷺ پر تو فرض تھی مگر امت کے لئے سنت موکدہ ہے یا نماز تراویح اور کچھ نمازیں ہی نفلی ہیں مثلاً نماز چاشت، اوابین اور شکرانہ کے نوافل اور کچھ نفل نمازیں حالات سے متعلق ہیں۔ جیسے نماز استسقاء، نماز کسوف اور خسوف وغیرہ یہ ہے وہ وسیع میدان جو ترقی درجات کا سبب بنتا ہے۔ پھر ایک نماز ہی کی یہ صورت نہیں۔ صدقات و خیرات بلکہ ہر رکن اسلام اور عمل صالح کی یہی صورت ہے کہ اس میں تطوعات کا وسیع میدان موجود ہے یہی وہ میدان ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَهُمْ لَهَا سَابِقُوْنَ﴾ اور اس کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بھلے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش کرنا کوئی ایسی بات نہیں جو انسان کی بساط سے باہر ہو۔ کم از کم ہر انسان کو ایسا کرنے کی کوشش ضرور کرنا چاہئے۔

[۶۲] ۞ اعمال کے اندراج کا طریق کار:۔ یعنی ہر انسان کے اعمال، افعال، اقوال حتیٰ کہ دل کے خیالات اور دل میں پیدا ہونے والے وساوس اور ارادے بھی ساتھ کے ساتھ ریکارڈ ہو رہے ہیں۔ قرآن کی تصریح کے مطابق یہ قلم بند کرنے والے دو معزز فرشتے ہوتے ہیں ایک انسان کے دائیں طرف، دوسرا بائیں طرف، پھر ان کی ڈیوٹیاں بھی فجر اور عصر کے وقت بدلتی رہتی ہیں موجودہ دور کی سائنسی ایجادات نے اس حقیقت کو بہت حد تک قریب الفہم بنا دیا ہے کہ یہ باتیں از خود کس طرح ریکارڈ میں آجاتی ہیں۔ گویا ہر شخص کی زندگی کی مکمل ہسٹری شیٹ اللہ کے ہاں موجود رہتی ہیں اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں نہ تو کوئی چھوٹی سے چھوٹی بات قلم بند ہونے سے رہ جاتی ہے اور نہ ہی اس میں کوئی غلط اندراج ہو سکتا ہے (نیز دیکھئے سورہ کہف کی آیت نمبر ۴۹)

[۶۳] یعنی یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی کو اس کے کام سے کم اجر ملے، نہ یہ کہ اس کے گناہ سے زیادہ سزا ملے۔ یا کسی کا جرم کسی دوسرے کے کھاتے میں چلا جائے۔ غرضیکہ کسی طرح کی زیادتی اور حق تلفی ممکن نہ ہوگی۔

[۶۴] یعنی یہ بات ان کے ذہن میں آتی ہی نہیں کہ ان کی پوری ہسٹری شیٹ ساتھ ہی ساتھ تیار ہو رہی ہے۔ لہٰذا وہ اپنے دنیا کے دوسرے کاموں میں ہی ایسے منہمک اور مگن ہیں کہ انہیں اس نامہ اعمال اور اس کی بنا پر آخرت کی باز پرس کا خیال تک نہیں آتا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مُتْرَفِيهِمْ بِالْعَذَابِ إِذَا هُمْ يَجْأَرُونَ ﴿٦٤﴾ لَا تَجْأَرُوا الْيَوْمَ إِنَّكُمْ مِنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ
عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ ﴿٦٧﴾ أَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ
أَمْ جَاءَهُم مَّا لَمْ يَأْتِ آبَاءَهُمُ الْأَوَّلِينَ ﴿٦٨﴾ أَمْ لَمْ يَعْرِفُوا رَسُولَهُمْ فَهُمْ لَهُ مُنكِرُونَ ﴿٦٩﴾ أَمْ يَقُولُونَ

عذاب میں پکڑ لیں گے تو اس وقت وہ چیخنا چلانا[۶۵] شروع کر دیں گے (۶۴) (ہم کہیں گے) آج چلاؤ نہیں۔ ہماری طرف سے تمہیں کوئی مدد نہیں ملے گی۔ (۶۵) جب میری آیات تم پر پڑھی جاتی تھیں تو تم اُلٹے پاؤں[۶۶] پھر جاتے تھے۔ (۶۶) اپنے گھمنڈ میں میری آیتوں کو افسانے[۶۷] سمجھتے اور بکواس کیا کرتے تھے۔ (۶۷) کیا ان لوگوں نے اس کلام پر کبھی غور نہیں کیا یا ان کے پاس کوئی ایسی بات آئی ہے جو ان کے آباء واجداد[۶۸] کے پاس نہیں آئی تھی؟ (۶۸) یا انہوں نے اپنے[۶۹] رسول کو پہچانا ہی نہیں لہٰذا وہ اس کا انکار کر رہے ہیں؟ (۶۹) یا وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ اسے

[۶۵] یعنی جب عذاب الٰہی آتا ہے تو واویلا اور چیخ پکار کرنے والے بھی وہی لوگ ہوتے ہیں جو آسودہ حال اور چودھری ٹائپ ہوتے ہیں۔ یہی لوگ نبیوں کی تکذیب، انہیں ایذائیں پہنچانے اور عوام کو اللہ کی راہ سے روکنے میں پیش پیش ہوتے ہیں۔ اور عذاب نازل ہونے پر چیخنے چلانے والے بھی یہی ہوتے ہیں۔ حالانکہ جب عذاب آجاتا ہے تو پھر چیخنے چلانے یا فریادیں کرنے کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ نہ ہی کوئی طاقت انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکتی ہے۔

[۶۶] یہ عذاب دراصل ان کے اپنے ہی اعمال کی شامت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ انہیں جب اللہ کی آیات سے نصیحت کی جاتی تھی اور برے انجام سے ڈرایا جاتا تھا تب تو وہ ایسی باتوں کو سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے اور اب جب سر سے پانی چڑھ گیا تو پھر چیخنے چلانے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟

[۶۷] ❁ سمر کا لغوی مفہوم:۔ سمر کے معنی رات کے وقت سونے سے پیشتر ایک دوسرے سے قصے کہانیاں بیان کرنا۔ تاکہ ان قصے کہانیوں میں محو ہو کر نیند آجائے۔ یہ قصے یا افسانے یا کہانیاں محض دفع الوقتی یا خوش وقتی کے لئے سنے سنائے جاتے ہیں۔ ان کا اور کچھ مقصد نہیں ہوتا۔ دیہاتوں میں آج بھی یہ دستور ہے کہ بڑے لوگ چھوٹوں کو کوئی بھوت پریت یا ایسی ہی دوسری کہانیاں سناتے ہیں اور مکہ میں بھی یہی دستور تھا۔ اور ھجر کے معنی بیماری، نیم بے ہوشی یا نیم خفتگی کی حالت میں مہمل سی باتیں کرنا یا بڑبڑانا۔

گویا مترفین یا ان عیاش لوگوں کا جرم یہ تھا کہ اللہ کی آیات کو سننا بھی گوارا نہ کرتے تھے اور از راہ تکبر منہ موڑتے ہوئے واپس چلے جاتے تھے۔ مزید برآں ایک دوسرے سے اگر آیاتِ الٰہی کا ذکر کرتے بھی تو انتہائی بے نیازی اور لاپروائی سے جیسے کوئی مہمل سی باتیں یا قصے کہانیاں سنا رہا ہو۔ ان کے ان جرائم کی سزا یہی ہے کہ اب ان کے چھٹکارا کی سب راہیں بند کر دی جائیں اور ان کی آہ و فغاں پر کچھ توجہ نہ دی جائے۔

[۶۸] یعنی اگر لوگ قرآن اور اس کی آیات میں غور کرتے تو انہیں بآسانی معلوم ہو سکتا تھا کہ اس میں وہی باتیں مذکور ہیں جو سابقہ تمام انبیاء کی تعلیم رہی ہے اور جنہیں ان کے آباء واجداد بھی سنتے رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی تعلیم تو ہے نہیں۔ پھر آخر ان

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَاۗءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَاۗءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ

جنون ہے[۷۰]۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان کے پاس سچی بات لایا ہے لیکن ان میں[۷۱] سے اکثر لوگ حق کو پسند ہی نہیں کرتے (۷۰) اور اگر حق ان کی خواہشات کی پیروی کرتا تو یہ زمین و آسمان اور ان میں جو کچھ ہے ان سب کا نظام درہم برہم[۷۲]

کے اس طرح بدکنے کی کیا وجہ ہے؟ بلکہ اگر وہ سنجیدگی سے اس میں غور کرتے تو انہیں خوب معلوم ہو جاتا کہ یہ کلام طعن و تشنیع کے نہیں تعریف کے قابل ہے۔ جس میں سراسر حکمت بھری ہوئی ہے اور کلام بھی نہایت فصیح و بلیغ ہے۔

[۶۹] اللہ کی آیات سے بدکنے کی دوسری وجہ یہ ہو سکتی تھی کہ وہ اپنے اس رسول سے پوری طرح متعارف نہ ہوتے۔ اور جب وہ یہ باتیں اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کی زندگی ابتدا ہی سے بے داغ رہی ہے۔ اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ کسی انسان سے فریب نہیں کیا۔ کبھی کسی کی امانت میں خیانت نہیں کی۔ نہ کبھی وعدہ خلافی کی ہے نہ کبھی کسی سے الجھا ہے تو کیا وہ شخص جو کسی انسان سے کبھی جھوٹ نہیں بولتا وہ اللہ پر جھوٹ بول سکتا ہے کہ اس نے مجھے رسول بنایا ہے اور اللہ کے نام پر تمہیں فریب دے سکتا ہے؟

[۷۰] انکار کی ایک تیسری وجہ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ لوگ اپنے رسول کو دیوانہ سمجھ کر اس کی باتوں کو درخور اعتناء نہ سمجھیں۔ اگر وہ اسے دیوانہ کہہ بھی دیں تو ان کے دل ہرگز اس بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ چنانچہ جب دعوت توحید کا چرچا عام ہونے لگا تو قریشی سرداروں کو بہت فکر لاحق ہو گئی۔ وہ اس دعوت کو روکنے کے لئے مشورہ کی خاطر ولید بن مغیرہ کے پاس جمع ہوئے۔ ولید بن مغیرہ ابو جہل کا چچا تھا اور حرب بن امیہ کی وفات کے بعد قریش کی سیادت اسی کے ہاتھ آئی تھی) ولید بن مغیرہ ایک سمجھدار آدمی تھا۔ کہنے لگا اس سلسلہ میں اپنی اپنی تجاویز پیش کرو انہیں پیش کردہ تجاویز میں سے ایک سردار نے یہ تجویز بھی پیش کی تھی کہ ہم لوگوں سے کہیں گے کہ "وہ تو ایک مجنون آدمی ہے" یہ سن کر ولید بن مغیرہ کہنے لگا: "اللہ کی قسم! وہ دیوانہ نہیں ہے۔ ہم نے دیوانوں کو بارہا دیکھا ہے۔ اس کے اندر نہ دیوانوں جیسی دم گھٹنے کی کیفیت ہے، نہ الٹی سیدھی حرکتیں ہیں اور نہ ہی ان جیسی بہکی بہکی باتیں ہیں" (الرحیق المختوم ص ۱۲۱) (نیز رسول اور مجنون میں فرق کے لئے دیکھئے سورہ اعراف آیت نمبر ۱۸۴)

[۷۱] پھر جب یہ سب باتیں ناممکن ہیں تو اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ جو دعوت یہ رسول پیش کر رہا ہے وہ حق اور درست ہو، اور ان کے انکار اور بدکنے کی وجہ صرف یہ ہو سکتی ہے کہ انہیں سچی بات سے چڑ ہو گئی ہے اور وہ اپنی ضد، تعصب اور ہٹ دھرمی کی بنا پر یہ سچی بات قبول کرنے کو تیار نہیں۔

[۷۲] ❁ حق لوگوں کی خواہشات کا تابع نہیں:۔ اگر اللہ تعالیٰ یا اللہ تعالیٰ کے احکام عام لوگوں کی خواہشات کے مطابق نازل ہوں اور اللہ تعالیٰ لوگوں کی خواہشات کے مطابق احکام نازل کرے تو اللہ تعالیٰ مالک و مختار رہ کہاں گیا؟ اس صورت میں تو اللہ تعالیٰ (معاذ اللہ) بندوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن گیا۔ پھر خواہشات بھی ہر شخص کی الگ الگ ہیں۔ اور ایک دوسرے کی خواہشات سے ٹکراتی ہیں اس بات کو ایک سادہ سی کہانی سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں ایک آدمی کی دو بیٹیاں تھیں۔ اس نے اپنی ایک بیٹی کا نکاح ایک زمیندار لڑکے سے کر دیا اور دوسری کا ایک کمہار سے۔ ایک دفعہ وہ اپنی بیٹیوں سے ملنے گیا۔ پہلے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ

ہو جاتا بلکہ ہم نے انہیں انہی کے لئے ذکر (قرآن) دیا ہے مگر وہ اپنے اس ذکر سے ہی منہ موڑ[۷۳] رہے ہیں۔(۷۱) یا آپ ان سے کچھ مال مانگتے ہیں؟ تو آپ کے لئے آپ کے

بڑی بیٹی کے ہاں گیا تو وہ کہنے لگی۔ اباجان! کافی عرصہ سے بارش نہیں ہو رہی فصل کو پانی کی شدید ضرورت ہے۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ رحمت کی بارش برسا دے۔ ورنہ اگر فصل نہ ہوئی تو ہم تو بھوکوں مر جائیں گے۔ اس نے بیٹی سے دعا کا وعدہ کیا۔ پھر دوسری بیٹی کے ہاں گیا۔ تو وہ کہنے لگی: اباجان! ابھی ابھی ہم نے برتنوں والا آوا چڑھایا ہے۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ ابھی کچھ مدت بارش نہ ہو۔ اگر بارش ہو گئی تو ہمارا بہت نقصان ہو جائے گا" وہ اس کی بات سن کر کہنے لگا: "یا اللہ! جیسے تیری مرضی ہے ویسے ہی کر۔ اپنے کاموں کو تو ہی بہتر جانتا ہے"

اب اگر مشرکوں کی خواہش کا اتباع کیا جائے تو ان کی تو یہ خواہش ہے کہ ان کے معبودوں کو تصرف امور میں شریک سمجھا ہی نہ جائے بلکہ بنا بھی دیا جائے۔ اب بتائیے کہ اس صورت میں یہ نظامِ کائنات ایک ساعت بھی قائم رہ سکتا ہے؟ ایک گھر میں دو منتظم یا ایک مملکت میں دو بادشاہ بھی سما نہیں سکتے تو کیا اس کائنات میں مشرکوں کے سینکڑوں خداؤں کی خدائی سے کائنات کا نظام ایک منٹ بھی چل سکتا ہے۔ حق صرف اس لئے حق ہے کہ لوگ اس کی اتباع کریں نہ یہ کہ حق لوگوں کی خواہشات کی اتباع کرنے لگے۔ اور اگر بفرضِ محال ایسی صورت ہو تو کوئی بات بھی حق نہ رہے گی۔

[۷۳] ❁ قرآن کی تاثیر: عتبہ بن ربیعہ پر قرآن کی آیات کا اثر:۔ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہم نے ان کی طرف قرآن اس لئے نازل کیا تھا کہ وہ ہدایت حاصل کرتے۔ جیسا کہ کفارِ مکہ کہا کرتے تھے کہ اگر ذکر ہماری طرف نازل کیا جائے تو ہم یقیناً دوسری سب قوموں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو جائیں گے۔ (۶:۱۵۷) پھر جب ذکر ان کے پاس آ گیا تو بجائے اس کے کہ اسے قبول کر لیتے اس سے اعراض کرنے لگے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ یہاں ذکر سے مراد عزو شرف ہے اور یہ معنی بھی اکثر مفسرین نے اختیار کیا ہے یعنی ہم نے یہ ذکر تمہاری ہی زبان میں نازل کیا تاکہ تم اسے خوب سمجھ سکو پھر رسول نے تمہیں واضح طور پر بتا دیا کہ اگر تم اس کی تعلیم پر عمل کرو گے تو تم عرب و عجم کے حکمران بن جاؤ گے اور اس کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ، جو ایک معزز قریشی سردار، نہایت بہادر اور فطرتاً نیک دل انسان تھا۔ حرم میں بیٹھ کر اپنے دوسرے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کچھ باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ امید ہے وہ ان میں سے ایک نہ ایک ضرور قبول کر لے گا اور اگر اس نے قبول کر لی تو ہم اس مصیبت سے نجات حاصل کر سکیں گے۔

مشرکوں نے کہا: ابوالولید! ضرور یہ کام کرو۔ چنانچہ آپ ﷺ کے پاس آ کر اس نے چند باتیں پیش کیں۔ جن کی تفصیل کا یہ موقعہ نہیں۔ ان سب باتوں کے جواب میں آپ نے سورہ حم السجدہ کی چند آیات پڑھیں جنہیں عتبہ چپ چاپ سنتا رہا۔ جب آپ اس آیت پر پہنچے ﴿فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ﴾ (۴۱:۱۳) "یعنی اگر یہ لوگ اعراض کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں عاد و ثمود کی کڑک جیسی ایک کڑک کے خطرہ سے آگاہ کر رہا ہوں" تو عتبہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَبِّكَ خَيْرٌ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾ وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ

پروردگار کا دیا[۷۴] ہی بہتر ہے اور وہی بہترین رازق ہے۔(۷۲) اور بلاشبہ آپ انہیں[۷۵] سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہیں۔(۷۳) اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ اس سیدھی راہ سے ہٹ کر چلنا چاہتے ہیں(۷۴) اور اگر ہم ان پر مہربانی کریں اور ان کی تکلیف کو دور کر دیں تو یہ اپنی سرکشی میں اور

کے آنسو بہنے لگے اور آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ قرآن کی یہ آیات اس کے دل کو خوب متاثر کر رہی تھیں اور اسے یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں ایسا عذاب اسی وقت نہ آن پڑے۔ وہ چپ چاپ وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر اب وہ پہلا عتبہ نہ رہا تھا۔ جا کر قریشیوں سے کہنے لگا: محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری نہیں کچھ اور ہی چیز ہے تم اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اگر وہ عرب پر غالب آگیا تو اس میں تمہاری ہی عزت ہے اور اگر وہ خود ہی ختم ہو گیا تو یہی کچھ تم چاہتے ہو" وہ کہنے لگے: "ابوالولید! معلوم ہوتا ہے تم پر بھی اس کا جادو چل گیا۔ (تفسیر ابن کثیر، ج ۶ ص ۱۵۹ تا ۱۶۱)

مگر جب یہ عزو شرف بخشنے والا ذکر آگیا تو انہوں نے اس سے اعراض اور نفرت کا اظہار شروع کر دیا۔

[۷۴] آپ کی دعوت سے ان لوگوں کے انکار کی ایک چوتھی وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ آپ ان سے اپنی اس محنتِ تبلیغ کا معاوضہ مانگتے ہوں اور وہ اسے تاوان سمجھ کر اس سے انکار کر دیں۔ یہ بات بھی نہ تھی۔ نہ صرف یہ کہ آپ بے لوث ہو کر دعوت دین کا کام سرانجام دے رہے تھے بلکہ اس سے کئی مسائل پیدا ہو گئے۔ نبوت سے پہلے آپ تجارت کرتے تھے۔ نبوت کے بعد یہ شغل چھوٹ گیا۔ پہلے آپ مالدار تھے، بعد میں افلاس میں مبتلا ہو گئے۔ پہلے آپ اپنی قوم کی آنکھوں کا تارا تھے۔ بعد میں وہی قوم آپ کی دشمن بن گئی۔ قوم نے آپ سے سمجھوتہ کی خاطر بے شمار مال و دولت قدموں میں ڈھیر کرنے کا لالچ دیا مگر آپ نے اسے ٹھکرا دیا۔ اس سے ان لوگوں کو اتنا بھی پتہ نہیں چل سکتا کہ جو شخص کئی طرح مصیبتیں سہہ کر اور بغیر معاوضہ کے ایسی خدمت سرانجام دے رہا ہے اس کی کوئی غرض دنیا سے وابستہ نہیں ہو سکتی۔ اور جس ہستی کے لئے وہ اتنی مشقتیں برداشت کر رہا ہے اس کا معاوضہ بھی اسی کے ذمہ ہے اور وہ ایسے ذرائع سے رزق مہیا کرتا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے۔

[۷۵] ۞ سیدھی راہ سے مراد:۔ یعنی وہ ایسی موٹی موٹی باتیں ہیں جو ہر پیغمبر پر وحی کی جاتی رہی ہیں۔ ان میں کوئی اینچ پینچ نہیں۔ کوئی پیچیدگی اور ابہام نہیں۔ ان کے دلائل نہایت سادہ اور عام فہم ہیں۔ جو ایک دیہاتی اور بدو کو بھی متاثر کر دیتے ہیں۔ ان کے سمجھنے کے لئے کسی لمبی چوڑی تعلیم کی بھی ضرورت نہیں۔ مثلاً ایک بدو سے کسی نے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ کی ہستی موجود ہے؟" کہنے لگا: "ہاں ہے! پوچھنے والے نے دوبارہ سوال کیا "بھلا کیسے؟" بدو کہنے لگا: اگر ہم راہ میں کوئی اونٹ کی مینگنی پڑی دیکھیں تو ہم اندازہ لگا لیتے ہیں کہ یہاں سے یقیناً کوئی اونٹ گزرا ہے۔ اسی طرح جب ہم یہ کائنات کا اتنا وسیع کارخانہ دیکھتے ہیں تو لازماً اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس کا کوئی بنانے والا ضرور ہونا چاہئے"

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ایک گھر میں دو حاکم ہوں تو اس کا نظام کبھی درست نہیں رہتا پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کائنات

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿٧٥﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنَاهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُونَ ﴿٧٦﴾
حَتَّىٰ إِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيدٍ إِذَا هُمْ فِيهِ مُبْلِسُونَ ﴿٧٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ ع ۴

زیادہ بھٹکتے جائیں گے۔(۷۵) اور ہم نے انہیں عذاب میں مبتلا کیا تو بھی یہ[۷۶] نہ اپنے پروردگار کے سامنے جھکے اور نہ آہ و زاری کی(۷۶) یہاں تک کہ ہم نے ان پر سخت عذاب کا در کھول دیا[۷۷] تو اس حال میں وہ (ہر بھلائی سے) مایوس[۷۸] ہونے لگے۔(۷۷) وہی تو ہے جس نے تمہیں کان،

میں اللہ کے سوا کچھ اور بھی مالک و مختار ہوں؟ اگر ایسی صورت ہو تو کائنات کا نظام تو ایک دن بھی نہ چل سکے۔

اسی طرح ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اور ہر زمانہ میں مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا کرتا رہتا ہے۔ انسان جو غذائیں کھاتا ہے سب بے جان ہیں۔ کئی مراحل کے بعد انہیں غذاؤں سے نطفہ بنتا ہے۔ پھر اسی نطفہ سے ایک جیتا جاگتا انسان پیدا ہو جاتا ہے۔ جس میں اس کے ماں باپ کے خصائل و عادات اور نقش وغیرہ تک کی جھلک موجود ہوتی ہے۔ اسی سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ جو کام اس دنیا میں ہر آن ہمارے سامنے ہو رہے ہیں وہ آخر انسان کی موت کے بعد کیوں ناممکن ہیں۔ غرض دین کی اصولی تعلیمات پر غور فرمایئے تو سب باتیں سیدھی، سادہ اور عام فہم نظر آئیں گی اور یہی اصولی باتیں ہی اللہ کی سیدھی راہ ہے۔

[۷۶] ۞ کفارِ مکہ پر قحط:۔ جب ابتدائے اسلام میں ہی کفار مکہ نے مسلمانوں اور پیغمبر اسلام پر مصائب ڈھانا شروع کئے اور یہاں تک مخالفت کی کہ ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حضور ان کے حق میں بددعا کی اور فرمایا: یا اللہ! ان پر سیدنا یوسف علیہ السلام والے قحط کے سات سال مسلط کر" چنانچہ آپ کی دعا قبول ہو گئی تو ان پر قحط کا عذاب آ گیا۔ بارشیں رک گئیں۔ باہر سے غلہ آنا بھی رک گیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ یہ لوگ مردار، ہڈیاں اور خون تک کھانے پر مجبور ہو گئے مگر بھوک پھر بھی نہ مٹتی تھی۔ لوگ بھوکوں مرنے لگے اور بھوک کی وجہ سے اتنے کمزور ہو گئے کہ آسمان کی طرف نظر اٹھاتے تو انہیں دھواں نظر آتا تھا۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن میں متعدد مقامات پر آیا ہے اور سورہ دخان میں صراحت سے مذکور ہے۔ بالآخر ابوسفیان آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا تم تو رشتہ جوڑنے کی تاکید کرتے رہتے ہو اور ہم تمہاری ہی برادری ہو کر بھوکوں مر رہے ہیں ہمارے لئے اللہ سے رحم کی دعا کرو" چنانچہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی اور اللہ نے رحم کر دیا۔ بارشیں بھی شروع ہو گئیں اور باہر سے غلہ آنا بھی اور بھلے دن آ گئے پھر کفار مکہ سب باتیں بھول گئے اور پھر پہلے کی طرح مسلمانوں کو دکھ دینا شروع کر دیا۔

[۷۷] سخت عذاب سے مراد وہ مار ہے جو کافروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں پڑتی رہی اور جس کا آغاز غزوہ بدر سے ہوا تھا۔

[۷۸] ۞ بلس کے معنی مایوسی کی وجہ سے انتقام پر اتر آنا:۔ لفظ مُبْلِسُوْنَ آیا ہے اور بلس کے معنی غم کی وجہ سے سخت مایوس ہو جانا یا سخت مایوسی کی وجہ سے غمگین ہونا پھر اسی مایوسی کی بنا پر برافروختہ ہو جانا یا بھڑک اٹھنا۔ سعدی کا ایک شعر ہے۔

نہ بینی کہ چوں گربہ عاجز شود ..... برآرد بچنگال چشم پلنگ

ترجمہ: تم دیکھتے نہیں کہ چیتے کے مقابلہ میں جب بلی عاجز ہو جاتی ہے اور اسے اپنی موت کا یقین ہو جاتا ہے تو چیتے پر حملہ کر کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝۷۸ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۷۹ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۸۰

آنکھیں اور دل[۷۹] عطا کئے (تاکہ تم سنو، دیکھو اور غور کرو) مگر تم لوگ کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔(۷۸) اور وہی ذات ہے جس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا اور اسی کی طرف تم اکٹھے کئے[۸۰] جاؤ گے۔(۷۹) اور وہی ہے جو زندہ کرتا اور مارتا[۸۱] ہے اور رات اور دن کا باری باری آتے رہنا اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ کیا تم کچھ بھی نہیں سمجھتے؟(۸۰)

اپنے پنجہ سے اس کی آنکھ نکال دیتی ہے) یعنی ان کافروں کی یہ حالت ہے کہ جوں جوں انہیں مار پڑتی ہے اور انہیں اپنی کامیابی کے امکان ختم ہوتے نظر آتے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ سیدھی راہ اختیار کریں مزید برافروختہ ہو جاتے ہیں۔ اور دوسری اقوام اور دوسرے مشرک قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر اجتماعی طور پر مسلمانوں پر حملہ آور ہو کر انہیں صفحہ ہستی سے مٹا ڈالنے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔

[۷۹] یعنی اللہ نے تمہیں آنکھیں، کان اور دل اس لیے نہیں دیئے تھے کہ تم ان سے اتنا ہی کام لو جتنا جانور لیتے ہیں۔ دیکھو تو صرف وہ چیز دیکھو جس سے تمہیں دنیوی فائدہ نظر آتا ہو۔ اور سنو تو بھی ایسی ہی بات سنو اور سوچو تو صرف اپنے کاروبار اور روزگار کی بات سوچو یا یہ فکر کرو کہ کون کون سے وسائل سے تمہاری آمدنی کے ذرائع میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ آخر اللہ نے تمہیں جانوروں سے کچھ زائد قوتیں بھی عطا فرمائی ہیں ان سے تم نے کیا کام لیا؟ اللہ نے تمہیں آنکھیں اس لئے دی تھیں کہ اپنی دنیوی ضرورتیں ہی پوری کرو مگر کائنات میں ہر سو بکھری ہوئی اللہ کی نشانیوں کو بھی دیکھو۔ منزل من اللہ آیات کو اپنے کانوں سے غور سے سنو۔ پھر ان تمام نشانیوں میں غور و فکر کر کے معرفت الٰہی حاصل کرو اور اس کا شکر بجالاؤ۔ جانوروں کی طرح ان قوتوں کو محض دنیوی مفادات میں کھپا دینا جہاں ایک طرف اللہ کی ناشکری پر دلالت کرتا ہے وہاں اس بات پر بھی دلالت کرتا ہے کہ تم اپنے آپ کو جانوروں سے بھی بدتر مخلوق ثابت کر رہے ہو۔

[۸۰] یعنی تمہیں ایک نفس سے پیدا کر کے تمام روئے زمین پر پھیلا دیا اور یہ پھیلاؤ کا عمل تا قیامت جاری رہے گا۔ اب جو ذات تمہیں پھیلا سکتی ہے، وہ تمہیں سمیٹ کر اپنے ہاں اکٹھا بھی کر سکتی ہے اور جو کچھ تم اس دنیا میں کرتے رہے اس پر مواخذہ بھی کر سکتی ہے۔

[۸۱] ۞ گردش لیل و نہار:۔ یعنی وہ اس دنیا میں ہر آن مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا کرتا رہتا ہے۔ اگر تم سوچو تو اپنی ذات اور اپنے گرد و پیش میں بیسیوں ایسی مثالیں مل سکتی ہیں۔ نیز وہ اندھیرے میں سے اجالا نکالتا ہے اور اجالے کو پھر اندھیرے میں گم کر دیتا ہے۔ دن رات کا باری باری آنا، دنوں کی مقدار میں کمی شروع ہونا اور راتوں کا بڑھنے لگنا اور اس کے برعکس راتوں کا گھٹنے لگنا اور دنوں کا بڑھنے لگنا پھر موسموں کا تغیر و تبدل یہ سب چیزیں اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ پھر تمہیں یہ سمجھ نہیں آسکتی کہ جو ہستی اس قدر قدرتوں کی مالک ہے تمہیں اپنے پاس اکٹھا کر کے حاضر کر لینے کی بھی قدرت رکھتی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا
لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾
قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾
قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ﴿۸۶﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

بلکہ انہوں نے بھی وہی کچھ کہہ دیا جو ان کے پیشرو کہہ چکے ہیں(۸۱) کہ: "جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو ہمیں[۸۲] پھر زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟(۸۲) یہ بات تو ہمیں اور اس سے پیشتر ہمارے آباء واجداد کو بھی کہی گئی تھی۔ یہ تو محض پرانے افسانے ہیں۔"(۸۳) آپ ان سے پوچھئے کہ: اگر تمہیں کچھ علم ہے تو بتاؤ کہ زمین اور جو کچھ اس میں ہے وہ کس کا ہے؟(۸۴) وہ فوراً کہہ دیں گے کہ "اللہ کا" آپ کہئے پھر تم نصیحت قبول کیوں[۸۳] نہیں کرتے؟(۸۵) پھر ان سے پوچھئے کہ: سات آسمانوں اور عرشِ عظیم کا مالک کون ہے؟(۸۶) وہ فوراً کہہ دیں گے کہ یہ (سب کچھ) اللہ ہی کا ہے۔ آپ کہئے پھر تم اللہ سے ڈرتے کیوں نہیں؟[۸۴](۸۷)

موجودہ نظریہ کے مطابق ہماری زمین کی دو قسم کی گردشیں ہیں ایک روزانہ یعنی ۲۴ گھنٹے میں اپنے محور کے گرد اور دوسری سالانہ سورج کے گرد ساڑھے چھیاسٹھ ڈگری کا زاویہ بناتے ہوئے۔ اسی سے دن رات وجود میں آتے ہیں اور موسموں میں تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ یہ تو محض نظریہ کا فرق ہے جہاں تک اللہ کی قدرت کا تعلق ہے اس کا بہر حال ہر ایک کو اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے۔ بلکہ موجودہ نظریہ میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جس نے ہماری زمین اور اس سے بھی بہت بڑے اجرام فلکی کو اس طرح مصروف گردش بنا رکھا ہے جس سے وہ سرِ مو نہ تجاوز کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں۔

[۸۲] کفار مکہ سے جب بدوی لوگ پوچھتے کہ تم میں جو نبی پیدا ہوا ہے اس کی تعلیم کیا ہے؟ تو وہ کہہ دیتے کہ اس میں کوئی نئی بات تو ہے نہیں وہی پرانے لوگوں کی داستانیں اور قصے کہانیاں ہیں جو ہم پہلے بھی سنتے آئے ہیں۔ اور یہ بات وہ اس لئے کہتے تھے کہ انبیاء کی بنیادی اور اصولی تعلیم ایک ہی جیسی رہی ہے۔ ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ خود بھی تو اپنے پیغمبر کو وہی بات کہہ رہے ہیں جو ان کے آباء واجداد انبیاء کی مخالفت میں کہتے چلے آئے ہیں کہ "جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا پھر ہمیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا؟" یہ خود بھی تو وہی پرانی گھسی پٹی بات دہرا رہے ہیں۔ دلیل کے ساتھ انہیں کوئی نیا جواب میسر نہیں آ رہا۔ پھر کیا ان کا یہ قول بھی پرانے افسانے ہی نہیں؟ جو محض تقلید آباء کے طور پر کہا جاتا ہے۔

[۸۳] انہیں خود اس بات کا اعتراف ہے کہ زمین اور اس میں جو کچھ موجود ہے وہ اللہ ہی کی ملکیت ہے وہ خود بھی جو زندہ ہیں اور اس زمین پر چل پھر رہے ہیں اور وہ بھی جو مر کر زمین کے اندر چلے گئے ہیں خواہ وہ مٹی میں مل کر مٹی ہی بن چکے ہوں سب کچھ اللہ کے قبضۂ قدرت اور اس کی ملکیت میں ہیں۔ پھر وہ یہ بات کیوں تسلیم نہیں کرتے کہ اللہ اس مٹی سے جس میں ان کا وجود مل چکا ہے انہیں دوبارہ پیدا کر دے۔

[۸۴] پہلی آیت میں صرف زمین اور اس میں موجودات کی ملکیت کے متعلق سوال تھا۔ اس آیت میں پوری کائنات کی ملکیت کا سوال ہے۔ کفار مکہ کو یہ بھی اعتراف تھا کہ اس پوری کائنات کا مالک و مختار صرف اللہ تعالیٰ ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان کے معبودوں کے اس کائنات میں تصرف کے اختیار کہاں سے آ گئے؟ انہیں اس بات سے ڈر نہیں لگتا کہ اللہ کے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾
سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ مَا اتَّخَذَ

پھر ان سے پوچھئے کہ اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ' ہر چیز پر حکومت کس کی ہے؟[۸۵] اور وہ کون ہے جو پناہ دیتا ہے مگر اس کے مقابلہ میں کسی کو پناہ نہیں مل سکتی؟(۸۹) وہ فوراً کہیں گے اللہ ہی ہے۔ آپ کہئے پھر تم پر کہاں سے جادو چل جاتا ہے؟[۸۶](۸۹) بلکہ ہم تو ان کے پاس حق لے کر آئے ہیں اور یقیناً یہی جھوٹے[۸۷] ہیں۔(۹۰)

تصرف واختیار میں ایسی چیزوں کو شریک بنا رہے ہیں۔ جو دوسروں کے تو کیا، اپنے بھی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ ایسے صریح ظلم اور اس کے انجام سے انہیں ڈر نہیں لگتا؟

[۸۵] ملکوت کا لغوی معنی:۔ اس آیت میں ملکوت کا لفظ استعمال ہوا ہے جس میں مُلک، مِلک اور مَلک تینوں معنی پائے جاتے ہیں۔ نیز یہ جو مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا مطلب ہے ہر چیز پر مکمل حاکمیت یا بادشاہی۔ ہر چیز کی پوری کی پوری ملکیت اور ہر چیز پر پورے کا پورا اختیار و تصرف۔ لہٰذا وہ جو نسی بھی چیز کو چاہے اسے اپنی پناہ میں لے سکتا ہے اور کوئی دوسرا اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ مگر جس چیز کو وہ پکڑے تو اسے نہ کوئی اس سے چھڑا سکتا ہے اور نہ ہی پکڑنے سے پیشتر پناہ دے سکتا ہے۔

اس آیت میں مشرکین مکہ کے اعتراف سے معلوم ہوا کہ ان کا عقیدہ تھا کہ جس کو اللہ پکڑ لے اس کو نہ کوئی پناہ دے سکتا ہے اور نہ چھڑا سکتا ہے۔ مگر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج کے مشرکین، مکہ کے مشرکوں سے بھی آگے نکل گئے ہیں جو یہ کہتے ہیں:

خدا جے پکڑے چھڑائے محمد محمد جے پکڑے چھڑا کوئی نہیں سکدا

یعنی اگر اللہ کسی کو پکڑ لے تو اسے محمد (ﷺ) چھڑا لیں گے اور اگر محمد (ﷺ) پکڑ لیں تو اسے کوئی چھڑا نہیں سکتا۔

اس شعر سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی پکڑنے اور لوگوں سے مواخذہ کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔ دوسری یہ کہ ان کے یہ اختیارات اتنے وسیع ہیں کہ ان کے پکڑے ہوئے کو کوئی (یعنی اللہ تعالیٰ جیسا کہ شعر میں محمد کے مقابلہ پر خدا کا لفظ استعمال ہوا ہے) بھی چھڑا نہیں سکتا۔ پھر جب اس شعر پر اعتراض کیا جاتا ہے تو اس کی ایسی توجیہ بیان کر کے اسے درست ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو "عذر گناہ، بدتر از گناہ" کا مصداق ہوتی ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا رد پیش کیا جا رہا ہے۔

[۸۶] زیادہ خداؤں کا نتیجہ نظامِ کائنات کا درہم برہم ہونا ہے:۔ کفارِ مکہ یہ بھی تسلیم کرتے تھے کہ ہر چیز کی ملکیت اور اس پر پورے کا پورا اختیار و اقتدار اللہ ہی کو ہے۔ پھر یہ لوگ دوسروں کو اللہ کے اختیار و تصرف میں شریک کر کے اپنی مسلمہ بات کی خود ہی تردید بھی کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کو مخاطب کر کے پوچھ رہے ہیں کہ تم جو اپنے پیغمبر کو کبھی ساحر اور کبھی مسحور کہتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ مسحور پیغمبر نہیں بلکہ مسحور تم خود ہو۔ جو ایسی حقیقت کا انکار کر رہے ہو جس کا تمہیں خود بھی اعتراف ہے۔ اور جسے تم حقیقت سمجھ رہے ہو وہ تو محض تمہارے باطل نظریات ہیں۔ حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود حقیقت تم سے اوجھل ہے۔ ایسا جادو آخر کہاں سے تم پر چل گیا ہے؟

[۸۷] سابقہ آیات میں تین باتوں کا اعتراف کرنے سے مشرکین پر حجت قائم ہو جاتی ہے ایک طرف تو وہ یہ اعتراف کرتے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اللّٰہُ مِنۡ وَّلَدٍ وَّمَا کَانَ مَعَہٗ مِنۡ اِلٰہٍ اِذًا لَّذَہَبَ کُلُّ اِلٰہٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعۡضُہُمۡ عَلٰی
بَعۡضٍ ؕ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الۡغَیۡبِ وَالشَّہَادَۃِ فَتَعٰلٰی عَمَّا یُشۡرِکُوۡنَ ﴿۹۲﴾ قُلۡ

اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا[۸۸] اور نہ ہی اس کے ساتھ کوئی اور الٰہ ہے۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ہر الٰہ اپنی مخلوق کو لے کر الگ ہو جاتا[۸۹] اور ان میں سے ہر ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا۔ اللہ تو ان باتوں سے پاک ہے۔ جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں(۹۱) وہ سب پوشیدہ اور ظاہر باتوں کا جاننے والا[۹۰] ہے اور جن چیزوں کو یہ لوگ شریک ٹھہراتے ہیں ان سے وہ بالاتر ہے۔(۹۲)

ہیں کہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور ہر طرح کا تصرف و اختیار اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے معبودوں کا بھی مالک اللہ تعالیٰ ہے اور وہ بھی ایسے ہی مملوک ہیں جیسے کائنات کی دوسری اشیاء اور مخلوقات اور مملوک کبھی مالک کے اختیارات میں شریک نہیں ہو سکتا۔ یہی وہ حق بات ہے جو ہم نے انہیں بتائی ہے اور جس کا اعتراف وہ خود کر رہے ہیں۔ رہے ان کے زبانی دعوے کہ ان کے معبود بھی کچھ اختیارات رکھتے ہیں تو وہ اپنے اقرار و اعتراف کی بنا پر بھی جھوٹے قرار پاتے ہیں۔

[۸۸] جبکہ مشرکین اپنی دیویوں لات، منات اور عزیٰ کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے اور باقی ممالک کے مشرکین نے تو ایسی دیو مالا تیار کی کہ اللہ کی نسل ہی چلا دی۔ عیسائیوں نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا قرار دیا اور یہود نے سیدنا عزیر علیہ السلام کو۔ اب ظاہر ہے کہ بیٹا مملوک نہیں ہوتا بلکہ شریک ہوتا ہے۔ اب ایک طرف تو مشرکین مکہ یہ اعتراف کرتے ہیں کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے اور ہر چیز اس کی مملوک ہے۔ لہٰذا اگر ہر چیز کو مملوک مان لیا جائے تو کوئی بھی چیز اس کی اولاد نہیں ہو سکتی۔ یا پھر اس کلیہ سے دستبردار ہونا پڑے گا کہ ہر چیز کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔

[۸۹] اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو الٰہ ماننے سے مشکل یہ پیش آتی ہے کہ الٰہ صرف وہی ہو سکتا ہے جس کے پاس کچھ اختیارات بھی ہوں۔ اس طرح اللہ کے علاوہ بہت سے اصحاب اختیار و اقتدار سامنے آجاتے ہیں اور ہر ایک کی یہ کوشش ہوگی کہ دوسرے کو مات کر کے خود غالب آجائے پھر جس مخلوق پر کسی الٰہ کا اختیار چلتا ہوگا یقیناً وہ اسے اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے گا۔ اور اقتدار کی اس جنگ میں لامحالہ کائنات کا نظام بھی تباہ ہو کے رہے گا۔ لیکن چونکہ کائنات کے نظام میں ہم آہنگی اور استقلال پایا جاتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ دوسرے معبودوں اور ان کے اختیارات کا عقیدہ باطل اور لغو ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ان بیہودگیوں سے پاک ہے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

[۹۰] یعنی اللہ کے علاوہ اگر کسی اور ہستی کے پاس رتی بھر بھی اختیارات ہوتے تو اس کا سب سے پہلے علم اللہ کو ہی ہو سکتا تھا کیونکہ وہ تو موجود اشیاء اور موجودہ علم کے علاوہ غیر موجود اشیاء اور نامعلوم علم کا بھی جاننے والا ہے اور اس سے کوئی چیز بھی مخفی رہنا ناممکنات سے ہے۔ اور اپنی اس وسعت علم کی بنا پر ہی یہ فرما رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ نہ کوئی الٰہ ہو سکتا ہے نہ کسی کے پاس کسی قسم کا کوئی اختیار ہے لہٰذا مشرکوں کے ان بیہودہ عقائد سے اللہ کی شان بہت بلند و بالا ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَّبِّ إِمَّا تُرِيَنِّي مَا يُوعَدُونَ ﴿٩٣﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِي فِي الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٩٤﴾ وَإِنَّا عَلَىٰ
أَن نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقَادِرُونَ ﴿٩٥﴾ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۚ نَحْنُ أَعْلَمُ بِمَا
يَصِفُونَ ﴿٩٦﴾ وَقُل رَّبِّ أَعُوذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ ﴿٩٧﴾ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحْضُرُونِ ﴿٩٨﴾

(اے پیغمبر!) آپ یہ دعا کیجئے کہ: "پروردگار! جس عذاب کی انہیں دھمکی دی جارہی ہے اگر وہ میری موجودگی پر آجائے (۹۳) تو اے پروردگار! مجھے [۹۱] ان ظالموں میں شامل نہ کرنا" (۹۴) اور جس عذاب کی انہیں دھمکی دی جارہی ہے وہ عذاب آپ کو دکھانے پر [۹۲] ہم پوری قدرت رکھتے ہیں۔ (۹۵) آپ بُری بات کے جواب میں بھی ایسی بات کہئے جو بہت اچھی ہو [۹۳] جو کچھ یہ لوگ بیان کرتے ہیں ہم اسے خوب جانتے ہیں۔ (۹۶)

نیز یہ دعا کرتے رہئے کہ: پروردگار! میں شیطان کی اکساہٹوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں (۹۷) اور اس بات سے بھی آپ کی پناہ مانگتا ہوں کہ وہ [۹۴] میرے پاس آئیں (۹۸)

[۹۱] اس آیت میں بھی اگرچہ خطاب بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن یہ ہدایت عام مومنوں کے لئے ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اکثر یہ انداز اختیار کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرکین جس طرح اللہ کے حق میں یہ گستاخیاں کر رہے ہیں، عین ممکن ہے کہ ان پر کوئی آفت آکر رہے۔ لہٰذا مومنوں کو یہ ہدایت کی گئی کہ ایسے حالات میں وہ اللہ سے دعا کرتے رہیں کہ اگر ظالموں پر عذاب آئے تو اللہ انہیں اس عذاب سے بچانے کی کوئی صورت پیدا فرمادے۔

[۹۲] کفارِ مکہ پر اس قسم کے عذاب کا آغاز غزوۂ بدر سے ہی ہو گیا تھا۔ اور اختتام حجۃ الوداع کے دن اعلان براءت پر ہوا۔ جس کی رو سے مشرکین مکہ ہی نہیں بلکہ عرب بھر کے مشرکوں کو چار ماہ کی مہلت دی گئی کہ اس عرصہ کے اندر خواہ وہ اسلام قبول کرلیں یا جزیرۃ العرب کو خالی کردیں اور یہاں سے نکل جائیں۔ یا پھر ان سے جہاد کر کے ان کا کلی استیصال کر دیا جائے گا۔ یہ تو وہ عذاب تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ان پر نازل ہوا اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں تو آس پاس کے ممالک سے شرک اور مشرکین کا کلی طور پر خاتمہ ہو گیا اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

[۹۳] یعنی اگرچہ ہم اس بات پر قادر ہیں کہ آپ کے جیتے جی انہیں وہ عذاب چکھادیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ مگر ہنوز وہ وقت نہیں آیا ابھی آپ کے لئے بہتر حکمتِ عملی یہی ہے کہ آپ ان مشرکوں کے برے سلوک اور ناگوار اور تلخ باتوں کا جواب بھلائی سے دیں ابھی ان میں کئی لوگ ایسے موجود ہیں جن کے لئے ہدایت مقدور ہو چکی ہے۔

ربطِ مضمون کے لحاظ سے اس کا مطلب وہی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ تاہم داعی حق کے لئے یہ ایک نہایت قیمتی اصول ہے اور اس کا نتیجہ ہمیشہ خوشگوار نکلتا ہے اسی اصول کو قرآن نے ایک دوسرے مقام پر یوں بیان فرمایا ہے۔ آپ برائی کا جواب بھلائی سے دیا کیجئے اس طرح تمہارا دشمن بھی تمہارا دلی دوست بن جائے گا" (۴۱: ۳۴) نیز یہ جملہ ایک ایسی آفاقی حقیقت (Universal Truth) ہے۔ جس کا ہر شخص، ہر حال میں اور ہر زمانہ میں تجربہ کر کے اس کے خوشگوار اثرات سے مستفید ہوتا رہا ہے اور ہو سکتا ہے۔ پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ یہ اصول جتنا مفید ہے اتنا ہی اس پر عمل پیرا ہونا مشکل ہے۔ یہ ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ صاحبِ عزم انسان ہی اس پر عمل پیرا ہو سکتے ہیں۔

[۹۴] سابقہ آیات میں ان دشمنوں کا ذکر تھا جو انسانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ خود بھی اور ان کے معاندانہ اعمال وافعال بھی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۭ اِنَّهَا
كَلِمَةٌ هُوَ قَاۗىِٕلُهَا ۭ وَمِنْ وَّرَاۗىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ

(یہ لوگ اپنی کارستانیوں میں لگے رہیں گے) یہاں تک کہ ان میں سے کسی کو جب موت آئے گی تو کہے گا: پروردگار! مجھے دنیا میں [۹۵] واپس بھیج دے (۹۹) جسے میں چھوڑ آیا ہوں امید ہے کہ اب میں نیک عمل کروں گا (اللہ تعالیٰ فرمائیں گے) "ایسا ہرگز نہیں [۹۶] ہو سکتا" یہ بس ایک بات ہو گی جسے اس نے کہہ دیا۔ اور ان (مرنے والوں) کے درمیان دوبارہ جی اٹھنے کے دن تک ایک آڑ [۹۷] حائل ہو گی۔ (۱۰۰) پھر جب صور پھونکا جائے گا تو ان کے درمیان

سب کچھ کم از کم نظر تو آتے ہیں اور انسان ان کا مداوا بھی سوچ سکتا ہے ان دو آیات میں ان دشمنوں کا ذکر ہے جو جنوں یا شیطانوں سے تعلق رکھتے ہیں اور جو انسانوں کے جسم میں داخل ہو کر برے خیالات اور برے ارادوں کے ذریعہ یوں حملہ آور ہوتے ہیں کہ انسان نہ انہیں دیکھ سکتا ہے اور نہ ان کی کارکردگی کو۔ اور بعض دفعہ انسان ایسے دشمن کی اکساہٹ پر کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتا ہے جو اس کے برسوں کے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ ایسے دشمن کے حملہ سے بچاؤ کا طریقہ یہ ہے کہ انسان اللہ کی پناہ میں آجائے۔ اور یہ دعا کرتا رہے جو ان دو آیات میں سکھائی گئی ہے۔

[۹۵] رَبِّ ارْجِعُوْنِ میں اپنے پروردگار سے ندا کے بعد جمع مذکر کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ رَبِّ ارْجِعْنِیْ نہیں استعمال کیا گیا۔ جس کا غالباً ترجمہ و مطلب یوں بنتا ہے کہ اے میرے پروردگار! میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ یہ فرشتے جو میری جان نکالنے آئے ہیں یہ مجھے دنیا میں واپس لوٹا دیں" اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بے شمار مقامات پر فرشتوں کے عمل کو اپنا ہی عمل قرار دیتے ہوئے اس کی نسبت اپنی طرف بھی کی ہے اس لحاظ سے یہ ترجمہ بھی درست ہے کہ اے میرے پروردگار! مجھے دنیا میں واپس بھیج دے۔

[۹۶] کلا یہاں دو معنی دے رہا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ چونکہ مرنے کے بعد دوبارہ کسی انسان کو اس دنیا میں واپس بھیجنا میرے قانون اور میری مشیت کے خلاف ہے۔ لہٰذا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرا یہ کہ یہ جو مرنے والا کہہ رہا ہے کہ میں اب دنیا میں جا کر برے اعمال کے بجائے نیک اعمال بجا لاؤں گا تو یہ ایک بے کار سی بات ہے۔ کیونکہ موت کے وقت کے حالات کا مشاہدہ کر لینے اور فرشتوں کو دیکھ لینے کے بعد تو ایمان بالغیب رہتا ہی نہیں۔ اور مطلوب ایمان بالغیب ہے نہ کہ ایمان بالشہادۃ۔ موجود اور دیکھی ہوئی چیز کا اقرار تو ہر شخص کر لیتا ہے اور اسے ایمان یا ایمان بالغیب نہیں کہہ سکتے نہ ہی اس صورت میں یہ دنیا دار الامتحان رہتی ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ انسان کی عادت ہے کہ مصیبت کے وقت اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے پھر جب وہ مصیبت دور ہو جائے اور خوشحالی میسر ہو تو وہ مصیبت کے اوقات اور اس مصیبت میں اللہ سے کئے ہوئے وعدے وغیرہ سب کچھ بھول جاتا ہے۔ اور اس صورت کی عام مشاہدہ سے بھی تائید ہو جاتی ہے۔ اور قرآن کریم کی کئی آیات سے بھی۔ اس لحاظ سے بھی کسی مرنے والے انسان کو دوبارہ دنیا میں بھیجنا بے کار ہے۔ لہٰذا موت کے وقت جو کچھ وہ مرنے والا کہہ رہا ہے محض ایک بکواس ہی ہو گی جس کا کچھ فائدہ نہ ہو گا۔

[۹۷] ۞ برزخ زمانی از موت تا قیامِ قیامت:۔ یہاں برزخ کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا معنی پردہ، آڑ، روک وغیرہ ہے اور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ

کوئی رشتہ نہ رہے گا اور نہ ہی اس دن کوئی ایک دوسرے[98] کا حال پوچھے گا۔(۱۰۱) اس دن جن کے پلڑے بھاری ہوں گے وہ تو کامیاب ہوں گے۔(۱۰۲) اور جن کے ہلکے ہوں گے تو یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو[99] خسارے میں رکھا وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔(۱۰۳) جہنم کی آگ ان کے چہروں کو جھلس

بعض کے نزدیک یہ فارسی لفظ پردہ ہی کا معرب ہے۔ لیکن، روک یا پردہ ایسا نہیں جیسے دو چیزوں کے درمیان کوئی کپڑا لٹکا کر یا دیوار بنا کر ہر چیز کو دوسری سے اوجھل کر دیا جاتا ہے۔ جبکہ اس روک میں ایک طویل مدت زمانی بھی شامل ہے۔ اور یہ برزخ کسی انسان کی موت کے وقت سے لے کر اس کے دوبارہ جی اٹھنے تک کے زمانہ کو محیط ہے۔ اہل برزخ سے عالم دنیا بھی اوجھل ہوتا ہے اور عالم عقبیٰ بھی۔ اس عالم برزخ کو اللہ تعالیٰ نے موت کے زمانہ سے تعبیر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس عرصہ کے دوران موت کے اثرات غالب ہوتے ہیں۔ تاہم روح چونکہ زندہ ہی رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہوتی ہے لہٰذا اس عرصہ میں بھی زندگی کے تھوڑے بہت آثار پائے جاتے ہیں۔ اس عرصہ میں بہت کو عذاب و ثواب بھی ہوتا ہے لیکن یہ عذاب و ثواب قیامت کے عذاب و ثواب کی نسبت بہت ہلکا ہوتا ہے اسی عرصہ کے عذاب کو عذابِ قبر کہتے ہیں خواہ میت کا جسم قبر میں موجود ہو یا گل سڑ گیا ہو یا درندوں نے کھا لیا ہو یا پانی کی تہہ میں چلا گیا ہو۔

[98] ۞ قیامت کے دن سب رشتہ داریاں بھول جائیں گی:۔ جب دوسری بار صور پھونکا جائے گا تو یہی دن مردوں کا اپنی قبروں سے جی کر اٹھنے اور اللہ کے حضور حاضر کئے جانے کا دن ہوگا اسی دن کو قیامت کا دن کہا جاتا ہے یہ دن چونکہ ہمارے موجودہ حساب کے مطابق پچاس ہزار برس کا ہوگا۔ لہٰذا اس مدت میں انسان کو بہت سی قسم کے حالات اور واقعات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس آیت میں جو کیفیت بیان کی گئی ہے وہ زندہ ہونے کے بعد ابتدائی کیفیت ہے۔ اس وقت دہشت اور ہولناکی اس قدر زیادہ ہوگی کہ ہر ایک کو اپنی اپنی ہی پڑی ہوگی۔ سب رشتہ داریاں بھول جائیں گی۔ بلکہ ہر آدمی اپنے حقیقی رشتہ داروں سے بھی الگ رہنے اور دور بھاگنے کی کوشش کرے گا ایک دوسرے کا حال پوچھنا تو دور کی بات ہے۔

[99] ۞ میزان الاعمال کے نتائج:۔ ان دو آیات میں قیامت کے دن کا ایک دوسرا منظر سامنے لایا گیا ہے۔ جبکہ ہر شخص کے اعمال کا ٹھیک ٹھیک وزن کیا جائے گا اور پلڑا بھاری ہونے سے یہاں مراد نیکیوں والا پلڑا ہے۔ اور اصل چیز جو اس پلڑے کو بھاری اور وزن دار بنا سکتی ہے وہ کلمہ توحید اور اس پر استقامت ہے۔ پھر اسی کے مطابق اعمال صالح اس کی تائید مزید کریں گے۔ نیکیوں کا پلڑا جھکتے ہی فوراً صاحب عمل کو معلوم ہو جائے گا کہ وہ دنیا کے امتحان میں پاس ہو گیا ہے اور اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ اور جس کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہونے کی وجہ سے اوپر اٹھ گیا اور برائیوں کا پلڑا بھاری ہوا تو ایسے لوگ اس امتحان میں فیل اور ناکام ہو جائیں گے پھر ایک تو اس ناکامی پر انہیں افسوس اور حسرت ہوگی، دوسرے اس کے نتیجہ میں جہنم کا عذاب ان کے لئے پہلے ہی تیار ہوگا اور ان کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہوگی کہ وہ اللہ کی توحید کے اقرار کے ساتھ شرک بھی کرتے رہے ہوں گے اور خسارہ کی صورت یہ ہوگی کہ وہ اچھے عمل بھی کرتے رہے، محنت بھی کی مگر شرک کی آمیزش کی وجہ سے وہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾
قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا
فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قَالَ اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ
رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى

دے گی۔ اور ان کے جبڑے باہر [۱۰۰] نکلے ہوں گے (۱۰۴) (انہیں کہا جائے گا) کیا تم پر میری آیات نہیں پڑھی جاتی تھیں تو تم انہیں جھٹلا دیا کرتے تھے؟ (۱۰۵) وہ کہیں گے: "ہمارے پروردگار! ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی تھی اور ہم واقعی گمراہ لوگ تھے۔ (۱۰۶) پروردگار! ہمیں اس آگ سے نکال۔ اگر ہم دوبارہ ایسا [۱۰۱] قصور کریں تو واقعی ہم ظالم ٹھہرے" (۱۰۷) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "مجھ سے دفع ہی رہو [۱۰۲] اور اسی آگ میں پڑے رہو اور مجھ سے بات بھی نہ کرو۔ (۱۰۸) (بات یہ ہے) جب میرے کچھ بندے یہ کہتے تھے کہ: اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لائے، ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما کیونکہ تو ہی سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے (۱۰۹) تو تم لوگ ان کا مذاق اڑاتے تھے [۱۰۳] حتی کہ

اعمال ان کے کام بھی نہ آئے۔ الٹا جہنم کے عذاب سے دوچار ہونا پڑ گیا۔

[۱۰۰] ❁ کَلَحَ کا لغوی مفہوم:۔ کلح کا لغوی معنی بدشکل ہونا یا حلیہ کا اس طرح بگڑ جانا ہے جس سے انسان بدصورت اور ڈراؤنا معلوم ہو۔ وہ یوں کہ اوپر کا ہونٹ اوپر کو اٹھ جائے اور نیچے کا نیچے کو اور بڑے بڑے دانت سامنے نظر آئیں جیسے ابھی کسی کو پھاڑ کھائے گا۔ یعنی جہنم کی آگ ان کے چہروں کا اس طرح حلیہ بگاڑ کے رکھ دے گی۔

[۱۰۱] ظالم لوگ موت کے وقت بھی دوبارہ دنیا میں واپس جانے کی التجا کریں گے جیسا کہ اس سورہ کی آیت نمبر ۱۰۰ میں گزر چکا ہے اور دوزخ میں داخل ہونے کے وقت بھی۔ لیکن ان کی یہ التجا کن وجوہ کی بنا پر ناقابل قبول ہوگی، اس کی تشریح مذکورہ بالا آیت کے حاشیہ میں ملاحظہ فرما لیجئے۔

[۱۰۲] ❁ خسأ کا لغوی مفہوم:۔ خسأ کا لفظ کتے اور سور کو دھتکارنے کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے ہم پنجابی زبان میں کتے کو دھتکارنے یا دفع کرنے کے لئے "دُر دُر" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ پھر اس کا استعمال ہر اس شخص کے لئے بھی ہونے لگا جسے حقیر اور ذلیل سمجھ کر دفع ہونے یا نکل جانے کو کہا جائے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی التجا کے جواب میں فرمائیں گے کہ تم اس قدر ذلیل مخلوق ہو کہ تمہارا اس جہنم میں پڑے رہنا ہی مناسب ہے اور دیکھو! آئندہ مجھ سے کوئی ایسی التجا نہ کرنا۔

[۱۰۳] کیونکہ دنیا میں تمہاری حالت یہ تھی کہ جب میرے مخلص بندے میرے آگے دعا و استغفار کرتے تھے یا میری عبادت کرتے تھے تو تم ان پر ہنسا کرتے تھے۔ اس قدر ٹھٹھا کرتے اور ان کی نیک خصلتوں کا اتنا مذاق اڑاتے تھے کہ ان کے پیچھے پڑے رہنے کی وجہ سے تم نے میری یاد بھی بھلا دی۔ اور تمہیں اس بات کا احساس ہی نہ رہا تھا کہ تمہارے سر پر کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو ہر وقت تمہارے ان کرتوتوں کو دیکھ رہی ہے۔ اور وہ تمہیں شرارتوں کی سزا دینے پر قادر بھی ہے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ ﴿١١٠﴾ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ
الْفَائِزُونَ ﴿١١١﴾ قَالَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْأَرْضِ عَدَدَ سِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ
فَاسْأَلِ الْعَادِّينَ ﴿١١٣﴾ قَالَ إِن لَّبِثْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا لَّوْ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿١١٤﴾ أَفَحَسِبْتُمْ
أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ﴿١١٥﴾ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ

ان کے ساتھ اس مشغلہ نے تمہیں میری یاد بھی بھلادی اور تم ان پر ہنسا کرتے تھے۔(۱۱۰) آج میں نے انہیں ان کے صبر کا بدلہ [۱۰۴] دے دیا ہے۔ بلاشبہ وہی کامیاب رہے ہیں" (۱۱۱) پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا: "بتاؤ تم کتنے سال زمین میں رہے؟" (۱۱۲) وہ کہیں گے: "یہی کوئی ایک دن یا اس کا کچھ حصہ۔ اور یہ بات تو شمار کرنے والوں [۱۰۵] سے پوچھئے" (۱۱۳) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: "واقعی تم تھوڑا ہی عرصہ [۱۰۶] وہاں ٹھہرے تھے۔ کاش تم یہ بات (اس وقت بھی) جانتے ہوتے۔(۱۱۴) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں بے کار ہی پیدا کر دیا اور تم ہمارے ہاں [۱۰۷] لوٹ کر نہ آؤ گے؟" (۱۱۵) پس اللہ تعالیٰ بہت بلند شان والا ہے۔ وہی حقیقی بادشاہ ہے، اس کے

[۱۰۴] لیکن تمہارے اس تمسخر اور مذاق کے مقابلہ میں میرے مخلص بندے دنیا میں صبر ہی کرتے رہے۔ آج میں تمہیں تمہارے کرتوتوں کی پوری سزا دوں گا اور انہیں ان کے صبر کی پوری پوری جزا دے رہا ہوں۔ میں انہیں ایسا مقام عطا کر رہا ہوں جہاں وہ ہر طرح کی لذتوں اور مسرتوں سے ہمکنار ہوں گے اور یہی صبر کرنے والے لوگ ہیں جو ہر طرح سے کامیاب رہے۔

[۱۰۵] ان مذاق اڑانے والوں اور دوزخ میں داخل ہونے والوں سے اللہ تعالیٰ یا اس کے فرشتے سوال کریں گے: "بھلا بتاؤ تو کہ تم زمین میں کتنے سال مقیم رہے؟" اس سوال میں زمین سے مراد صرف دنیا کی زندگی بھی ہو سکتی ہے اور قبر کی زندگی سمیت مجموعی زندگی بھی۔ جس کے جواب میں وہ کہیں گے کہ ہمیں تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم زمین میں بھی کوئی ایک آدھ دن مقیم رہے ہیں اور ٹھیک ٹھیک مدت تو شمار کرنے والے ہی بتا سکتے ہیں۔ ان سے پوچھ لیجئے۔ اس جملہ میں عادّین یا شمار کرنے والوں سے مراد اعمال نامہ مرتب کرنے والے فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو ایک ایک دن بلکہ ایک ایک گھڑی کے اعمال ساتھ ہی ساتھ ریکارڈ کرتے جا رہے ہیں۔

[۱۰۶] یعنی یہی بات تو اللہ تعالیٰ نے فرمائی تھی کہ تمہاری یہ زندگی چند روزہ اور ناپائیدار ہے۔ لہٰذا دنیا اور اس کے ساز و سامان پر مست نہ ہو جاؤ بلکہ آخرت کی فکر کرو۔ لیکن اس وقت تو تم ہماری اس بات کا بھی مذاق اڑایا کرتے تھے اور یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ بس یہ دنیا ہی دنیا اصل حقیقت ہے۔ لہٰذا ہم جتنے مزے اڑا سکتے ہیں اڑا لیں۔ پھر کب ایسا موقع ملے گا؟ اور آج تم خود اس بات کا اقرار کر رہے ہو۔ کاش یہی بات تمہیں دنیا کی زندگی میں معلوم ہو جاتی۔

[۱۰۷] ❁ اعمال کے نتائج بھگتنے کے لئے ایک طویل مدت (آخرت) کی ضرورت:۔ تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم اس دنیا میں عیش و آرام کرنے اور مزے لوٹنے کے لئے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ اسی دنیا میں نہ ظالم کو اس کے ظلم کا بدلہ ملتا ہے نہ اپنے خیال کے مطابق نیک اعمال کرنے والوں کو ان کی نیکی کا بدلہ ملتا ہے اور نہ ہی کوئی انسان دوبارہ زندہ ہو کر واپس آیا ہے۔ جو یہ خبر دے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ﴿۱۱۶﴾ وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ
عِنْدَ رَبِّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۱۸﴾ ع

علاوہ کوئی الٰہ نہیں،[۱۰۸] وہی عرش عظیم کا مالک ہے۔(۱۱۶)

اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو پکارتا ہے جس کی اس کے پاس کوئی دلیل[۱۰۹] نہیں، تو اس کا حساب اس کے پروردگار کے سپرد ہے۔ ایسے کافر کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔(۱۱۷) اور آپ اللہ سے دعا کیجئے کہ: "اے میرے پروردگار! مجھے بخش دے[۱۱۰] اور مجھ پر رحم فرما اور تو ہی سب رحم کرنے والوں سے اچھا رحم کرنے والا ہے۔"(۱۱۸)

کہ ظالموں کو اس کے ظلم کی سزا ملی ہے۔ لہٰذا تم نے یقین کر لیا کہ یہی دنیا ہی دنیا ہے جیسے بھی بن پڑے یہاں عیش و عشرت کا سامان اکٹھا کر لو حالانکہ اگر تم اس کائنات کے نظام عدل میں ذرا بھی غور کرتے تو تمہیں معلوم ہو جاتا کہ یہ کائنات اور اس میں انسان کو محض ایک کھیل تماشہ کے طور پر نہیں بنایا گیا لیکن ہر سبب ایک نتیجہ پیدا کر رہا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ تمہارے اچھے اور برے اعمال کا کوئی نتیجہ مرتب نہ ہو۔ اور چونکہ دنیا کی زندگی اعمال کے نتیجہ بھگتنے کے لحاظ سے بہت قلیل ہے۔ لہٰذا مرنے کے بعد اب طویل زندگی کا قیام ضروری ہوا تاکہ عدل و انصاف کے تقاضے پورے کئے جا سکیں۔

[۱۰۸] ۞ اللہ تعالیٰ نے کبھی کوئی چیز بے کار پیدا نہیں کی:۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی حقیقی خالق و مالک اور بادشاہ ہے۔ اس کی شان اس بات سے بہت بلند ہے کہ وہ کوئی چیز بے کار و بے فائدہ پیدا کرے۔ اس نے جس چیز کو بھی پیدا کیا ہے۔ متعدد اغراض و مصالح کے تحت پیدا کیا ہے۔ اور جو نتائج اس سے مطلوب ہیں وہ حاصل ہو رہے ہیں اور ہو کے رہیں گے اس کی ذات اس چیز سے بھی بلند ہے کہ ظالموں کو ان کے ظلم کی سزا نہ دے۔ یا مخلص بندوں کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ نہ دے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسا حاکم نہیں جو اس کے فیصلوں پر اثر انداز ہو سکے یا سفارش کر کے اس کے فیصلوں میں رد و بدل کروا سکے۔ وجہ یہ ہے کہ کائنات کی سب سے بڑی چیز یعنی عرش عظیم کا بھی وہی مالک ہے پھر کوئی دوسری چیز کس شمار میں ہو سکتی ہے؟

[۱۰۹] ۞ غیر اللہ کو پکارنے پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود نہیں:۔ جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی پکار کر شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں اور انہوں نے انہیں اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ رکھا ہے تو ان کے پاس اس کے جواز میں نہ کوئی عقلی دلیل موجود ہے اور نہ نقلی۔ ایسے من گھڑت قصوں کی بنیاد محض وہم و گمان پر ہوتی ہے پھر تقلید آباء کی وجہ سے یہ نظریے لوگوں میں رواج پا جاتے ہیں۔ ایسے مشرکوں سے اللہ تعالیٰ پورا پورا حساب لے گا اور ہر ایک کو اس کے مقدار جرم کے مطابق سزا دی جائے گی۔ اور ایسے ہٹ دھرم اور منکر لوگ جو سمجھانے پر باز نہیں آتے۔ آخرت میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔

[۱۱۰] اوپر اسی سورہ کی آیت نمبر ۱۰۹ میں ذکر ہوا ہے کہ جب میرے بندے مجھ سے مغفرت اور رحم کی دعا کرتے تو کافر ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ ان کا انجام بتانے کے بعد پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کو یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ سے رحم اور مغفرت کی دعا مانگتے رہا کریں۔ اور اللہ چونکہ سب سے بڑا رحم کرنے والا ہے لہٰذا تمہیں یقین رکھنا چاہئے کہ وہ تم پر رحم کرتے ہوئے تمہاری تقصیرات اور خطاؤں کو معاف فرما دے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ
۶۴ آیاتھا رکوعھا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ

آیت ۶۴ (۲۴) سورہ النور[۱] مدنی ہے (۱۰۲) رکوع ۹

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

یہ ایک سورت ہے جسے ہم نے نازل کیا[۲] اور (اس کے احکام کو) لوگوں پر فرض کر دیا اور اس میں واضح آیات نازل فرمائیں تاکہ سبق حاصل کرو۔(۱) زانی عورت ہو یا مرد، ان میں

[۱] سورۂ نور کے نزول کا پس منظر:۔ سورہ نور غزوۂ بنی مصطلق کے بعد ۶ ہجری میں نازل ہوئی۔ اور غزوۂ بنی مصطلق، غزوہ احزاب یا غزوہ خندق کے بعد واقع ہوا تھا۔ غزوۂ خندق کے موقعہ پر اتحادی کافروں کا لشکر دس ہزار کے لگ بھگ تھا اور یہ لشکر ایک ماہ کے بعد ناکام واپس لوٹا تھا۔ اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ "آج کے بعد قریش ہم پر حملہ آور نہیں ہوں گے۔ بلکہ اب ہم ان پر حملہ آور ہوا کریں گے" جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ اسلام اور اسلامی ریاست اتنی مضبوط اور اپنے پاؤں پر قائم ہو چکی تھی۔ اور کفر کی تمام قوتوں، جس میں مشرکین مکہ، دوسرے مشرک عرب قبائل، مدینہ کے یہود اور منافقین سب شامل تھے، میں اب اتنی سکت باقی نہ رہ گئی تھی کہ سب مل کر بھی مدینہ پر حملہ آور ہو سکیں۔ میدان جنگ میں مات کھانے کے بعد ان لوگوں نے یہ حربہ اختیار کیا کہ جس طرح بن پڑے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کر کے اور ان میں پھوٹ ڈال کر اس طاقت کو کمزور بنا دیا جائے۔ منافق چونکہ مسلمانوں کے اندر گھسے ہوئے تھے اس لئے وہ اس سلسلہ میں سب سے اہم کردار ادا کر سکتے تھے۔ غزوہ بنی مصطلق سے واپسی پر سفر کے دوران عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین نے اسی سازش کے تحت دو کارنامے سرانجام دیئے۔ اتفاق سے انصار اور مہاجرین میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ تو عبداللہ بن ابی نے اس واقعہ کو اتنی ہوا دی اور جاہلی حمیت سے کام لے کر انصار اور بالخصوص منافقوں کو اتنا برافروختہ کر دیا قریب تھا کہ ان میں لڑائی چھڑ جائے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فوراً موقع پر پہنچ کر حالات پر کنٹرول کر لیا۔ اس دوران عبداللہ بن ابی نے بہت بکواس کی جس کا تفصیلی ذکر سورہ منافقون میں آئے گا۔ دوسرا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگا دی اور یہ واقعہ "افک" کے نام سے مشہور ہے۔ اس واقعہ کا ان منافقوں نے اس قدر پروپیگنڈا کیا کہ بعض مخلص مسلمان بھی اس پروپیگنڈا سے متاثر ہو گئے۔ واقعہ افک کا تفصیلی ذکر تو آگے آ رہا ہے سرِدست یہ بتانا مطلوب ہے کہ پورا مہینہ یہ افواہیں پھیلتی رہیں۔ منافق اس تہمت کو پھیلانے میں ایڑی چوٹی کا زور صرف کر رہے تھے۔ اور اتفاق کی بات کہ وحی بھی نازل نہیں ہو رہی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ میں پورا ایک مہینہ پریشان رہے۔ ایک ماہ بعد اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نور نازل فرمائی جس میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی واشگاف الفاظ میں بریت فرمائی۔ علاوہ ازیں مسلمانوں کے لئے نہایت مفید احکام اور پند و نصائح نازل فرمائے۔

[۲] اس سورہ کی پہلی آیت بطور تمہید ہے۔ جس میں صیغہ جمع متکلم کا تین بار تکرار کر کے اس سورہ میں نازل کردہ احکام کی

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۖ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ

سے ہر ایک کو سو درے[۳] لگاؤ، اور اگر تم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ کے دین کے

اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ نیز فرمایا کہ ان احکام کی حیثیت محض سفارشات کی نہیں بلکہ ان پر عمل کرنا فرض قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ احکام ہیں بھی ایسے جن میں کسی قسم کا الجھاؤ یا ابہام نہیں کہ کوئی حکم تم پر مشتبہ ہو جائے۔ اور ان احکام کو تمہیں ہر وقت یاد رکھنا چاہئے بھولنا نہیں چاہئے۔

[۳] زنا کی سزا سے متعلق پہلا حکم سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۵ اور ۱۶ میں نازل ہوا تھا۔ جن کا ترجمہ یہ ہے "تم میں سے جو عورتیں بدکاری کی مرتکب ہوں، ان پر چار مردوں کی گواہی لاؤ، پھر اگر وہ چاروں گواہی دے دیں تو تم ایسی عورتوں کو گھروں میں بند رکھو تا آنکہ وہ مر جائیں یا پھر اللہ تعالیٰ ان کے لئے دوسری راہ مقرر کر دے۔ اور پھر جو دو مرد تم میں سے اسی جرم کا ارتکاب کریں تو ان دونوں کو ایذا دو" (۴: ۱۵، ۱۶)

ان آیات سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے ابتدائی سزا ان کو ایذا پہنچانا تھا جس میں لعنت ملامت اور مار پیٹ سب کچھ شامل ہے۔ البتہ عورتوں کے لئے یہ اضافی سزا تھی کہ تازیست انہیں گھر میں نظر بند رکھا جائے۔

۲۔ ایسی سزا کا حکم عارضی اور تا حکم ثانی ہے۔

۳۔ یہ سزا حکومت سے نہیں بلکہ معاشرہ سے تعلق رکھتی تھی۔

۶ ہجری میں واقعہ افک پیش آیا جس کے نتیجہ میں ۶ ہجری کے آخر میں سورہ نور میں یہ سزا مقرر کی گئی جو اس آیت میں مذکور ہے۔ اس آیت میں زنا کی جو سزا مقرر کی گئی ہے صرف کنوارے زانی کے لئے ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور اس کی دلیل اس سے اگلی آیت ہے جو یوں ہے: "زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ یا مشرکہ عورت کے ساتھ اور زانیہ نکاح نہ کرے مگر زانی یا مشرک مرد کے ساتھ اور مومنوں پر یہ چیز حرام کر دی گئی ہے" (۲۴: ۳)

اب دیکھئے کہ اس آیت میں (۱) جن زانیوں کی سزا کا ذکر ہے ان کے ساتھ نکاح کی بھی ممانعت ہے اور یہ ایسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ مرد اور عورت غیر شادی شدہ ہوں۔

(۲) ❁ کوڑوں کی سزا صرف کنوارے مرد اور عورت کیلئے کیوں ہے؟ زانی مرد سے نکاح کا حق صرف زانیہ عورت کو دیا گیا ہے۔ اب وہ عورت پہلے ہی شادی شدہ ہو تو زنا کے بعد اس کا مستحق کوئی زانی ہی ہو سکتا ہے نہ کہ اس کا پہلا خاوند جس کا کوئی قصور بھی نہیں۔ اس طرح یہ سزا یا قید زانی کے حق میں تو مفید رہے گی۔ مگر پرہیزگار خاوند کے حق میں خانہ بربادی کا باعث بنے گی اور یہ چیز منشائے الٰہی کے خلاف ہے۔

(۳) ہمارے اس دعویٰ کی تائید سورہ نساء کی آیت نمبر ۲۵ سے بھی ہوتی ہے جو یوں ہے "اور تم سے جو لوگ مومن آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتے ہوں۔ تو وہ تمہاری مومن لونڈیوں سے نکاح کر لیں۔ پھر اگر وہ لونڈیاں نکاح کے بعد بھی بدچلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا سے آدھی سزا ہے جو آزاد عورتوں کو دی جائے"

اس آیت میں پہلی بار جو لفظ محصنٰت آیا ہے۔ اس کا معنی تو "آزاد غیر شادی شدہ عورت" کے سوا کوئی دوسرا ہو ہی نہیں

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

سکتا۔ جس سے نکاح کی ہدایت کی جارہی ہے اور دوسری بار جو اس آیت میں محصنٰت کا لفظ آیا ہے تو اس کا معنی بھی لامحالہ "آزاد غیر شدہ شادی عورت" ہی لینا پڑے گا اور آزاد غیر شادی شدہ زانیہ کی سزا سو کوڑے ہے۔ لہٰذا منکوحہ زانیہ لونڈی کی سزا آزاد غیر شادی شدہ عورت کی سزا سے نصف یعنی پچاس کوڑے ہے۔

❁ منکرین رجم کا اعتراض اور اس کا جواب:۔ اس آیت میں جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ سورہ نور میں مذکور سزا صرف کنوارے مرد و عورت کی ہی ہوسکتی ہے وہاں منکرین حدیث کے ایک اعتراض کا جواب بھی مہیا کر دیتی ہے۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ شادی شدہ آزاد عورت کی سزائے زنا حدیث کے مطابق رجم ہے اور شادی شدہ لونڈی کی سزائے زنا قرآن کے مطابق شادی شدہ آزاد عورت کی سزا کا نصف ہے۔ اور نصف رجم بنتی ہے اور نصف رجم چونکہ ممکن نہیں اس لیے حدیث میں وارد شدہ سزائے رجم درست نہیں ہوسکتی۔ درست بات یہ ہے کہ عورت اور مرد چاہے کنوارے ہوں یا شادی شدہ بلا امتیاز سب کی سزا سو کوڑے ہے۔

اس اعتراض کے جواب سے پہلے یہ بات سمجھ لینا ضروری ہے کہ لونڈی کا آزاد ہونا بھی احصان (یا زنا سے بچاؤ) کا ذریعہ ہے اور نکاح دوسرا ذریعہ ہے۔ آزاد عورت ایک لحاظ سے تو پہلے ہی محصن ہوتی ہے۔ شادی کے بعد احصان کا دوسرا درجہ بھی حاصل کر لیتی ہے۔ لہٰذا لغوی لحاظ سے ہم محض آزاد کنواری عورت کو محصنہ کہہ سکتے ہیں اور بیاہی عورت کو بھی خواہ وہ لونڈی ہو یا آزاد ہو۔ اب منکرین حدیث اس اعتراض میں لوگوں کو فریب یہ دیتے ہیں کہ محصنٰت کا ترجمہ تو بیاہی آزاد کر لیتے ہیں۔ حالانکہ جس آیت (۲۴:۲) میں لونڈی کی سزا مذکور ہے اس میں محصنٰت کا ترجمہ آزاد بیاہی عورت ہو ہی نہیں سکتا۔ جب کہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے۔ اور منکرین حدیث کا تو شیوہ ہی یہ ہے کہ پہلے کسی حدیث میں شکوک و شبہات پیدا کر دیتے ہیں۔ پھر سارے ذخیرہ حدیث پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تو واضح بات ہے کہ شادی شدہ مرد و عورت کا زنا کرنا کنوارے جوڑے کے زنا کرنے سے شدید تر جرم ہے۔

❁ زنا کی اقسام اور ان میں فرق:۔ زنا کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ کنوارا لڑکا اور لڑکی زنا کریں۔ اس قسم کے زنا کو سابقہ تہذیبوں میں معیوب ضرور سمجھا جاتا رہا ہے لیکن قابل دست اندازی سرکار جرم نہیں سمجھا جاتا تھا۔ سابقہ شریعتوں میں بھی ایسے زنا کی سزا نسبتاً کم تجویز کی گئی تھی۔ دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی کنوارا کسی شادی عورت سے یا شادی شدہ مرد کسی کنواری عورت سے زنا کرے اسے (Audultary) کہتے ہیں۔ تیسری قسم یہ ہے کہ فریقین شادی شدہ ہوں۔ یہ اقسام سابقہ تہذیبوں اور علیٰ ھذا القیاس شریعتوں میں بھی ایسے جرائم سمجھے جاتے رہے ہیں جن میں حکومت بھی مداخلت کر سکتی ہے اور فریقین میں سے ہر کسی کو یہ حق بھی حاصل تھا کہ وہ ایسا دعویٰ عدالت میں لے جائے اور اس طرح کے دعووں کی اصل بنیاد کسی بھی فریق کے حقوق کی پامالی ہوتی تھی نہ کہ فعل زنا۔ مثلاً کوئی شخص کسی بیاہی عورت سے زنا کر کے پیدا ہونے والے بچے کی تربیت کا سارا بوجھ بھی بیاہی عورت کے خاوند پر ڈال دیتا ہے اور اس کی وراثت میں بھی اسے حصہ دار بنا دیتا ہے۔ اسی طرح اگر شادی شدہ مرد زنا کرتا ہے اور اس کی بیوی اس کا یہ فعل برداشت نہیں کرتی تو وہ عدالت میں نالش کر سکتی ہے۔ اور اگر فریقین شادی شدہ ہوں تو اور بھی زیادہ تمدنی اور خاندانی جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ اسلامی شریعت کا امتیازی کارنامہ یہ ہے کہ اس نے محض زنا کو ہی اصل جرم قرار دے کر اس کی سزا مقرر کر دی جو قرآن میں مذکور ہے اور یہ کم سے کم سزا ہے۔ اور یہ تو واضح ہے کہ محض زنا صرف کنوارے جوڑے کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے۔ ایسا زنا خواہ فریقین کی رضامندی سے ہو تب بھی انہیں سو سو کوڑے کی سزا ضرور ملے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۞ زنا کے سدباب کے ذرائع:۔ اسلام نے سب سے پہلے فحاشی کے ذرائع کا سدباب کیا۔ سورہ احزاب جو اس سورہ سے قریباً ایک سال پہلے نازل ہوئی تھی، میں مسلمان عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ محرم رشتہ داروں کے علاوہ کسی کے سامنے اپنی زیب و زینت ظاہر نہیں کر سکتیں ان کا اصل مقام گھر ہے۔ لہٰذا وہ دور جاہلیت کی طرح گھر سے باہر اپنی زیب و زینت کا اظہار بھی نہیں کر سکتیں اور اگر ضرورتاً جانا پڑے تو بڑی چادر اوڑھ کر ہی جا سکتی ہیں۔ پھر اس سورہ نور میں مزید ایسے بہت سے احکامات دیئے گئے جو فحاشی کے سدباب کا ذریعہ تھے۔ نیز یہ حکم دیا گیا کہ معاشرہ میں جو لوگ مجرد ہیں خواہ وہ عورتیں ہوں یا مرد، غلام ہوں یا لونڈیاں، اور وہ بیوہ یا مطلقہ عورتیں ہوں یا ایسے مرد ہوں جن کی بیویاں فوت ہو چکی ہوں سب کے نکاح کر دیئے جائیں (۲۴:۳۱، ۳۲) نیز نکاح کے سلسلہ میں انہیں تمام ممکنہ سہولتیں دی گئیں۔ اس کے باوجود بھی جو لوگ مہر کی رقم یا بیوی کے نان نفقہ کی بھی طاقت نہیں رکھتے تھے انہیں پاکدامن رہنے اور روزہ رکھنے کی ہدایات دی گئیں۔

۞ شادی شدہ مرد و عورت کا زنا شدید ترین جرم ہے:۔ اب یہ تو واضح ہے کہ ان احکامات اور حدود و قیود کے بعد زنا کا زیادہ خطرہ نوجوان اور بے زوج قسم کے لوگوں یعنی کنوارے مردوں اور کنواری عورتوں سے ہی ہو سکتا تھا کیونکہ ان کے پاس شہوت کی تکمیل کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا قرآن نے ایسے لوگوں کے زنا کے جرم کو اصل بنیاد قرار دیا ہے۔ رہا شادی شدہ مرد اور عورت کا زنا تو یہ دو لحاظ سے اصل جرم سے شدید تر ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ ایسے اشخاص معاہدہ نکاح کی عہد شکنی کرتے ہیں۔ دوسرے ایک جائز ذریعہ تکمیل خواہش موجود ہونے کے باوجود اس جرم کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لہٰذا ایسے لوگوں کی سزا بھی شدید تر ہونی چاہئے۔

۞ رجم ہماری شریعت کا حصہ کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی سزا وہی رہنے دی جو شریعت موسوی میں موجود تھی۔ اور یہ بات ہم پہلے بھی سورہ انعام کی آیت نمبر ۹۰ کے الفاظ فَبِهُدٰهُمُ اقْتَدِهْ کے ضمن میں بتا چکے ہیں کہ سابقہ شریعتوں کے ایسے احکام جن کے متعلق کتاب و سنت میں کسی قسم کی نکیر نہ وارد ہو وہ بھی شریعت کا حصہ ہوتے ہیں۔ اس کی ایک مثال تو یہی رجم ہے اور دوسری مثال اعضاء و جوارح کا قصاص ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۵ میں حکایتاً یوں بیان فرمایا۔ کہ "ہم نے اس (تورات) میں یہ لکھ دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان، دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا قصاص ہوگا" یہ حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا۔ مسلمانوں کو اعضاء و جوارح کے قصاص کے متعلق الگ کوئی حکم نہیں دیا گیا۔ اس کے باوجود یہ احکام ہماری شریعت کا حصہ ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کے مطابق فیصلے صادر فرمائے۔

۞ شادی شدہ یہودی جوڑے کا رجم:۔ اسی طرح ایک یہودی اور یہودن کے زنا کا مقدمہ آپ کے پاس آیا یہ دونوں شادی شدہ تھے۔ یہود یہ مقدمہ آپ کے پاس اس غرض سے لائے تھے کہ موسوی شریعت میں اس کی سزا رجم ہے شاید شریعت اسلامیہ میں اس کی سزا کچھ نرم ہو۔ چنانچہ انہوں نے مقدمہ پیش کرنے والے سے کہہ دیا تھا کہ اگر اس کا فیصلہ رجم کی صورت میں دیا جائے تو قبول نہ کرنا اور اگر اس کے علاوہ اور فیصلہ دیا جائے تو قبول کر لینا۔ جیسا کہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۴۱ میں مذکور ہے۔ آپ نے یہود سے تورات منگوائی تو اس میں رجم کا حکم موجود تھا پھر ان کے ایک بہت بڑے عالم ابن صوریا کو بلا کر شہادت لی تو اس نے بھی اعتراف کیا کہ شادی شدہ مرد و عورت کے زنا کی سزا رجم ہے۔ چنانچہ آپ نے ان دونوں کے رجم کا فیصلہ دے دیا اور فرمایا: "یا اللہ! میں نے تیرے ایک ایسے حکم کو زندہ کیا ہے۔ جسے ان لوگوں نے مردہ یعنی متروک العمل بنا چھوڑا تھا۔"

(مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: بخاری، کتاب المحاربین۔ باب الرجم فی البلاط، مسلم۔ کتاب الحدود۔ باب حد

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الزنا۔ ابوداؤد۔ کتاب الحدود۔ باب رجم الیھودیین)

❁ امام بخاری کا اجتہاد:۔ امام بخاری اس واقعہ کو کتاب الحدود کے بجائے کتاب المحاربین میں اس لئے لائے ہیں کہ ان کے نزدیک شادی شدہ جوڑے کا زنا محض زنا نہیں بلکہ اس سے شدید تر جرم، اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محاربہ ہے اور محاربہ کی قرآن میں مذکور سزاؤں میں سے ایک سزا یُقَتَّلُوا یعنی کسی کو ایذائیں دے دے کر بری طرح سے مار ڈالنا اور وہ رجم کو بھی اسی قسم کی سزا سمجھتے ہیں۔

❁ حد رجم سے انکار کی وجوہ:۔ حد رجم سے انکار سب سے پہلے اولین منکرین حدیث یعنی معتزلہ نے پھر بعض خوارج نے کیا تھا۔ ان کے انکار کی وجہ محض انکار حدیث کے سلسلہ میں ان کی عصبیت تھی مگر آج کے دور میں ایک اور وجہ بھی اس میں شامل ہو گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ اہل مغرب اسلام کی ایسی سزاؤں کو وحشیانہ سزائیں سمجھتے ہیں۔ لہٰذا مغربیت سے مرعوب ذہن ایسی سزاؤں سے فرار اور انکار کی راہیں تلاش کر رہے ہیں۔ اور یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ انکار حدیث یا قرآنی آیات کی تاویل کی وجوہ صرف دو ہی ہو سکتی ہیں ایک اتباع ہوائے نفس اور دوسری موجودہ دور کے نظریات سے مرعوبیت پہلے ادوار میں بھی یہی دو وجوہ انکار حدیث اور تاویل قرآن کا باعث بنتی رہی ہیں اور آج بھی یہی کچھ ہو رہا ہے۔

❁ آیت رجم اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خطبہ:۔ احادیث میں رجم سے متعلق ایک آیت کا بھی ذکر آتا ہے جو بعد میں منسوخ ہو گئی تھی۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری ایام میں مسجد نبوی میں جمعہ کے دن مسلمانوں کے ایک کثیر مجمع کے سامنے خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔ جسے تقریباً سب محدثین نے اپنی اپنی کتابوں میں درج کیا ہے۔ اس خطبہ کے درج ذیل الفاظ قابل غور ہیں۔ آپ نے خطبہ کے دوران فرمایا:

"اس کتاب اللہ میں رجم کی بھی آیت موجود تھی جسے ہم نے پڑھا، یاد کیا اور اس پر عمل بھی کیا۔ رسول اکرم ﷺ کے زمانہ میں بھی رجم ہوا اور ہم نے بھی آپ کے بعد رجم کیا۔ مجھے ڈر ہے کہ کچھ زمانہ گزرنے کے بعد کوئی یہ کہنے لگے کہ ہم رجم کے حکم کو کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ ایسا نہ ہو کہ وہ اللہ کے اس فریضہ کو جسے اللہ نے اپنی کتاب میں اتارا چھوڑ کر مر جائیں۔ کتاب اللہ (سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی کتاب اللہ سے مراد تمام منزل من اللہ احکام ہوتے تھے) میں رجم کا حکم برحق ہے۔ اس پر جو زنا کرے اور شادی شدہ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ جبکہ اس کے زنا پر کوئی شرعی ثبوت یا حمل موجود ہو" (بخاری۔ کتاب المحاربین۔ باب رجم الحبلیٰ من الزنا اذا احصنت)

❁ منسوخ التلاوت آیت کا حکم باقی رہنے کی تین وجوہ:۔ اس حدیث پر اعتراض یہ ہے کہ اگر یہ آیت قرآن میں موجود تھی تو گئی کہاں؟ اور اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ وہ منسوخ ہو گئی۔ یہ ناسخ و منسوخ کی بحث چونکہ الگ تفصیل کی محتاج ہے۔ لہٰذا اسے ہم نے اس کے مناسب مقام سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۰۶ کے تحت درج کر دیا ہے۔ مختصراً یہ کہ جب اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں۔ ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾ (۸۷:۶، ۷) "یعنی ہم آپ کو پڑھائیں گے جو آپ کو فراموش نہ ہو گا مگر جو کچھ اللہ چاہے" تو پھر آخر ان لوگوں کو کیوں اعتراض ہے؟

دوسرا یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اگر یہ آیت منسوخ التلاوت ہے تو اس کا حکم کیسے باقی رہ گیا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس حکم کو باقی رکھنے کا ذریعہ یہ منسوخ التلاوت آیت نہیں بلکہ اس حکم کے بقا کی دوسری تین وجوہ ہیں ایک یہ کہ تورات کا یہ حکم شریعت محمدیہ میں بھی بدستور باقی رکھا گیا ہے۔ جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور دوسری وجہ وہ متواتر احادیث ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ تین صورتوں کے علاوہ کسی کو جان سے مار ڈالنا حرام ہے۔ شادی شدہ زانی یا زانیہ کو سنگسار کر کے مار ڈالنا، بطور

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

قصاص اور قتل مرتد اور ان تمام صورتوں میں قتل کرنا حکومت کا کام ہے، عوام کا نہیں۔ علاوہ ازیں اس حکم رجم کو باقی رکھنے کا ذریعہ وہ واقعات ہیں جن پر آپ نے رجم کی سزا دی۔

اس مقام پر اس بات کی وضاحت بھی ضروری معلوم ہوتی ہے کہ کوئی حدیث یا سنت نبوی جب صحیح ثابت ہو جائے تو وہ بالکل اسی طرح واجب الاتباع ہوتی ہے جس طرح قرآنی احکام واجب الاتباع ہیں۔ اور اگر اس کلیہ سے انحراف کیا جائے گا تو قرآن کے احکام پر عمل ہو ہی نہیں سکتا۔

پھر کچھ حضرات ایسے بھی ہیں جو خود تو سنت کو حجت تسلیم کرتے ہیں مگر منکرینِ حدیث کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ سوچنے لگتے ہیں کہ شائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کی سزائیں سورہ نور کے نازل ہونے سے پہلے دی ہوں۔ لیکن ان کا یہ خیال بھی غلط ہے سورہ نور ۶ ہجری میں نازل ہوئی تھی اور ہمیں چند ایسے واقعات بھی ملتے ہیں جن میں یہ داخلی شہادت موجود ہے کہ رجم کے یہ واقعات بعد کے ہیں۔ مثلاً

۱۔ ❁ رجم کے واقعات سورہ نور کے نزول کے بعد کے ہیں:۔ غامدیہ عورت کا رجم ہوا۔ سیدنا خالد بن ولید نے اسے پتھر مارا۔ جس سے خون کے چند چھینٹے سیدنا خالد پر پڑ گئے۔ تو آپ نے اس عورت کو گالی دی اس پر آپ ﷺ نے سیدنا خالد کو سخت تنبیہ کی اور سیدنا خالد صلح حدیبیہ اور فتح مکہ (۸ھ) کے درمیانی عرصہ میں اسلام لائے تھے۔ صلح حدیبیہ سے واپسی پر سورہ فتح نازل ہوئی جس کا ترتیب نزول کے لحاظ سے نمبر ۱۱۱ ہے جبکہ سورہ نور کا نمبر ۱۰۲ ہے۔ لہٰذا غامدیہ عورت والا واقعہ سورہ نور کے نزول سے بہت بعد کا ہے۔

۲۔ عسیف یا مزدور لڑکے کے مقدمہ کی پیشی کے وقت ابوہریرہ خود وہاں موجود تھے اور وہ خود ہی اس روایت کے راوی بھی ہیں اور فرماتے ہیں کہ کنا عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم (بخاری۔ کتاب المحاربین۔ باب اعتراف الزنا) اور اس واقعہ میں اس مزدور کی مالکہ کو رجم کیا گیا۔ اور سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جنگ خیبر (۷ ہجری) کے موقع پر آپ کے پاس حاضر ہو کر ایمان لائے جبکہ سورہ نور اس سے بہت پہلے نازل ہو چکی تھی۔

۳۔ یہودی اور یہودن کے رجم کے وقت سیدنا عبداللہ بن ابی الحارث وہاں موجود تھے۔ وہ خود کہتے ہیں کہ آپ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے ان دونوں کو رجم کیا جبکہ آپ اپنے دادا کے ساتھ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔ (فتح الباری۔ باب احکام اھل الذمۃ ج ۱۲ ص ۱۴۴)

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی ایک کثیر تعداد کے سامنے مسجد نبوی میں خطبہ ارشاد فرمایا تو مجمع میں سے کسی نے بھی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بیان پر اعتراض نہیں کیا پھر اس وقت سے لے کر آج تک یہ مسئلہ متفق علیہ چلا آرہا ہے۔ جس کا ماسوائے منکرین حدیث کے کسی نے انکار نہیں کیا۔ آج وحشیانہ سزا کے مغربی تخیل سے مرعوب ہو کر منکرین حدیث کا ماہوار رسالہ "طلوع اسلام" ایک طرف تو اس مسئلہ کو پھیپھڑوں تک کا زور لگا کر اچھال رہا ہے اور دوسری طرف قرآن میں مذکور شرعی حدود کو زیادہ سے زیادہ شرعی سزائیں قرار دے رہا ہے اور ان میں رعایت کی کوئی بات خواہ وہ قرآن کے بجائے کسی کمزور سے کمزور روایت یا تاریخ سے مل جائے اسے تسلیم کرنے پر فوراً آمادہ ہو جاتا ہے۔

رجم سے متعلق ان تصریحات کے بعد اب ہم کچھ احادیث کا مکمل ترجمہ اور مکمل حوالہ درج کر رہے ہیں۔ جو حد اور اقامتِ حد سے متعلقہ احکام و ہدایات اور شرائط پر روشنی ڈالتی ہیں:

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۔ ماعز بن مالک اسلمی کے رجم کا واقعہ بخاری میں کئی ابواب کے تحت مذکور ہے۔ ہم ان حدیثوں کا ملخص بیان پیش کرتے ہیں: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص (ماعز بن مالک اسلمی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اس وقت آپ ﷺ مسجد میں تھے۔ اس نے آپ کو آواز دی اور کہنے لگا۔ یارسول اللہ ﷺ میں نے زنا کی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ یہاں تک کہ اس نے چار مرتبہ یہی الفاظ کہے۔ جب اس نے چار مرتبہ اپنے خلاف گواہی دی۔ تو آپ ﷺ نے اسے اپنے پاس بلا کر پوچھا: کیا تو مجنون تو نہیں؟" وہ کہنے لگا۔ "نہیں" پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "تیرا نکاح ہو چکا ہے؟" اس نے کہا، "جی ہاں" پھر آپ ﷺ نے کہا: "نکاح کے بعد صحبت کر چکا ہے۔ اس نے کہا، "جی ہاں" پھر آپ ﷺ نے کہا: "شاید تو نے بوسہ لیا ہوگا یا مساس کیا ہوگا یا آنکھ سے دیکھا ہوگا؟ اس نے کہا، "نہیں یارسول اللہ ﷺ!" پھر آپ ﷺ نے صاف صاف ننگے لفظوں میں پوچھا: کیا تو نے دخول کیا تھا؟" اس نے کہا "جی ہاں" تب آپ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اس کو لے جاؤ اور رجم کرو۔" پھر ہم لوگوں نے اس کو عیدگاہ میں لے جا کر رجم کیا۔ جب اسے پتھر پڑے تو بھاگ کھڑا ہوا۔ ہم نے اسے مدینہ کے پتھریلے میدان میں جا پکڑا اور اسے رجم کر ڈالا۔ بعد میں اس واقعہ کی اطلاع آپ کو دی گئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: جب وہ بھاگ کھڑا ہوا تھا تو تم نے اسے چھوڑ دیا ہوتا" (بخاری۔ کتاب المحاربین۔ باب رجم المحصن)

۲۔ حد اور اقامت سے متعلق شرائط، ہدایات اور احکام سے متعلقہ احادیث:۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس ایک یہودی اور یہودن لائے گئے۔ جنہوں نے بدکاری کی تھی۔ آپ ﷺ نے یہودیوں سے پوچھا: تم اپنی کتاب میں اس جرم کی کیا سزا پاتے ہو؟ وہ کہنے لگے: ہمارے عالموں نے منہ کالا کرنا اور دم کی طرف منہ کر کے سوار کرانا اس کی سزا بتائی ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن سلام کہنے لگے۔ یارسول اللہ ﷺ ان سے تورات منگوایئے۔ تورات لائی گئی تو ایک یہودی رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ اس سے پہلے اور بعد کی آیتیں پڑھنے لگا۔ عبداللہ بن سلام نے اس سے کہا ذرا اپنا ہاتھ تو اٹھا جب اس نے ہاتھ اٹھایا تو نیچے رجم کی آیت تھی۔ پھر آپ ﷺ نے حکم دیا تو وہ دونوں رجم کئے گئے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یہ دونوں بلاط کے پاس رجم کئے گئے اور میں نے دیکھا کہ یہودی یہودن پر جھک گیا تھا۔ (بخاری۔ کتاب المحاربین۔ باب الرجم فی البلاط)

۳۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور زید بن خالد دونوں کہتے ہیں کہ ہم ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ آپ کتاب اللہ کے مطابق ہمارا فیصلہ فرما دیجئے۔ یہ سن کر دوسرا فریق جو کچھ زیادہ سمجھ دار تھا کھڑا ہو کر کہنے لگا: ہاں یارسول اللہ ﷺ! ہمارا فیصلہ کتاب اللہ کے موافق فرمایئے۔ اور بات کرنے کی مجھے اجازت دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اچھا بتاؤ۔ وہ کہنے لگا: میرا بیٹا اس شخص کے پاس نوکر تھا۔ اس نے اس کی بیوی سے بدفعلی کی۔ میں نے سو بکریاں اور ایک غلام بطور فدیہ اسے دیا ہے۔ اس کے بعد میں نے کئی عالموں سے یہ مسئلہ پوچھا: وہ کہتے ہیں کہ تیرے بیٹے کو سو کوڑے پڑیں گے اور ایک سال کی جلاوطنی ہوگی۔ اور اس کی بیوی کو رجم کیا جائے گا۔ آپ نے یہ سن کر فرمایا: اس پروردگار کی قسم! جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ میں کتاب اللہ کے مطابق تم دونوں کا فیصلہ کروں گا۔ سو بکریاں اور غلام جو تو نے دیا ہے تجھے واپس ہوگا۔ اور تیرے بیٹے کو سو کوڑے اور ایک سال جلاوطنی کی سزا ہے۔ اور اے انیس (بن ضحاک) تو کل صبح اس (دوسرے فریق) کی بیوی کے پاس جا کر پوچھ اگر وہ اقرار کرے تو اسے رجم کر دینا۔ چنانچہ دوسرے دن انیس اس عورت کے پاس گئے، اس نے اقرار کر لیا تو انیس نے اسے رجم کیا۔ (بخاری۔ کتاب المحاربین۔ باب اعتراف الزنا)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

٤۔ سیدنا بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ غامدیہ کی ایک عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر کہنے لگی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے زنا کی ہے۔ مجھے پاک کیجئے۔ آپ نے اس کو پھیر دیا۔ جب دوسرا دن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر کہنے لگی۔ شاید آپ مجھے ماعز کی طرح لوٹانا چاہتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں حاملہ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی نہیں تاآنکہ تو بچہ جنم دے لے۔ پھر جب اس نے بچہ جنا تو بچے کو ایک کپڑے میں لپیٹ کر لے آئی اور کہا: اب تو میں بچہ جن چکی" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جا اسے دودھ پلا حتی کہ تو اس کا دودھ چھڑائے۔ پھر جب اس نے دودھ چھڑایا تو بچے کو لے کر آئی جس کے ہاتھ میں روٹی کا ایک ٹکڑا تھا اور کہنے لگی یہ پتہ ہے میں نے اس کا دودھ چھڑا دیا ہے اور اب یہ کھانا کھاتا ہے" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بچہ ایک مسلمان کے حوالے کیا۔ پھر اس کے متعلق حکم دیا کہ اس کے سینے تک گڑھا کھودا جائے اور لوگوں کو اسے رجم کرنے کا حکم دیا۔ سیدنا خالد بن ولید ایک پتھر لے کر آگے بڑھے اور اس کے سر پر مارا۔ خون کے چھینٹے سیدنا خالد کے منہ پر پڑے تو آپ نے اس عورت کو گالی دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا خالد کو گالی دیتے سن لیا تو سیدنا خالد سے فرمایا: خالد! یہ کیا بات ہے؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس عورت نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر ٹیکس لینے والا بھی ایسی توبہ کرے تو بخش دیا جائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز جنازہ کا حکم دیا۔ نماز پڑھی گئی پھر دفن کی گئی۔ (مسلم۔ کتاب الحدود۔ باب حدالزنا)

٥۔ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ سے (شرع کی باتیں) سیکھ لو۔ اللہ نے (زانی) عورتوں کے لئے ایک راہ نکالی۔ جب کنوارا، کنواری سے زنا کرے۔ تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے اور اگر شوہر دیدہ عورت، زن دیدہ مرد سے زنا کرے تو سو کوڑے اور رجم ہے (مسلم۔ کتاب الحدود۔ باب حدالزنا)

٦۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مخزومی عورت (فاطمہ بنت اسود) نے چوری کی تو قریشیوں کو فکر لاحق ہوئی (کہ اب اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا) انہوں نے کہا: اس مقدمے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی جرأت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے سوا اور کون کرسکتا ہے۔ جو آپ کا محبوب ہے۔ خیر اسامہ رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ کی مقرر کردہ سزاؤں میں سفارش کرتے ہو؟" پھر آپ نے خطبہ دیا اور فرمایا: "تم سے پہلے لوگ صرف اس وجہ سے تباہ ہوئے کہ جب ان میں کوئی شریف و معزز چوری کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی کمزور چوری کرتا تو اس پر حد قائم کرتے۔ اللہ کی قسم! اگر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا" (بخاری۔ کتاب الانبیاء۔ باب ماذکر عن بنی اسرائیل)

٧۔ سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر عجلانی اور اس کی بیوی میں لعان کا فیصلہ فرمایا اور میں نے یہ حدیث بیان کی تو ایک شخص مجھ سے پوچھنے لگا: کیا یہ وہی عورت تھی جس کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر میں کسی کو شہادتوں کے بغیر رجم کرسکتا تو اس عورت کو ضرور کرتا؟" ابن عباس نے کہا: نہیں، یہ ایک اور عورت تھی۔ اس کی بدکاری اسلام کے زمانہ میں کھل گئی تھی۔ (بخاری کتاب الطلاق۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت راجما بغیر بینة)

٨۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تین شخص مرفوع القلم ہیں یعنی ان پر تکلیف شرعی نہیں۔ سویا ہوا یہاں تک کہ بیدار ہو دوسرے بچہ یہاں تک کہ بالغ ہو اور تیسرے مجنوں، یہاں تک کہ اسے عقل آئے" (ترمذی۔ ابواب الحدود۔ باب ما جاء فیمن لایجب علیه الحد)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۹۔ ❁ اثباتِ جرم میں شک کا فائدہ ملزم کو پہنچتا ہے:۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جہاں تک ہو سکے مسلمانوں سے حدود کو ٹالنے کی کوشش کرو۔ اور مجرم کی رہائی کی کوئی بھی شکل نظر آ رہی ہو تو اسے چھوڑ دو۔ اس لئے کہ حاکم اگر مجرم کو معاف کر دینے میں غلطی کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ سزا دینے میں غلطی کرے" (ترمذی۔ ابواب الحدود۔ باب ما جاء فی درء الحدود)

۱۰۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "جس نے کسی مسلمان کی کوئی مصیبت دور کر دی۔ اللہ آخرت کی مصیبتوں میں سے ایک مصیبت اس سے دور کر دے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کا عیب چھپایا اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کا عیب چھپائے گا۔ اور جب تک کوئی شخص اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہے اللہ اس کی مدد میں ہوتا ہے" (ترمذی۔ ابواب الحدود۔ باب ما جاء فی الستر علی المسلم)

۱۱۔ سیدنا ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوڑے بھی لگائے اور جلاوطن بھی کیا۔ (اسی طرح) سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کوڑے بھی لگائے اور جلاوطن بھی کیا" (ترمذی۔ ابواب الحدود۔ باب ما جاء فی النفی)

۱۲۔ ❁ زنا بالجبر میں عورت پر حد نہیں:۔ سیدنا علقمہ بن وائل کندی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ دور نبوی میں ایک عورت (فجر کی) نماز کے ارادہ سے نکلی اسے ایک مرد ملا جس نے اسے چھپا لیا پھر اس سے اپنی حاجت پوری کی وہ چیخنے لگی تو مرد بھاگ گیا۔ اتفاق سے ایک اور آدمی اس کے پاس سے گزرا تو اس عورت نے کہا کہ اس شخص نے میرے ساتھ ایسا اور ایسا کیا ہے۔ پھر کچھ مہاجر وہاں سے گزرے تو عورت نے وہی بات دہرائی۔ لوگوں نے اس مرد کو پکڑ لیا جس کے متعلق عورت کا گمان تھا کہ اس نے بدفعلی کی ہے۔ مگر حقیقتاً وہ زانی نہ تھا۔ اور اسے آپ ﷺ کے پاس لے گئے۔ آپ ﷺ نے اس کے رجم کا حکم دے دیا۔ اب وہ شخص کھڑا ہوا جس نے زنا کیا تھا کہنے لگا: یا رسول اللہ! اصل مجرم میں ہوں۔ آپ نے عورت سے فرمایا: تم چلی جاؤ۔ اللہ نے تجھے (جبر کی وجہ سے) بخش دیا۔ اور ملزم سے بھی آپ ﷺ نے اچھی بات کہی۔ پھر مجرم کے متعلق فرمایا کہ اسے رجم کر دو۔ نیز فرمایا کہ اس شخص نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر تمام شہر والے ایسی توبہ کریں تو ان کی توبہ قبول ہو جائے" (ترمذی۔ ابواب الحدود۔ باب ما جاء فی المرأۃ اذا استکرھت علی الزنا)

۱۳۔ سیدنا ابو بردہ بن نیار کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے علاوہ دس کوڑے سے زیادہ نہ مارے جائیں" (بخاری۔ کتاب المحاربین۔ باب کم التعزیر والادب)

۱۴۔ ❁ قید کرنے کی مشروعیت:۔ سیدنا بہز اد بن حکیم اپنے باپ سے، وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو ایک الزام میں قید رکھا" (نسائی۔ کتاب قطع السارق۔ باب امتحان السارق بالضرب والحبس)

۱۵۔ سیدنا نعمان بن بشیر کے پاس قبیلہ کلاعی کے لوگ آئے اور کہا کہ جولاہوں نے ہمارا سامان چرا لیا ہے۔ نعمان نے ان جولاہوں کو کچھ دن قید رکھا پھر چھوڑ دیا۔ کلاعی لوگ پھر نعمان کے پاس آ کر کہنے لگے: آپ نے جولاہوں کو چھوڑ دیا، نہ ان کا امتحان لیا نہ مارا۔ نعمان نے کہا: کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں انہیں ماروں؟ مگر دیکھو! اگر تمہارا سامان ان کے پاس نکل آیا تو خیر ورنہ میں اسی قدر تمہاری پیٹھ پر ماروں گا" وہ کہنے لگے: کیا یہ تمہارا حکم ہے۔ نعمان نے کہا: یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔" (نسائی۔ کتاب قطع السارق۔ باب امتحان السارق بالضرب و الحبس)

۱۶۔ ❁ سامان کی برآمدگی چوری کا ثبوت نہیں:۔ سیدنا ابوامیہ مخزومی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ کے پاس ایک چور آیا جو چوری کا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

اقرار کرتا تھا لیکن اس کے پاس مال نہ ملا۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: میں تو نہیں سمجھتا کہ تو نے چوری کی ہو گی" وہ کہنے لگا: نہیں! میں نے چوری کی ہے" آپ ﷺ نے فرمایا: اس کو لے جاؤ اس کا ہاتھ کاٹو پھر لاؤ" لوگ اسے لے گئے۔ اس کا ہاتھ کاٹا پھر لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: کہو اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ چنانچہ اس نے یہ دعا کی پھر آپ ﷺ نے فرمایا: یا اللہ اس کی توبہ قبول کر" (نسائی۔ کتاب قطع السارق۔ باب تلقین السارق)

۱۷۔ ۞ مقدمہ عدالت میں جانے سے پہلے حقدار چور کو معاف کر سکتا ہے:۔ سیدنا صفوان بن امیہ سے روایت ہے کہ انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کیا پھر نماز پڑھی پھر اپنی چادر تہ کر کے سر کے نیچے رکھی اور سو گئے۔ چور آیا اور چادر ان کے سر کے نیچے سے کھینچی (ان کی آنکھ کھلی) تو دوڑ کر چور کو پکڑ لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور بتایا کہ اس نے میری چادر چرالی ہے۔ آپ ﷺ نے چور سے پوچھا: کیا تو نے چادر چرائی تھی؟ وہ کہنے لگا "ہاں" آپ ﷺ نے دو آدمیوں سے کہا کہ اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو۔ تب صفوان کہنے لگے: یا رسول اللہ! میری نیت یہ نہ تھی کہ ایک چادر کے بدلے اس کا ہاتھ کاٹا جائے" آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کام پہلے کرنے کا تھا" (نسائی۔ کتاب قطع السارق۔ باب مایکون حرزاً ومالایکون)

۱۸۔ ۞ حد قائم کرنے کی برکت:۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی ملک میں اسلامی قانون کا جاری ہونا وہاں کے لوگوں کے لئے تیس دن (اور ایک دوسری روایت کے مطابق چالیس دن) بارش برسنے سے بہتر ہے۔ (نسائی۔ کتاب قطع السارق۔ باب الترغیب فی اقامۃ الحد)

۱۹۔ سیدنا انس بن مالک کہتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک شخص (ابوالبسر کعب بن عمرو) آپ کے پاس آکر کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک مستوجب حد گناہ کیا ہے۔ مجھے حد لگائیے۔ آپ ﷺ نے اس سے کچھ نہیں پوچھا۔ اتنے میں نماز کا وقت آگیا۔ اس نے بھی آپ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ جب آپ ﷺ نماز پڑھ چکے تو پھر وہ شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا: یا رسول اللہ ﷺ! میں نے ایک مستوجب حد گناہ کیا ہے کتاب اللہ کے مطابق مجھے سزا دیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز نہیں پڑھی؟ وہ کہنے لگا: پڑھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تو بس اللہ نے تیرا گناہ یا تیری سزا کو معاف کر دیا ہے" (بخاری۔ کتاب المحاربین۔ باب اذا اقر بالحد ولم یبین ھل للامام ان یستر علیہ)

۞ حد اور اقامت کے متعلق احادیث کا ماحصل:۔ اب ہم مندرجہ بالا احادیث کا ماحصل درج ذیل دفعات کی شکل میں پیش کرتے ہیں:

۱۔ کنوارے مرد اور کنواری عورت کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے۔ (حدیث نمبر ۳ اور نمبر ۵) جلاوطنی سے مراد ملک بدر کرنا نہیں بلکہ اتنے فاصلہ پر بھیجنا ہے جس کو شرعی اصطلاح میں سفر کہہ سکتے ہوں۔ اور اس جلاوطنی کا مقصد یہ ہے کہ آئندہ کم از کم زانی جوڑے کے ملاپ کی راہ کو ہی بند کر دیا جائے اور اس کی امکانی صورتوں کو ختم کر دیا جائے (حدیث نمبر ۳) اور یہ مقصد بعض علماء کے نزدیک قید میں ڈالنے سے بھی پورا ہو سکتا ہے اور اگر ایسا کوئی خطرہ موجود نہ ہو تو قاضی جلاوطنی کی سزا کو موقوف بھی کر سکتا ہے۔ لیکن سو کوڑے کی سزا بہر حال قائم رہے گی۔ گویا سو کوڑے تو اللہ کی مقرر کردہ حد ہے اور ایک سال کی جلاوطنی بطور تعزیر ہے۔

۲۔ کوڑا ایسا ہونا چاہئے جو نہ زیادہ سخت ہو کہ سو کوڑے پڑنے پر چمڑی ہی ادھیڑ ڈالے اور گوشت ننگا ہو جائے اور یہ مفہوم جلدۃ کے لغوی معنی میں شامل ہے اور نہ زیادہ نرم جس کو مجرم سزا بھی نہ سمجھے۔ بلکہ ایسا ہونا چاہئے جو نہ بالکل نیا اور سخت ہو اور نہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

زیادہ پرانا اور نرم ہو۔

۳۔ اسی طرح کوڑے مارنے والے (جلاد) کو بھی کوڑے اتنے زور سے نہ مارنے چاہئیں کہ ایسا معلوم ہو جیسے وہ کوئی اپنا ذاتی انتقام لے رہا ہے۔ نہ وہ پیچھے سے دوڑ کر پورے زور سے کوڑے برسائے اور نہ بالکل آہستہ مارے جس کی مجرم کو تکلیف ہی نہ ہو۔ بلکہ درمیانی روش اختیار کرنا چاہئے۔ اور وہ درمیانی روش یہ ہے کہ سو کوڑے کھانے کے بعد نہ اس کا گوشت ننگا ہونا چاہئے۔ نہ ایسا ہونا چاہئے کہ وہ سو کوڑے کھانے کے بعد مر جائے یا بے ہوش ہو کر گر پڑے یا اس کے بدن کا قیمہ اڑنے لگے۔

۴۔ کوڑے برساتے وقت چہرے اور شرم گاہ کو ضرور بچانا چاہئے۔ باقی کوڑے بھی کسی ایک ہی جگہ مثلاً سرین پر نہ مارے جائیں بلکہ بدن کے مختلف حصوں پر بانٹ کر مارے جائیں۔ مرد کو یہ سزا کھڑا کر کے اور عورت کو بٹھا کر دی جائے۔ مرد کا جسم ننگا ہو تو بھی ٹھیک ہے۔ مگر عورت کا جسم مستور ہونا چاہئے۔ البتہ بدن پر کوئی اتنا موٹا کپڑا بھی نہ ہو جو سزا کے اثر کو ہی کم یا زائل کر دے۔

۵۔ ❁ سزا میں بامر مجبوری شرعی حیلہ:۔ اگر مجرم کمزور ہو تو سو کوڑوں کی تعداد بالاقساط بھی پوری کی جا سکتی ہے۔ یعنی روزانہ پچیس تیس کوڑے لگا دیئے جائیں۔ اور بہت زیادہ کمزور ہو تو جھاڑو وغیرہ سے جس میں سو تنکے ہوں اسے سزا دے کر حد پوری کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح اگر عورت حاملہ ہو، یا نفاس میں ہو یا بچہ کو دودھ پلاتی ہو تو سزا کو اس وقت تک مؤخر کیا جائے گا۔ کہ وہ عورت اس حالت سے فارغ ہو جائے۔ (حدیث نمبر ۴)

۶۔ سو کوڑے کی سزا کی شرائط یہ ہیں کہ مجرم آزاد ہو۔ عاقل ہو، بالغ، مجنوں اور دیوانہ نہ ہو۔ (حدیث نمبر ۸)

۷۔ رجم کی سزا کے لئے چند شرائط اور بھی ضروری ہیں۔ یعنی شادی شدہ ہو اور اپنی بیوی سے ہمبستری بھی کر چکا ہو۔ (حدیث نمبر ۱) اور بعض علماء کے نزدیک مسلمان ہونا بھی شرط ہے اور ذمیوں پر اس کا اطلاق نہ ہوگا اور جو رسول اللہ نے یہودی جوڑے کو رجم کرایا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی کتاب میں یہی سزا واجب تھی اور ان سے اعتراف بھی کروایا گیا تھا (حدیث نمبر ۲)

۸۔ اگرچہ حدیث نمبر ۵ میں شادی شدہ زانی یا زانیہ کی سزا سو کوڑے اور رجم دونوں ہیں۔ تاہم دور نبوی اور خلفائے راشدین میں صرف رجم پر ہی اکتفا کیا جاتا رہا ہے۔ جیسا کہ احادیث نمبر ۱ تا نمبر ۴ سے ظاہر ہے۔ البتہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک محصنہ زانیہ کو یہ دونوں سزائیں دیں۔ جمعرات کے دن اس کو سو کوڑے لگائے اور یہ فرمایا یہ سزا کتاب اللہ کے مطابق ہے اور جمعہ کے دن اسے رجم کیا اور فرمایا یہ سزا سنت رسول ﷺ کے مطابق ہے۔ یہ واقعہ مسند احمد میں تفصیلاً مذکور ہے اور بخاری میں مجملاً (بخاری۔ کتاب المحاربین۔ باب رجم المحصن)

۹۔ مرد کو کھڑے کھڑے رجم کیا جائے گا مگر عورت کے لئے سینہ تک گڑھا کھود کر اس میں اسے داخل ہونے کو کہا جائے گا۔ (حدیث نمبر ۴)

۱۰۔ اگر انسان سے کوئی بے حیائی کا ایسا جرم سرزد ہو جائے جس پر حد لاگو ہوتی ہو تو اسے چاہئے کہ عدالت میں جا کر اعتراف کرنے کی بجائے اللہ کے حضور توبہ استغفار پر اکتفا کرے (حدیث نمبر ۱، نمبر ۴)

۱۱۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی دوسرے کو کسی گناہ میں مبتلا دیکھ لے تو اسے اپنے مسلمان بھائی کی پردہ پوشی کرنا چاہئے۔ ایسا نہ کرے کہ عدالت میں یا حاکم کے پاس اس کی رپورٹ کر دے۔ یا دوسروں کو بتاتا پھرے۔ (حدیث نمبر ۱) بشرطیکہ اس جرم کا تعلق حقوق اللہ سے ہو۔ حقوق العباد سے نہ ہو۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۱۲۔ اگر کوئی مجرم عدالت میں جا کر اپنے جرم کا اقرار کرے تو قاضی اسے یہ تلقین کر سکتا ہے کہ واپس چلے جاؤ اور اللہ سے توبہ استغفار کرو اور اسے سزا دینے کا اقدام نہ کرے۔ (حدیث نمبر۱، نمبر۴)

اسی طرح اگر کوئی مجرم عدالت میں مبہم بیان دے تو بھی قاضی اسے ایسی تلقین کر سکتا ہے (حدیث نمبر۱۹)

۱۳۔ ❁ دورِ فاروقی میں حد قذف:۔ زنا کے ثبوت کے لئے چار معتبر عاقل، بالغ مسلمانوں کی شہادت ضروری ہے اور یہ گواہی صرف مردوں کی ہو گی جس میں ایک مرد کے بجائے دو عورتوں کی گواہی قابل قبول نہیں۔ عورتوں کی گواہی کا تعلق صرف مالی امور میں معتبر ہے۔ اور یہ شہادت صاف صاف اور واشگاف الفاظ میں ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ اگر کسی ایک گواہ کے بیان سے بھی معاملہ مشکوک ہو گیا تو مجرم سزا سے بچ سکتا ہے کیونکہ شبہ کا فائدہ مجرم کو پہنچتا ہے۔ (حدیث نمبر۹) اس صورت میں گواہوں کی شامت آسکتی ہے۔ بعض علماء کے نزدیک تو ان گواہوں پر قذف کی حد لگائی جائے گی۔ چنانچہ دور فاروقی میں ایک ایسا واقعہ ہوا بھی تھا۔ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ نے مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ گورنر بصرہ پر زنا کی تہمت لگائی اور تین گواہ بھی پیش کر دیئے۔ ان میں سے ایک گواہ کا بیان مبہم ہونے کی بنا پر سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ تو سزا سے بچ گئے اور سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ اور ان کے دو ساتھیوں کو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے قذف کی حد لگائی تھی۔ اور تیسرا گواہ مبہم بیان کی وجہ سے بچ گیا تھا۔

دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ ان پر قذف کی حد نہیں لگے گی اور ان کی وجوہ یہ ہیں (۱) یہ گواہ قذف کے مدعی بن کر نہیں آتے بلکہ زنا کے گواہ ہوتے ہیں۔ (۲) سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے گواہوں کو جو سزا دی تو یہ خصوصی حالات میں تھی۔ سیدنا مغیرہ بن شعبہ اور ابو بکرہ رضی اللہ عنہما میں پہلے سے چپقلش موجود تھی اور گواہ سیدنا ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔ (۳) اگر اس طرح زنا کے گواہوں کے ادنیٰ سے شبہ کی بنا پر مار پڑنے لگے تو کبھی کوئی شخص گواہی پر تیار نہ ہو گا۔ ہماری رائے میں دوسرے گروہ کا موقف راجح معلوم ہوتا ہے۔ تاہم ایسے بے حیائی کے مقدمات میں شہادت اور افواہوں میں دلچسپی لینے سے حتی الامکان گریز ہی کرنا چاہئے۔ اور جہاں کہیں ایسی گندگی نظر آئے بھی تو اسے نشر کرنے کی بجائے پردہ پوشی سے کام لینا ہی بہتر ہوتا ہے۔

۱۴۔ شہادات کے بعد ثبوت جرم کا دوسرا معتبر ذریعہ ملزم کا اپنا اقرار ہے۔ مجرم اگر چار گواہیوں کے عوض چار بار اقرار کرے تو یہ بہتر ہے۔ جیسا کہ حدیث نمبر۱ اور نمبر۴ سے معلوم ہوتا ہے۔ تاہم ایک بار کا اقرار بھی ثبوتِ جرم کیلئے کافی ہے۔ (حدیث نمبر۳)

۱۵۔ ثبوت جرم کا تیسرا معتبر ذریعہ حمل ہے۔ اگر عورت کنواری یا بے شوہر ہے اور اسے حمل ہو جائے تو یہ قرینہ کی معتبر شہادت ہے اور اس بنا پر سزا دی جا سکتی ہے۔ (حدیث نمبر۴) نیز سیدنا عمر کا وہ خطبہ جس کا ذکر رجم کے بیان میں گزر چکا ہے۔ (بخاری۔ کتاب المحاربین۔ باب رجم الحبلیٰ)

۱۶۔ ❁ ملزم کو شبہ کا فائدہ:۔ قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مجرم کے اقرار کے بعد بھی صورت حال کی پوری تحقیق کرے۔ اگر اسے کسی قسم کا شبہ پڑ جائے تو وہ مجرم کو چھوڑ سکتا ہے کیونکہ مجرم کو سزا دینے میں غلطی کرنے سے اسے معاف کر دینے میں غلطی کرنا بہتر ہے۔ (حدیث نمبر۹)

۱۷۔ ❁ زنا کا جرم قابلِ راضی نامہ نہیں:۔ زنا کا جرم کسی قیمت پر قابلِ راضی نامہ نہیں۔ نہ ہی مال و دولت یا تاوان سے کسی کی عصمت و آبرو کی سوداگری ہو سکتی ہے۔ (حدیث نمبر۳)

۱۸۔ البتہ ایسے حدی جرائم جن کا مالی معاملات سے تعلق ہو۔ مقدمہ عدالت میں آنے سے بیشتر قابل راضی نامہ ہوتے ہیں۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲ اَلزَّانِيْ لَا

معاملہ [۴] تمہیں ان دونوں (میں سے کسی) پر بھی ترس نہ آنا چاہئے۔ اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ ان کی سزا [۵] کے وقت موجود ہونا چاہئے۔ (۲)

مثلاً چور کو معاف بھی کیا جاسکتا ہے اور اس سے مسروقہ مال لے کر بھی معافی دی جاسکتی ہے۔ علاوہ ازیں کوئی بھی شرائط جو صاحبِ حق تسلیم کرلے اس پر راضی نامہ ہو سکتا ہے۔ (حدیث نمبر ۱۷)

۱۹۔ ۞ اقبالِ جرم کیلئے سزا کی ممانعت:۔ مالی مقدمات میں اقبال جرم کرانے کے لئے ملزم کو قید تو کیا جاسکتا ہے مگر اسے بدنی سزا نہیں دی جاسکتی۔ (حدیث نمبر ۱۴، ۱۵)

۲۰۔ مقدمہ عدالت میں آجانے کے بعد مجرم کے حق میں سفارش کرنا گناہ کبیرہ ہے۔ (حدیث نمبر ۶)

۲۱۔ جرم ثابت ہو جانے کے بعد قاضی حد کی سزا میں کوئی کمی و بیشی کرنے کا مجاز نہیں۔ (سورہ نور۔ آیت نمبر ۲)

۲۲۔ ۞ قاضی اپنے علم کی بنا پر فیصلہ نہیں دے سکتا:۔ فوجداری مقدمات میں قاضی اپنے علم کی بنا پر فیصلہ نہیں دے سکتا۔ ایسے فیصلے اسے شہادتوں کی بنیاد پر ہی کرنا ہوں گے۔ (حدیث نمبر ۷)

۲۳۔ حد جاری ہونے کے بعد مجرم اس گناہ سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسے برے لفظوں سے قطعاً یاد نہ کیا جائے۔ اس پر جنازہ بھی پڑھا جائے گا۔ اور اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ (حدیث نمبر ۴ اور نمبر ۱۲)

۲۴۔ ۞ زنا کے دوسرے فریق کی تفتیش نہ کی جائے:۔ زنا کا ایک فریق اگر اپنے گناہ کا اقرار کرلے تو قاضی اسے یہ نہیں پوچھے گا کہ دوسرا فریق کون ہے؟ اگر اس پر پردہ پڑا ہے تو یہی بات اسلام کے مطابق ہے۔ نیز اسلامی قانون لوگوں کو سزا دینے کے لئے بے چین نہیں ہے۔ (حدیث نمبر ۴، نمبر ۱)

۲۵۔ اقرار کرنے والا فریق دوسرے فریق کا پتہ بتاتا ہے تو دوسرے فریق سے معلوم کیا جائے گا اگر وہ بھی اقرار کرلے تو اس پر حد جاری ہوگی۔ (حدیث نمبر ۳) اور اگر انکار کردے تو وہ بچ جائے گا۔ البتہ بعض علماء کے نزدیک پتہ بتانے والے پر قذف کی حد بھی جاری ہوگی۔ لیکن یہ بات قاضی کی تحقیق اور صوابدید پر منحصر ہے۔

۲۶۔ حدود جاری کرنے والے معاشرہ پر اللہ تعالیٰ کی بے شمار خیر و برکات کا نزول ہوتا ہے۔ (حدیث نمبر ۱۸)

۲۷۔ اگر رجم کا مجرم اقرار کے بعد اپنے اقرار سے پھر جائے یا بھاگ کھڑا ہو تو اسے مزید سزا نہیں دی جائے گی۔ (حدیث نمبر ۱)

۲۸۔ عورت سے اگر بالجبر زنا کیا گیا ہو تو اس پر حد جاری نہیں کی جائے گی۔ (حدیث نمبر ۱۲)

۲۹۔ حدود کے علاوہ کسی جرم کی تعزیر میں قاضی بدنی سزا دس کوڑوں سے زیادہ دینے کا مجاز نہیں۔ (حدیث نمبر ۱۳)

[۴] ۞ تحقیق جرم میں انتہائی نرمی:۔ مندرجہ بالا احکام و ہدایات سے واضح طور پر یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلامی قانون اس تلاش میں نہیں رہتا کہ کوئی مجرم ملے تو اسے سزا دے ڈالی جائے۔ بلکہ اس کی ہر ممکن کوشش یہ ہوتی ہے کہ مجرم سزا سے بچ جائے۔ پہلے تو وہ مجرم کو خود ہدایت دیتا ہے کہ اپنا جرم کسی کو نہ بتائے بلکہ اللہ سے توبہ و استغفار کرے۔ پھر معاشرہ کے افراد کو ہدایت دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو جرم میں مبتلا دیکھ لے تو اس پر پردہ ڈالے اور کسی کے آگے بیان نہ کرے۔ پھر قاضی کو ہدایت دیتا ہے کہ مجرم کو سمجھائے اور توبہ استغفار کی تلقین کرکے اسے واپس بھیج دے۔ پھر اس کا قانونِ شہادت اتنا سخت ہے کہ شائد ہی کوئی جرم شہادتوں کی بنا پر پایہ ثبوت کو پہنچتا ہو۔ قاضی کو یہ ہدایت دیتا ہے کہ شہادت یا مجرم کے اقرار میں کسی طرح کا شبہ پڑ جائے یا مجرم

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ وَحُرِّمَ ذَٰلِكَ عَلَى

زانی نکاح نہ کرے مگر زانیہ یا مشرکہ عورت کے ساتھ، اور زانیہ کے ساتھ وہی نکاح کرے جو خود زانی یا مشرک ہو۔ اور اہلِ ایمان پر یہ کام[۶] حرام کر دیا گیا ہے۔(۳)

اپنے اقرار سے منحرف ہو جائے تو اسے چھوڑ دیا جائے پھر وہ مجرم کی حالت دیکھتا ہے کہ آیا وہ سزا کے قابل بھی ہے یا نہیں۔

۞ اثباتِ جرم کے بعد برسر عام بدنی سزا کی وجہ:۔ ان سب مراحل سے گزرنے اور جرم کے پایہ ثبوت کو پہنچ جانے کے بعد پھر جو سزا دیتا ہے۔ وہ یقیناً سخت بھی ہے اور اس کا تعلق بھی بدنی سزا سے ہوتا ہے اس وقت حد لگانے کی حد تک تو نرمی کا برتاؤ ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ مگر مجرم پر ترس کھانے کا مطلق روادار نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ایسے مجرم پر ترس کھانا فی الحقیقت پورے معاشرے پر ظلم کے مترادف ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے مقام پر فرمایا "اے صاحبان عقل و خرد! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے" (۲:۱۷۹) بالفاظ دیگر ایک شخص کو قصاص میں مار ڈالنے سے سارے معاشرہ کو جینے کا حق ملتا ہے۔ اور وہ امن و چین سے رہ سکتے ہیں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی قانون حدود و قصاص اور تعزیرات کو بھی "اللہ کا دین" فرمایا ہے۔ کیونکہ یہ بھی اقامت دین کا ایک لازمی عنصر ہے۔ دین کا اطلاق صرف عبادات تک ہی محدود نہیں بلکہ اس لفظ کے معنی کی وسعت میں شریعت کے تمام تر احکام آجاتے ہیں۔

[۵] یعنی مجرموں کو یہ بدنی سزائیں برسرِ عام دی جائیں تاکہ انہیں اپنے کئے پر زیادہ سے زیادہ شرمندگی ہو۔ اور دوسروں کے لئے باعث عبرت ہو۔

۞ وحشیانہ سزا کا طعنہ دینے والوں کا اپنا کردار:۔ اب ایسے اسلامی معاشرہ کے مقابلہ میں ان لوگوں پر نظر ڈالنا بھی ضروری ہے جو اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ سزائیں قرار دینے میں اور اس کا پروپیگنڈہ کرنے میں اپنے پھیپھڑوں تک کا زور لگا رہے ہیں۔ انہیں صرف ایسے مجرموں پر ترس آتا ہے جو حکومت کے حامی یا اس کے رکن ہوتے ہیں۔ اور ترس اس لئے آتا ہے کہ ان کے تعاون کے بغیر ان کی حکومت چل ہی نہیں سکتی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے مجرموں نے لوٹ کھسوٹ، مار دھاڑ اور فساد کے ذریعہ لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ اور جو مجرم حکومت کے مخالف ہوں ان کے لئے علیحدہ عقوبت خانے (Cell Tarcher) بنائے جاتے ہیں اور ان مجرموں کے ایسے ایسے جاں گداز روح فرسا عذاب دیئے جاتے ہیں کہ سن کر روح کانپ اٹھتی ہے۔ اور یہ سب ظلم تنگ و تار کوٹھڑیوں میں ڈھائے جاتے ہیں کہ کسی کا دیکھنا تو درکنار کسی کو کانوں کان خبر بھی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح بسا اوقات پولیس حوالات کے دوران ملزموں کو مار مار کر ہلکان کر دیتی ہے۔ اور اس کی مثال بالکل وہی ہے جیسے موجودہ دور حکومت کے مہذب لوگ دوسرا نکاح کرنا تو جرم سمجھتے ہیں مگر حرام طریقے پر بیسیوں داشتائیں اور شناسائیں رکھی ہوتی ہیں اور اسلام جو حلال طریقے سے چار بیویوں کی اجازت دیتا ہے اس کا تمسخر اڑاتے ہیں۔

[۶] اس آیت سے واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ سو کوڑے کی سزا صرف کنوارے مرد اور عورت کے لئے ہے۔ جیسا کہ پہلے اس سورہ کے حاشیہ نمبر ۳ کے ابتدا میں اس کی وضاحت کی جا چکی ہے اسی آیت کی تشریح میں درج ذیل حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ

اور جو لوگ پاکدامن عورتوں[۷] پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ پیش نہ کرسکیں انہیں اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ اور آئندہ

۞ فحاشی میں مشہور مرد یا عورت سے نکاح کرنا حرام ہے:۔ عمرو بن شعیب کے دادا نے کہا کہ "مرثد بن ابی مرثد (غنوی) نامی ایک شخص قیدیوں کو مکہ سے مدینہ لے جایا کرتا تھا۔ مکہ میں ایک فاحشہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا اور وہ مرثد کی (اسلام لانے سے پہلے) دوست تھی۔ مرثد نے مکہ کے قیدیوں میں سے ایک شخص سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ اسے (مدینہ) لے جائے گا۔ مرثد کہتے ہیں کہ میں ایک چاندنی رات دیواروں کے سایہ میں چھپتے چھپاتے مکہ آیا۔ عناق آئی اور اس نے میرے سایہ کو دیوار کے سایہ کی طرف سرکتے دیکھا۔ جب میرے قریب آگئی تو اس نے مجھے پہچان لیا اور پوچھا "مرثد ہے؟" میں نے کہا: "ہاں! مرثد ہوں" وہ کہنے لگی: خوش آمدید! آؤ اور ہمارے ہاں یہ رات گزارو" میں نے کہا: عناق! اللہ نے زنا حرام قرار دیا ہے" وہ بول اٹھی: اے خیمہ والو! یہ شخص ہے جو تمہارے قیدی اٹھا لے جاتا ہے" چنانچہ آٹھ آدمی میرے پیچھے لگ گئے میں خندمہ کی راہ پر چلنے لگا اور ایک غار میں جا گھسا۔ وہ آئے اور میرے سر پر کھڑے تھے۔ انہوں نے پیشاب کیا جو میرے سر پر پڑا۔ تاہم اللہ نے انہیں مجھے دیکھنے سے اندھا کر دیا۔ پھر وہ چلے گئے اور میں پھر (مکہ میں) اپنے رفیق کے پاس آیا اور اسے اٹھا لیا وہ ایک بھاری بھر کم آدمی تھا۔ میں اسے اٹھا کر اذخر (کے مقام) تک پہنچا۔ پھر میں نے اس کی مشکیں کھول دیں اور پھر اسے اپنی پشت پر لاد لیا وہ مجھے تھکا تھکا دیتا تھا حتیٰ کہ میں مدینہ پہنچ گیا اور آپ ﷺ کے پاس حاضر ہو کر کہا: "یارسول اللہ ﷺ! کیا میں عناق سے نکاح کر لوں؟" آپ ﷺ چپ رہے اور مجھے کوئی جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ تب آپ ﷺ نے مجھے فرمایا کہ "اس عورت سے نکاح نہ کر" (ترمذی۔ کتاب التفسیر)

ہاں اگر کوئی زانیہ عورت یا زانی مرد اللہ کے حضور توبہ کر کے آئندہ کلیتاً اپنا طرز حیات بدل لے تو پھر ایسے لوگوں سے نکاح کی اجازت ہے۔ اس آیت میں عام مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ جو لوگ فحاشی میں مشہور ہوں ان سے رشتہ داری قائم نہ کی جائے۔ نہ انہیں لڑکی کا رشتہ دیا جائے نہ ان سے لیا جائے۔

﴿ حُرِّمَ ذٰلِكَ ﴾ کے بھی دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ فعل زنا مومنوں پر حرام کر دیا گیا ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ زنا کرنے والا جب زنا کرتا ہے تو اس وقت وہ مومن نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ الحدیث (بخاری۔ کتاب المحاربین۔ باب اثم الزناۃ) اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ پاکباز اور عفیف مسلمانوں کے لئے بدکاروں سے رشتہ نکاح کرنا حرام قرار دیا گیا ہے۔

[۷] ۞ کسی پر تہمت لگانا بہت بڑا گناہ ہے۔ یہاں محصن کا لفظ صرف پاکباز یا بے قصور کے معنوں میں آیا ہے۔ خواہ وہ عورت کنواری ہو یا شادی شدہ ہو۔ حتیٰ کہ بعض علماء کے نزدیک پاکباز لونڈی پر تہمت زنا لگانا بھی اس میں شامل ہے۔ اور یہ حکم صرف مردوں کے لئے نہیں بلکہ عورتوں کے لئے بھی ہے کہ وہ پاکباز مردوں پر ایسی تہمت نہ لگائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گناہ کو ان سات بڑے بڑے گناہوں میں شمار کیا ہے جو انسان کو ہلاک کر دینے والے ہیں۔ (بخاری۔ کتاب الوصایا۔ باب قول اللہ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى..... الآية)

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ

کبھی ان کی شہادت قبول نہ کرو۔ اور یہی لوگ بد کردار[۸] ہیں۔(۴)

البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو یقیناً اللہ بڑا بخشنے والا[۹] اور رحم کرنے والا ہے۔(۵) اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے اپنے سوا ان کے پاس گواہ بھی

۞ تہمت کے اثبات کے لئے چار شہادتیں کیوں؟ زنا کی شہادت سے مراد تو ایسی شہادت ہے جس میں وضاحت کے ساتھ فعل زنا کی شہادت ہو اور تہمت زنا کی شہادت سے مراد ایسے قرائن کی شہادت ہے جیسے کوئی یہ گواہی دے کہ میں نے فلاں اجنبی مرد اور عورت کو خلوت میں دیکھا ہے۔ یا بوس و کنار کرتے دیکھا ہے یا کوئی کسی کو ولد الزنا یا ولد الحرام کہے۔ ایسے مدعی کے لئے چار شہادتوں کا پیش کرنا ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی چار شہادتیں میسر آنا نہایت مشکل ہے۔ لہٰذا شہادتوں کے اس سخت نصاب اور پھر سخت سزا سے اصل مقصود یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی برائی دیکھ بھی لے تو اس کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو وہ پردہ پوشی کرے اور مطلقاً اس کی تشہیر نہ کرے۔ یا پھر چار شہادتیں مہیا کر کے صرف حکومت کو مطلع کرے تاکہ حکومت ملزموں کا جرم ثابت ہو جانے پر انہیں سزا دے کر اس گندگی کا سدباب کرے۔ تیسری راہ اختیار کرنا یعنی عام لوگوں میں ایسی باتیں پھیلانا معاشرہ کے حق میں اور خود اس کے حق میں انتہائی خطرناک ہے۔

دوسری بات محصنات کے لفظ سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ جو مرد یا عورت پہلے ہی بدنام مشہور ہو چکے ہوں یا پہلے ہی سزا یافتہ ہوں ان پر الزام لگانے سے نہ حد پڑے گی اور نہ ہی وہ غیر مقبول الشہادت قرار پائیں گے تاہم انہیں ایسے کام سے پرہیز کرنا چاہئے۔

[۸] ۞ پردہ پوشی کس لحاظ سے بہتر ہے؟ خواہ ایسے لوگ اپنی بات یا دعویٰ میں حقیقتاً سچے ہوں مگر مکمل ثبوت فراہم نہ ہونے کے باعث جھوٹے قرار پا گئے ہوں تب بھی ایسے لوگ بد کردار ہیں۔ اللہ کے ہاں بھی اور لوگوں کے ہاں بھی۔ اور ان کی بد کرداری یہ ہے کہ ایسی فحاشی کی بات کو معاشرے میں پھیلانا شروع کر دیا۔ جسے وہ ثابت نہیں کر سکے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لئے راہ نجات پردہ پوشی میں ہی ہے۔

[۹] سابقہ آیت میں تہمت لگانے والوں کے لئے تین باتوں کا ذکر ہوا۔ جن میں سے دو تو حکم ہیں۔ یعنی انہیں اسی کوڑے لگاؤ اور آئندہ ان کی کبھی شہادت قبول نہ کرو اور تیسری خبر ہے کہ ایسے لوگ بد کردار ہیں۔ اس آیت میں یہ ذکر ہے کہ جو لوگ اللہ کے حضور توبہ کرلیں انہیں پوری طرح اپنے گناہ کا احساس اور ندامت ہو اور آئندہ کبھی ایسی حرکت نہ کریں تو اب وہ عند اللہ اور عند الناس فاسق نہیں رہیں گے۔ البتہ پہلی دونوں دنیوی سزائیں انہیں بھگتنا ہی ہوں گی۔ تاہم بعض علماء کے نزدیک اپنی اصلاح اور توبہ کے بعد اسے مقبول الشہادت بھی قرار دیا جا سکتا ہے اور اس کی دلیل یہی ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ جھوٹی تہمت لگانے والا کم از کم دو افراد پر تو ضرور تہمت لگاتا ہے یعنی ایک مرد اور ایک عورت پر اور اس تہمت کی لپیٹ میں زیادہ افراد بھی آ سکتے ہیں۔ اب جو اسے حد لگے گی وہ ہر ایک کے لئے اسی (۸۰) کوڑے نہیں لگے گی بلکہ ایک ہی حد لگے گی۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۶
وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۷ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ
تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۸ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ

کوئی نہ ہو تو ان میں سے ایسے شخص کی شہادت یوں ہو گی کہ وہ چار دفعہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ سچا ہے۔(۶) اور پانچویں دفعہ یوں کہے گا کہ اگر وہ جھوٹا ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو(۷) اور اس عورت (جس پر الزام لگایا گیا ہے) سے سزا (حد) یوں ٹل سکتی ہے کہ وہ چار دفعہ اللہ کی قسم کھا کر گواہی دے کہ "وہ (خاوند) جھوٹا ہے"(۸) اور پانچویں دفعہ یوں کہے کہ "اگر مرد (اس کا خاوند) سچا ہو تو اس (مجھ) پر اللہ کا غضب نازل[۱۰] ہو"(۹)

[۱۰] آیت نمبر ۶ سے آیت نمبر ۹ تک کی وضاحت کے لئے درج ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیے:

۱۔ لعان کے متعلق احادیث:۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہلال بن امیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی (خولہ بنت عاصم) کو شریک بن سحماء سے متہم کیا۔ آپ ﷺ نے ہلال سے فرمایا: ("چار) گواہ لاؤ ورنہ تمہاری پشت پر حد قذف پڑے گی" ہلال رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: "یارسول اللہ ﷺ اگر ہم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی سے بدکاری کرتے دیکھے تو کیا وہ گواہ ڈھونڈتا پھرے؟" (یہ تو بہت مشکل ہے) لیکن آپ ﷺ یہی فرماتے رہے کہ گواہ لاؤ ورنہ حد پڑے گی" ہلال رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "اس پروردگار کی قسم جس نے آپ کو سچائی کے ساتھ بھیجا ہے، میں سچا ہوں اور اللہ تعالیٰ ضرور میرے متعلق کوئی ایسا حکم نازل کریں گے جس سے میری پشت کو سزا سے بچالیں گے" اس کے بعد جبریلؑ اترے اور ﴿ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ..... ﴾ سے لے کر ﴿ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ تک آیت نازل ہوئیں۔ بعد ازاں آپ نے ہلال کی بیوی کو بلا بھیجا۔ (پہلے) ہلال نے لعان کی گواہیاں دیں۔ جبکہ آپ ﷺ ساتھ ساتھ فرما رہے تھے: "دیکھو تم میں سے ایک ضرور جھوٹا ہے اور جو جھوٹا ہے وہ توبہ کرتا ہے یا نہیں؟" ہلال کے بعد اس کی بیوی کھڑی ہوئی اس نے چار گواہیاں دے دیں جب پانچویں کا وقت آیا تو لوگوں نے اسے ٹھہرایا (اور سمجھایا) کہ "یہ پانچویں گواہی تمہیں عذاب میں مبتلا کر دے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ "یہ بات سن کر وہ عورت ذرا جھجکی اور رکی اور ہم سمجھے کہ وہ اقرار کر لے گی مگر وہ کہنے لگی کہ میں اپنی قوم کو تمام عمر کے لئے رسوا نہیں کر سکتی، پھر پانچویں گواہی بھی دے دی" آپ ﷺ نے فرمایا: "دیکھتے رہو، اگر اس عورت کا بچہ کالی آنکھوں، موٹے سرین اور موٹی پنڈلیوں والا پیدا ہوا تو وہ شریک بن سحماء کا نطفہ ہو گا۔ چنانچہ اس عورت کے ہاں اسی صورت کا بچہ پیدا ہوا اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا: اگر اللہ کا حکم (لعان) نازل نہ ہوا ہوتا تو میں اس عورت کو ٹھیک سزا دیتا (بخاری۔ کتاب التفسیر)

سہل بن سعد راوی ہیں کہ عویمر (بن حارث بن زید بن جد بن عجلان) عاصم بن عدی کے پاس آئے جو عویمر کے قبیلہ بنی عجلان کے سردار تھے۔ اور ان سے پوچھا کہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھے تو تم اس بارے میں کیا کہتے ہو؟ اگر وہ اسے مار ڈالے تو تم لوگ بھی اس کو (قصاص میں) مار ڈالو گے۔ پھر وہ کیا کرے؟ عاصم رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور یہ مسئلہ پوچھا تو آپ ﷺ نے اس قسم کے سوالات کو برا سمجھا (اور خاموش رہے) پھر جب عویمر نے عاصم سے اپنے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ کا جواب پوچھا تو کہنے لگے: میں تو ایسا مسئلہ رسول اللہ ﷺ سے کبھی نہ پوچھوں گا۔ آخر عویمر خود رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہا: "اللہ کے رسول! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ دیکھے تو کیا کرے اس کو مار ڈالے تو آپ اس کو (قصاص میں) مار ڈالیں گے۔ پھر آخر کیا کرے؟" آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے اور تیری بیوی کے باب میں قرآن (میں حکم) نازل کیا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے دونوں میاں بیوی کو لعان کرنے کا حکم دیا جیسا کہ قرآن میں حکم نازل ہوا تھا۔ عویمر نے اپنی بیوی سے لعان کرنے کے بعد کہا۔ "یا رسول اللہ! اگر اب میں اس عورت کو رکھوں تو میں ظالم ہوں" چنانچہ عویمر نے بیوی کو طلاق دے دی اور بعد میں ایسے لعان کرنے والوں میں یہی طریقہ جاری ہو گیا۔ لعان کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: دیکھتے رہو اس عورت کا جو بچہ پیدا ہو اگر وہ سانولا، کالی آنکھوں، اور بڑے سرین اور موٹی پنڈلیوں والا ہو تو میں سمجھوں گا کہ عویمر نے اپنی بیوی کے متعلق سچ کہا تھا۔ اور اگر بچہ گرگٹ کی طرح سرخ رنگ کا پیدا ہو تو میں سمجھوں گا کہ عویمر نے اپنی بیوی پر تہمت لگائی۔ پھر جب بچہ پیدا ہوا تو آپ ﷺ کی بتائی ہوئی علامات کے مطابق عویمر سچا نکلا۔ چنانچہ اس بچہ کا نسب اس کی ماں سے ملایا گیا۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر) یہ لعان مسجد میں ہوا اور میں وہاں موجود تھا (کتاب الصلوٰۃ۔ باب القضاء واللعان فی المسجد)

۳۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب عویمر اور اس کی بیوی میں لعان ہو چکا تو عویمر نے کہا کہ میں نے جو مہر کا روپیہ دیا تھا وہ کدھر جائے گا تو اسے یہ جواب دیا گیا کہ تمہارے لئے کوئی مال نہیں۔ اگر تم اپنے بیان میں سچے ہو تو بھی تم اپنی بیوی سے صحبت کرتے رہے اور اگر جھوٹے ہو تو پھر تو کسی صورت تم اس کے حقدار نہیں۔ (بخاری۔ کتاب الطلاق۔ باب صداق الملاعنة)

۞ احادیث سے ماخوذ لعان سے متعلق احکام:۔ ان احادیث سے اور بعض دوسری احادیث سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوتے ہیں۔

۱۔ اگر کوئی شخص کسی غیر عورت پر تہمت لگائے تو اس کا فیصلہ شہادتوں کی بنا پر ہوگا۔ اور اگر اپنی ہی بیوی پر الزام لگائے تو اس کا فیصلہ لعان کی صورت میں ہوگا جیسے ان آیات میں مذکور ہے۔

۲۔ قسم کھانے کے دوران قاضی فریقین کو اللہ سے ڈر کر صحیح بات کہنے کی تلقین کرتا ہے۔ اور اگر فریق اپنے دعویٰ سے رک جائے تو اس پر حد قذف لگے گی اور مرد کے قسمیں کھانے کے بعد عورت رک جائے تو ظاہر ہے کہ اس نے اپنے زنا کے جرم کا اعتراف کر لیا (حدیث نمبر ۱) اس صورت میں اسے رجم کیا جائے گا۔ اور آیت نمبر ۸ میں لفظ عذاب سے یہی سزا مراد ہے۔

۳۔ لعان تفریق زوجین کی سب سے سخت قسم ہے۔ جس کے بعد فریقین میں کبھی دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا۔

۴۔ لعان کے بعد مرد طلاق دے یا نہ دے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمیشہ کے لئے جدائی از خود واقع ہو جاتی ہے۔

۵۔ لعان کے بعد مرد عورت سے حق مہر یا دیگر اخراجات کی واپسی کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ (حدیث نمبر ۳)

۶۔ لعان کے بعد عدت کے دوران عورت کا نان و نفقہ یا سکنیٰ مرد کے ذمہ نہ ہوگا۔

۷۔ پیدا ہونے والا بچہ ماں کی طرف منسوب ہوگا۔ اسے متہم زانی کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔

۸۔ بچہ ماں کا وارث ہوگا۔ اور ماں بچہ کی۔ اور وضع حمل کے بعد اگر عورت مجرم ثابت ہو جائے تو بھی اسے سنگسار نہیں کیا جائے گا۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ
بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ

اور اگر تم پر (اے مسلمانو!) اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی (تو ایسا معاملہ تم پر سخت پیچیدہ بن جاتا) اور اللہ تعالیٰ بڑا التفات فرمانے والا[۱۱] اور حکیم ہے (جس نے معافی کا یہ قاعدہ مقرر کر دیا) (۱۰) جن لوگوں نے تہمت[۱۲] کی باتیں کیں وہ تم میں سے ایک ٹولہ ہے۔ اسے تم اپنے لئے برا نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ جس نے اس میں جتنا حصہ لیا[۱۳] اتنا ہی گناہ کمایا اور

[۱۱] ۞ لعان بہت سے پیچیدہ مسائل کا حل ہے:۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ لعان کا حکم نازل نہ فرماتے تو تم پر کئی قسم کی مشکلات پڑ سکتی تھیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص خود اپنی بیوی کو بدکاری میں مبتلا دیکھ لے تو کیا کرے؟ گواہ ڈھونڈنے جائے تو گواہوں کے آنے تک معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر گواہوں کے بغیر بات کرے تو اس پر حد قذف پڑتی ہے۔ اگر خاموش ہو رہے تو خاموشی دوسروں کے حق میں تو اختیار کی جا سکتی ہے مگر اپنی بیوی کے حق میں یہ کڑوا گھونٹ کیسے پی سکتا ہے؟ اگر بیوی کو غصہ میں آکر قتل کر دے تو خود قصاص میں مارا جاتا ہے۔ اور اگر طلاق دے دے تو اس میں اس کا اپنا نقصان بھی ہے اور بیوی کو یا اس کے آشنا کو کوئی بدنی یا اخلاقی سزا بھی نہیں ملتی۔ بلکہ یہ طلاق شائد ان دونوں زانی اور زانیہ کے حق میں خوشی کا باعث ثابت ہو۔ اور اگر بالفرض محال کڑوا گھونٹ پی کر صبر کر ہی جاتا ہے تو ایک ناجائز بچے کی پرورش کا بار اس کے گلے میں آپڑتا ہے جو بعد میں اس کا وارث بھی ہوگا۔ یہ اور ایسی ہی اور کئی مشکلات تھیں جن کا تمہارے پاس کوئی حل نہ تھا۔ اللہ نے لعان کا حکم نازل فرما کر ان تمام پیچیدگیوں کو حل کر دیا۔ پھر لعان کے اس قانون میں فریقین کو یکساں سطح پر رکھا گیا ہے۔ اس لئے یہ حقیقت ہے کہ قسمیں کھانے کے باوجود ان دونوں میں سے ایک نہ ایک ضرور سچا اور دوسرا جھوٹا ہوتا ہے۔ اور یہی باتیں اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کی زبردست دلیل ہیں۔

[۱۲] یہاں آیت نمبر ۱۱ سے لے کر آیت نمبر ۲۰ تک افک کے واقعہ سے متعلق دس آیات مذکور ہیں۔ جو اس سورت کا شان نزول بنیں۔ ابتدا میں تہمت، قذف زنا کے احکام اور سزا بتانے کے بعد اس واقعہ کا آغاز اور اس پر تبصرہ ہے۔ اس کی ابتدا ہی ان الفاظ سے کی گئی ﴿وَالَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ﴾ یعنی یہ جو کچھ افواہیں پھیلیں اور قصے گھڑے گئے۔ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے جس میں حقیقت کا شائبہ تک نہیں۔

[۱۳] ۞ واقعہ افک میں ملوث ہونے والے مسلمان اور ان پر حد قذف:۔ یہ کون لوگ تھے۔ یہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی زبانی سنئے:

۱۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس آیت میں ﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ﴾ سے مراد عبداللہ بن ابی ابن سلول (رئیس المنافقین) ہے۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)

۲۔ سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس طوفان کا چرچا (مسلمانوں میں سے) دو مرد کرنے والے تھے۔ مسطح بن اثاثہ، اور حسان بن ثابت اور تیسرا عبداللہ بن ابی بن سلول منافق تھا جو کرید کرید کر پوچھتا، پھر اس پر حاشیے چڑھاتا۔ وہی اس طوفان کا بانی مبانی تھا اور ﴿وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ﴾ سے وہ اور حمنہ بنت جحش مراد ہیں" (عبداللہ بن ابی منافق کے علاوہ تینوں پر حد قذف لگی تھی) (بخاری۔ کتاب التفسیر)

۳۔ مسروق سے روایت ہے کہ حسان بن ثابت (مشہور شاعر) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے اور یہ شعر سنایا:

حصان رزان ماتزن بريبة ..... و تصبح غرثیٰ من لحوم الغوافل

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾ لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ

ان میں سے جو شخص اس تہمت کے بڑے حصہ کا[۱۴] ذمہ دار بنا اس کے لئے عذابِ عظیم ہے۔(۱۱) جب تم نے یہ قصہ سنا[۱۵] تھا تو مومن مردوں اور مومن عورتوں نے اپنے دل میں

(سیدہ عائشہ) پاکدامن، عقلمند اور ہر شک وشبہ سے بالا ہیں۔ وہ بھولی بھالی معصوم عورتوں کا گوشت کھانے (ان پر تہمت لگانے یا ان کا گلہ کرنے) سے بھوکی ہی رہتی ہیں۔ یہ شعر سن کر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مگر (حسان) تم تو ایسے نہیں۔ میں (مسروق) نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔ "آپ ایسے شخص کو کیوں آنے دیتی ہیں جس کے حق میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری ﴿وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ﴾..... الآیہ" سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اسے اندھے پن سے زیادہ اور کیا عذاب ہوگا (سیدنا حسان آخری عمر میں اندھے ہوگئے تھے) پھر یہ بھی کہا: کہ حسان رسول اللہ ﷺ کی طرف سے (کافروں کو ان کی ہجو کا) جواب دیتے تھے۔" (بخاری۔ کتاب التفسیر)

نیز عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ سیدنا حسان بن ثابت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے گواہی چاہتے تھے۔ کہتے تھے: "ابوہریرہ! تمہیں اللہ کی قسم! کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہیں سنا: "حسان! تو اللہ کے رسول کی طرف سے کافروں کو جواب دے۔ یا اللہ! روح القدس سے حسان کی مدد کر" ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: "ہاں" (بخاری۔ کتاب الصلوٰۃ باب الشعر فی المسجد)

[۱۴] سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول مندرجہ بالا احادیث سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اس فتنہ کا بانی مبانی عبداللہ بن ابی منافق تھا۔ اتفاق کی بات کہ اس غزوہ بنی مصطلق میں جتنے زیادہ منافق شامل ہوئے تھے دوسرے کسی غزوہ میں شامل نہ ہوئے تھے۔ انہی لوگوں نے ہی اس بہتان کا بھرپور پروپیگنڈہ کیا تھا۔ جس سے کئی سادہ لوح مخلص مسلمان بھی متاثر ہوگئے تھے۔ متاثر ہونے والے مسلمانوں کے نام جو کتب احادیث وسیر میں ملتے ہیں اور وہ تھے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی بہن حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا یعنی روایت کے مطابق ان تینوں کو قذف کی حد بھی لگی تھی۔ لیکن منافقوں میں سے عبداللہ بن ابی کے سوا کسی کا نام کتب تاریخ وسیر میں نہیں ملتا۔ نہ ہی منافقوں میں سے کسی کو حد لگی تھی۔ ان کا معاملہ بس اللہ کے سپرد تھا۔

❁ واقعہ اِفک میں عبداللہ بن ابی کا کردار:۔ جب یہ فتنہ کھڑا کیا گیا تو منافق خوش ہو کر اور خوب مزے لے کر ان واہیات باتوں کا تذکرہ کرتے تھے بعض اظہار افسوس کے طور پر، بعض بات چھیڑ دیتے اور خود چپکے سے سنا کرتے، اور مسلمان یہ باتیں سن کر بعض تردد میں پڑ جاتے، بعض خاموش رہتے اور بہت سے یہ باتیں سن کر جھٹلا دیتے۔ اور اس قصہ کا بڑا بوجھ اٹھانے والے اور بانی عبداللہ کا یہ حال تھا کہ لوگوں کو جمع کرتا اور ابھارتا اور نہایت چالاکی سے اپنا دامن بچا کر دوسروں سے اس کی اشاعت کرایا کرتا تھا۔ اس آیت میں بتایا یہ جا رہا ہے کہ اس قصہ میں کسی نے جتنا حصہ لیا اسی کے مطابق اسے عذابِ عظیم ہوگا۔

ان حالات میں عام انسانی سوچ کے مطابق چاہئے تو تھا کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کی اس اخلاقی گراوٹ پر غضب ناک گرفت فرماتے یا مسلمانوں کو جوابی حملے سے اکساتے مگر اللہ تعالیٰ جو سب سے بڑھ کر علیم اور حکیم ہیں نے یہ انداز اختیار فرمایا کہ تمام تر توجہ مسلمانوں کو یہ تعلیم دینے پر صرف فرمائی کہ تمہارے اخلاقی محاذ میں جہاں رخنے موجود ہیں ان کو بھر کر اس اخلاقی محاذ کو اور بھی زیادہ مضبوط بنانا چاہئے۔ اسی لئے اس سورہ میں بہت سے ستر وحجاب کے احکام نازل ہوئے جو آگے آ رہے ہیں۔

[۱۵] اس واقعہ افک کی پوری روئیداد خود سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی سنئے۔

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

۞ واقعہ اِفک سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی:۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے (خود اپنا واقعہ افک یوں) بیان کیا کہ آپ ﷺ کی عادت تھی کہ جب آپ سفر پر جاتے تو اپنی بیویوں کے نام قرعہ ڈالتے۔ قرعہ میں جس بی بی کے نام قرعہ نکلتا اسے آپ ساتھ لے جاتے۔ چنانچہ آپ نے ایک غزوہ (بنی مصطلق) میں قرعہ ڈالا جو میرے نام نکلا۔ پس میں آپ کے ساتھ روانہ ہو گئی اور یہ واقعہ حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد کا ہے۔ میں ایک ہودے میں سوار رہتی اور جب اترتی تو ہودہ سمیت اتاری جاتی۔ ہم اس طرح سفر کرتے رہے جب آپ ﷺ اس غزوہ سے فارغ ہوئے اور سفر سے لوٹے تو ہم لوگ مدینہ کے نزدیک آن پہنچے۔ ایک رات کوچ کا حکم ہوا یہ حکم سن کر اٹھی اور پیدل چل کر لشکر سے پار نکل گئی۔ جب حاجت سے فارغ ہوئی تو لشکر کی طرف آنے لگی تو مجھے معلوم ہوا کہ ظفار کے نگینوں کا ہار (جو میرے گلے میں تھا) ٹوٹ کر گر گیا۔ میں اسے ڈھونڈنے لگی اور اسے ڈھونڈنے میں دیر لگ گئی۔ اتنے میں وہ لوگ جو میرا ہودہ اٹھا کر اونٹ پر لادا کرتے تھے انہوں نے ہودہ اٹھایا اور میرے اونٹ پر لاد دیا۔ وہ یہ سمجھے رہے کہ میں ہودہ میں موجود ہوں۔ کیونکہ اس زمانہ میں عورتیں ہلکی پھلکی ہوتی تھیں۔ پُر گوشت اور بھاری بھر کم نہ ہوتی تھیں۔ اور تھوڑا سا کھانا کھایا کرتی تھیں۔ لہٰذا ان لوگوں نے جب ہودہ اٹھایا تو اس کے ہلکے پن کا کوئی خیال نہ آیا۔ علاوہ ازیں میں ان دنوں ایک کمسن لڑکی تھی۔ خیر وہ ہودہ اونٹ پر لاد کر چل دیئے۔

لشکر کے روانہ ہونے کے بعد میرا ہار (جو اونٹ کے نیچے آ گیا تھا) مجھے مل گیا میں اسی ٹھکانے کی طرف چلی گئی۔ جہاں رات کو اترے تھے۔ دیکھا تو وہاں نہ کوئی پکارنے والا ہے اور نہ جواب دینے والا (سب جا چکے ہیں) میں نے ارادہ کیا کہ اپنے ٹھکانے پر چلی جاؤں۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ جب وہ لوگ مجھے نہ پائیں گے تو اسی جگہ تلاش کرنے آئیں گے۔ میں وہاں بیٹھی رہی۔ نیند نے غلبہ کیا اور میں سو گئی۔ لشکر کے پیچھے پیچھے (گرے پڑے کی خبر رکھنے کے لئے) صفوان بن معطل سُلَمی مقرر تھے۔ وہ پچھلی رات چلے اور صبح میرے ٹھکانے کے قریب پہنچے اور دور سے کسی انسان کو سوتے ہوئے دیکھا پھر میرے قریب آئے تو مجھے پہچان لیا۔ کیونکہ حجاب کا حکم نازل ہونے سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا تھا۔ جب انہوں نے مجھے پہچان کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا تو میں بیدار ہو گئی اور اپنی چادر سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ اللہ کی قسم انہوں نے نہ مجھ سے کوئی بات کی اور نہ ہی میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون کے سوا کوئی بات سنی۔ انہوں نے اپنی سواری بٹھائی اور اس کا پاؤں اپنے ہاتھ سے دبائے رکھا تو میں اس پر سوار ہو گئی۔ وہ پیدل چلتے رہے اور اونٹنی کو چلاتے رہے تا آنکہ ہم لشکر سے اس وقت جا ملے جب وہ عین دوپہر کو گرمی کی شدت کی وجہ سے اترے ہوئے تھے۔ اور جن لوگوں کی قسمت میں تباہی لکھی تھی وہ تباہ ہوئے اس تہمت کو سب زیادہ پھیلانے والا عبداللہ بن ابی بن سلول (رئیس المنافقین) تھا۔ خیر ہم لوگ مدینہ پہنچے وہاں پہنچ کر میں بیمار ہو گئی اور ایک مہینہ بھر بیمار رہی۔ لوگ تہمت لگانے والوں کی باتوں کا چرچا کرتے رہے اور مجھے خبر تک نہ ہوئی۔ البتہ ایک بات سے مجھے وہم سا پیدا ہوا۔ وہ یہ تھی کہ آپ کی وہ مہربانی جو بیماری کی حالت میں مجھ پر ہوا کرتی تھی وہ اس بیماری میں نہیں پائی تھی۔ آپ تشریف لاتے، سلام علیک کہتے پھر یہ پوچھ کر کہ (اب طبیعت) کیسی ہے چل دیتے۔ اس بات سے مجھے کچھ شک تو پڑتا مگر کسی بات کی خبر نہ تھی۔

۞ گھروں سے باہر قضائے حاجت کی جگہیں:۔ بیماری سے کچھ افاقہ ہوا اور ابھی کمزور ہی تھی کہ مناصع کی طرف گئی۔ مسطح کی ماں (سلمٰی) میرے ساتھ تھی۔ ہم لوگ ہر رات کو وہاں رفع حاجت کے لئے جایا کرتے تھے۔ یہ اس زمانہ کی بات ہے جب اپنے گھروں کے نزدیک ہم بیت الخلاء نہیں بناتے تھے بلکہ اگلے زمانہ کے عربوں کی طرح رفع حاجت کے لئے جنگل جایا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

کرتے۔ کیونکہ گھروں کے قریب بیت الخلاء بنانے سے ان کی بدبو ہمیں تکلیف دیتی۔ خیر میں اور مسطح کی ماں جو ابورہم بن عبد مناف کی بیٹی اور اس کی ماں صخر بن عامر کی بیٹی، ابو بکر صدیق کی خالہ تھی۔ اسی کا بیٹا مسطح تھا۔ رفع حاجت سے فراغت کے بعد ہم دونوں گھر کو آرہی تھیں کہ مسطح کی ماں کا پاؤں چادر میں الجھ کر پھسلا تو کہنے لگی: "مسطح ہلاک ہو، میں نے اسے کہا": کیا بکتی ہو، کیا تم ایسے شخص کو کوستی ہو جو بدر میں شریک تھا؟" وہ کہنے لگی: "اے بھولی لڑکی، کیا تم نے وہ کچھ بھی سنا جو وہ کہتا ہے؟" پوچھا "کیا کہتا ہے؟ تب اس نے تہمت لگانے والوں کی باتیں مجھ سے بیان کیں تو میری بیماری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ جب میں گھر پہنچی۔ تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور سلام کر کے پوچھا، اب کیسی ہے؟ میں نے کہا: آپ مجھے اجازت دیجئے میں اپنے والدین کے ہاں جانا چاہتی ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ ان سے اس خبر کی تحقیق کروں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اجازت دے دی تو میں اپنے والدین کے ہاں آگئی۔ میں نے اپنی ماں سے کہا۔ امی! یہ لوگ (میری نسبت) کیا بک رہے ہیں؟" اس نے کہا: "بیٹی اتنا رنج نہ کرو۔ اللہ کی قسم! اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کسی مرد کے پاس کوئی خوبصورت عورت ہوتی ہے اور وہ اس سے محبت کرتا ہے اور اس کی سوکنیں بھی ہوں تو سوکنیں بہت کچھ کرتی رہتی ہیں" میں نے کہا": سبحان اللہ! لوگوں نے اس کا چرچا بھی کر دیا۔ چنانچہ میں یہ ساری رات روتی رہی۔ صبح ہو گئی۔ مگر نہ میرے آنسو تھمتے تھے اور نہ مجھے نیند آتی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو بلایا کیونکہ وحی اترنے میں دیر ہو رہی تھی اور آپ ﷺ اس سلسلہ میں ان سے مشورہ چاہتے تھے۔ چنانچہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کو وہی مشورہ دیا جو وہ جانتے تھے کہ عائشہ ایسی ناپاک باتوں سے پاک ہے اور اسامہ رضی اللہ عنہ کو آپ ﷺ کی بیویوں سے محبت تھی انہوں نے صاف کہہ دیا کہ عائشہ پاکدامن اور بے قصور ہیں۔ اور سیدنا علی بن ابی طالب نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ پر تنگی نہیں کرے گا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ اور بھی بہت عورتیں ہیں اور اگر آپ بریرہ رضی اللہ عنہا سے پوچھیں تو وہ آپ ٹھیک ٹھیک بتا دے گی" چنانچہ آپ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور اس سے پوچھا: کیا تم نے کوئی ایسی بات بھی دیکھی ہے کہ عائشہ کے متعلق تمہیں کچھ شک ہو؟" بریرہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں: "اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میں نے ایسی کوئی بات نہیں دیکھی۔ ہاں میں اس میں ایک بات دیکھتی ہوں اور اس سے چشم پوشی کر جاتی ہوں اور وہ یہ کہ وہ ابھی کم سن بچی ہے۔ آٹا گندھا پڑا چھوڑ کر سو جاتی ہے اور بکری آکر آٹا کھا جاتی ہے"

(ان شہادتوں کے بعد) نبی صلی اللہ علیہ وسلم (خطبہ کے لئے) کھڑے ہوئے۔ عبداللہ بن ابی بن سلول کے خلاف آپ نے مدد چاہی۔ فرمایا۔ مسلمانو! اس شخص کے مقابل کوئی میری حمایت کرتا ہے۔ جس نے میرے اہل خانہ کے بارے میں مجھے دکھ پہنچایا؟ میں نے تو اپنے اہل خانہ میں بھلائی ہی دیکھی ہے اور جس شخص سے یہ لوگ متہم کرتے ہیں اس میں بھی میں نے بھلائی ہی دیکھی ہے۔ وہ میرے گھر کبھی اکیلا نہیں آتا بلکہ میرے ساتھ ہی آتا ہے۔ یہ سن کر سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ (اوس قبیلہ کے سردار) کھڑے ہوئے اور کہنے لگے: "میں اس کے مقابل آپ کی مدد کرتا ہوں۔ اگر یہ اوس قبیلے کا ہے تو ابھی اس کی گردن اڑا دیتا ہوں۔ اور اگر ہمارے بھائیوں خزرج قبیلے کا ہے تو آپ جو حکم دیں گے بجالائیں گے" یہ بات سن کر سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو خزرج قبیلے کے سردار تھے کھڑے ہوئے۔ وہ ایک نیک بخت آدمی تھے مگر قومی حمیت نے آدبوچا تو کہنے لگے: سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ! اللہ کی قسم تو جھوٹ کہتا ہے تو نہ اسے مارے گا نہ مار سکے گا۔ اتنے میں اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ جو سعد بن

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

معاذ رضی اللہ عنہ کے چچازاد بھائی تھے۔ کھڑے ہو کر سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے: "اللہ کی قسم! تو جھوٹا ہے ہم ضرور اسے قتل کریں گے۔ کیا تو بھی منافق ہو گیا ہے جو منافقوں کی طرفداری کرتا ہے؟ اس پر دونوں قبیلوں کے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور قریب تھا کہ آپس میں لڑ پڑیں۔ نبی اکرم ﷺ ابھی منبر پر ہی تھے۔ آپ ﷺ انہیں سمجھاتے اور تھماتے رہے جب وہ خاموش ہوئے تو آپ ﷺ بھی خاموش ہو گئے۔

میرا وہ دن بھی رونے دھونے میں گزرا اور میں مسلسل دو دن سے رو رہی تھی۔ نہ میرے آنسو تھمتے تھے اور نہ نیند آتی۔ میرے والدین سمجھے کہ رو رو کر میرا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ پھر ایسا ہوا کہ میرے والدین پاس بیٹھے تھے اور میں رو رہی تھی کہ ایک انصاری عورت نے اندر آنے کی اجازت مانگی میں نے اجازت دی تو وہ بھی میرے ساتھ بیٹھ کر رونے لگی۔ اسی حالات میں آپ ﷺ تشریف لائے سلام کیا۔ پھر بیٹھ گئے۔ اس سے پہلے جب سے مجھ پر تہمت لگی تھی آپ میرے پاس نہیں بیٹھے تھے۔ ایک مہینہ بھر آپ انتظار کرتے رہے مگر وحی نہ آئی۔ آپ نے بیٹھ کر تشہد پڑھا۔ پھر فرمایا: "عائشہ! مجھ کو تیری نسبت ایسی ایسی خبر آئی ہے۔ اگر تو پاک ہے تو اللہ تیری بریعت فرمائے گا اور اگر واقعی تجھ سے کوئی قصور ہو گیا ہے تو اللہ سے اپنے قصور کی معافی مانگ اور توبہ کر۔ جب بندہ گناہ کا اقرار کرتا ہے پھر اللہ کے حضور توبہ کرتا ہے تو اللہ ان کے گناہ بخش دیتا ہے" جب آپ یہ گفتگو ختم کر چکے تو یکبارگی میرے آنسو تھم گئے یہاں تک کہ ایک قطرہ بھی میری آنکھوں میں نہ رہا۔ میں نے اپنے والد سے کہا کہ وہ آپ رسول اللہ ﷺ کو جواب دیں" وہ کہنے لگے! "اللہ کی قسم! میں نہیں جانتا کہ کیا جواب دوں" پھر میں نے اپنی والدہ (ام رومان) سے کہا کہ تم جواب دو اس نے کہہ دیا کہ "میں نہیں جانتی کہ کیا جواب دوں" آخر میں خود ہی جواب دینے لگے۔ میں ایک کمزور لڑکی تھی۔ قرآن مجھ کو زیادہ یاد نہ تھا۔ میں نے کہا: "اللہ کی قسم! میں جانتی ہوں کہ یہ بات جو آپ لوگوں نے سنی ہے آپ کے دل میں جم گئی ہے اور آپ اسے سچ سمجھنے لگے ہیں۔ اب اگر میں یہ کہوں کہ میں پاک ہوں اور اللہ خوب جانتا ہے کہ میں پاک ہوں تو بھی آپ لوگ مجھے سچا نہیں سمجھیں گے۔ اور اگر میں گناہ کا اقرار کر لوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے پاک ہوں تو آپ لوگ مجھے سچا سمجھیں گے۔ اللہ کی قسم! میں اپنی اور تمہاری مثال ایسی ہی سمجھتی ہوں جیسے سیدنا یوسف علیہ السلام کے والد کی تھی۔ انہوں نے جو کچھ کہا تھا میں بھی وہی کچھ کہتی ہوں کہ "اب صبر کرنا ہی بہتر ہے اور تمہاری باتوں پر اللہ میری مدد کرنے والا ہے"

یہ کہہ کر میں نے کروٹ بدلی۔ مجھے یہ یقین تھا کہ چونکہ میں پاک ہوں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ ضرور میری بریعت کر دے گا۔ مگر اللہ کی قسم مجھے یہ خیال تک نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں ایسی آیات نازل کرے گا جو ہمیشہ پڑھی جائیں گی میں اپنی شان اس سے بہت کمتر سمجھتی تھی۔ ہاں مجھے یہ امید ضرور تھی کہ رسول اللہ ﷺ کوئی خواب دیکھیں گے جس سے آپ پر میری بریعت واضح ہو جائے گی۔ پھر اللہ کی قسم! ابھی رسول اللہ ﷺ وہاں سے ہلے بھی نہ تھے اور نہ ہی کوئی دوسرا آدمی وہاں سے باہر گیا کہ آپ پر وحی نازل ہونا شروع ہو گئی۔ معمول کے موافق آپ پر سختی ہونے لگی اور پسینہ موتیوں کی طرح آپ کے بدن سے ٹپکنے لگا حالانکہ وہ دن سردی کا دن تھا۔ مگر وحی اترنے میں ایسی ہی سختی ہوتی تھی۔ جب وحی ختم ہوئی تو آپ ﷺ خوش تھے اور ہنس رہے تھے۔ پھر پہلی بات آپ ﷺ نے یہی کی: "عائشہ! اللہ تعالیٰ نے تمہاری بریعت فرما دی" میری والدہ مجھے کہنے لگی: اٹھو اور آپ ﷺ کا شکریہ ادا کرو۔ میں نے کہا۔ "اللہ کی قسم میں نہیں اٹھوں گی۔ میں تو صرف اللہ

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

عزوجل کا شکریہ ادا کروں گی" اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتاریں۔ ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ.....﴾ پوری دس آیات۔ جب یہ آیات اتریں تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے، جو محتاجی اور رشتہ کی وجہ سے مسطح کی مدد کیا کرتے تھے، کہا: اللہ کی قسم! "آئندہ میں مسطح کو کچھ نہیں دیا کروں گا جبکہ اس نے عائشہ کے متعلق ایسی باتیں کیں" تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ ..... غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾ یہ آیت سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ کہنے لگے: اللہ کی قسم! مجھے یہ پسند ہے کہ اللہ مجھے بخش دے۔ پھر وہ مسطح سے پہلا سا سلوک کرنے لگے اور کہا: "اللہ کی قسم! جب تک مسطح زندہ رہا میں یہ معمول بند نہ کروں گا"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ: (اس تہمت کے زمانہ میں) آپ ﷺ زینب بن جحش (ام المومنین) سے میرا حال پوچھتے کہ "تم عائشہ کو کیسی سمجھتی ہو اور تم نے کیا دیکھا ہے؟" تو انہوں نے کہا: "یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے کان اور آنکھ کی خوب احتیاط رکھتی ہوں، میں تو عائشہ رضی اللہ عنہا کو اچھا ہی سمجھتی ہوں" آپ ﷺ کی بیویوں میں سے زینب ہی میرے برابر کی تھیں۔ بڑھ چڑھ کر رہنا چاہتی تھیں۔ اللہ نے ان کی پرہیزگاری کی وجہ سے انہیں بچا لیا اور ان کی بہن حمنہ بنت جحش اپنی بہن سے اس بارے میں جھگڑنے لگی تو جیسے دوسرے تہمت لگانے والے تباہ ہوئے وہ بھی تباہ ہوئی۔ (بخاری۔ کتاب التفسیر)

اس مفصل حدیث کی رو سے مسلمانوں کی مضبوط اخلاقی حالت کا درج ذیل امور سے پتہ چلتا ہے:

۱۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس واقعہ کو ایک بہتان ہی سمجھتے تھے۔ وہ صرف اپنی زوجہ محترمہ کو ہی نہیں، صفوان بن معطل کو بھی ایک پاکباز انسان سمجھتے تھے۔

۲۔ اس قصہ کا براہ راست صدمہ آپ ﷺ کی ذات کو پہنچتا تھا۔ اور آپ ﷺ کے ایک ادنیٰ سے اشارے سے بہتان تراشوں کا صفایا بھی کیا جا سکتا تھا۔ مگر جب قومی اور قبائلی عصبیت کی بنا پر اس میں جھگڑا شروع ہوا تو آپ ﷺ نے یہ صدمہ جانکاہ خود اپنی ذات پر برداشت کر لیا۔ مگر مسلمانوں میں جھگڑا نہ ہونے دیا۔

۳۔ آپ اس سلسلہ میں پورا مہینہ بے تاب و بے قرار رہے اس لئے کہ یقینی علم یا علم غیب آپ ﷺ کو حاصل نہ تھا۔ ورنہ آپ دوسروں سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کوئی استفسار نہ فرماتے۔ اور شاید اس تاخیر میں یہ مصلحت بھی پوشیدہ ہو کہ بعد میں آنے والے لوگوں میں کچھ لوگ آپ کو عالم الغیب نہ سمجھنے لگیں یا ثابت نہ کرنے لگیں۔

۴۔ اپنے یقین کامل کے باوجود آپ نے اس واقعہ کی حتمی تردید اس لئے نہ فرمائی کہ ایک شوہر کی اپنی بیوی کے لئے تردید مخالفین کی نظروں میں کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔

۵۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین بھی ذاتی طور پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پاکباز سمجھتے تھے۔ جیسا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی والدہ ام رومان کے جواب سے واضح ہوتا ہے۔ تاہم وہ بھی حتمی تردید اس لئے نہ کر سکتے تھے یا پاکبازی کا بیان اس لئے نہ دے سکتے تھے کہ والدین کا اپنی بیٹی کے حق میں پاکیزگی کا بیان مخالفین کا منہ بند نہیں کر سکتا۔

۶۔ آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں سیدنا اسامہ بن زید، سیدہ بریرہ اور ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش سے استفسار فرمایا اور یہ سب آپ کے گھر کے افراد تھے۔ سب نے پرزور الفاظ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکبازی کا بیان دیا۔ سیدہ زینب جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سوکن اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان کے مطابق ان کے مقابلہ کی چوٹ تھیں۔ انہوں نے بھی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ذکر خیر ہی فرمایا۔ چوتھے گھر کے فرد سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے جن سے آپ نے استفسار فرمایا۔ انہوں نے

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ

اچھی بات کیوں نہ سوچی اور یوں[۱۶] کیوں نہ کہہ دیا کہ "یہ تو صریح بہتان ہے"(۱۲)

پھر یہ تہمت لگانے والے اس پر چار گواہ کیوں نہ لا سکے؟ پھر جب یہ گواہ نہیں[۱۷] لا سکے تو اللہ

اس الزام کی تردید یا سیدہ عائشہ کی پاکبازی بیان کرنے کے بجائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کبیدگی اور خوشنودی کا لحاظ رکھ کر جواب دیا۔ تاہم ان کی زبان سے بھی ایسا کوئی لفظ نہیں نکلا جس سے اس الزام کی تائید ہوتی ہو یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی ذات یا پاکبازی پر کوئی حرف آتا ہو۔

۷۔ ❁ واقعہ کے دوران عامۃ المسلمین کا بلند پایہ اخلاق:۔ عامۃ المسلمین کی بھی اخلاقی حالت اتنی مضبوط تھی کہ منافقوں کے پرزور پروپیگنڈہ کے باوجود تین افراد کے سوائے کوئی ان سے متاثر نہ ہو سکا ان میں سے بھی حمنہ بنت جحش اپنی بہن کی خاطر اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو نیچے دکھانے کی وجہ سے اس بہتان میں شامل ہو گئی تھیں۔

اور اس واقعہ میں مسلمانوں کے لئے خیر کے پہلو یہ تھے:

۱۔ اس واقعہ سے مسلمانوں کے ایمان کا امتحان ہو گیا اور منافقین چھٹ کر سامنے آ گئے۔ جو یہ چاہتے تھے کہ اس طرح مسلمانوں میں پھوٹ ڈال کر انہیں کمزور کر دیا جائے۔ لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا اور مسلمانوں کا اخلاقی توفق پہلے سے بھی زیادہ نمایاں ہو گیا۔

۲۔ جو افراد اس صدمہ سے جس قدر متاثر تھے اسی قدر وحی الٰہی ان کے لئے تسلی اور خوشی کا باعث ہوئی۔ جب وحی ختم ہوئی تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خوشی کی وجہ سے ہنس رہے تھے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین کی خوشی کا بھی یہ اثر تھا کہ انہوں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کا شکریہ ادا کرنے کو کہا۔ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خوشی کی تو کچھ انتہا ہی نہ تھی جن کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ ان کی برءت میں دس آیات نازل ہوں گی جو تا قیامت پڑھی جاتی رہیں گی اور آئندہ کے لئے ان کا لقب ہی صدیقہ پڑ گیا۔

۳۔ مسلمانوں کو ایسی ہدایات و احکام دیئے گئے جن پر عمل پیرا ہونے سے وہ ایسے فتنہ خیز اور فتنہ پرور طوفانوں کا بخیر و بخوبی مقابلہ کر سکیں۔

[۱۶] جب اس بہتان کا عام چرچا ہونے لگا تو ایک دن سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی نے اپنے شوہر سے کہا: لوگ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق ایسی ایسی باتیں کرتے ہیں۔ سیدنا ایوب رضی اللہ عنہ کہنے لگے: "لوگ بکواس کرتے ہیں۔ تم خود ہی بتاؤ۔ کہ تم ایسا کام کر سکتی ہو؟ وہ کہنے لگی: "ہرگز نہیں" وہ کہنے لگے: پھر (صدیق کی بیٹی اور نبی کی بیوی) عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تجھ سے بڑھ کر پاک صاف اور طاہر و مطہر ہیں۔ ان کی نسبت ایسا بے وجہ گمان کیوں کیا جائے۔ اور میں کہتا ہوں کہ اگر صفوان کی جگہ میں خود ہوتا تو ایسا خیال تک نہ کر سکتا تھا اور صفوان تو مجھ سے بہتر مسلمان ہے" اور مسلمانوں کی اکثریت کی فکر کا انداز یہی تھا۔

[۱۷] ❁ واقعہ افک کا قانونی پہلو:۔ یہ اس واقعہ کا قانونی پہلو ہے کہ ایسی شہادتیں جو بدکاری پر دلالت کرتی ہوں وہ کبھی میسر آ بھی نہ سکتیں تھی۔ کیونکہ قرائن سب کے سب خلاف تھے۔ واقعہ یہ تھا کہ پیچھے رہ جانے والی کوئی عام عورت نہ تھی بلکہ تمام مسلمانوں کی ماں ہے اور پیچھے سے آنے والا بھی پکا مسلمان ہے جو انہیں فی الواقع اپنی ماں ہی سمجھتا ہے۔ ماں اس سے پردہ بھی کر لیتی ہے اور وہ آپس میں نہ اس وقت ہمکلام ہوتے ہیں اور نہ پورے دوران سفر۔ اور یہ سفر صبح سے لے کر دوپہر تک دن دیہاڑے ہو رہا ہے۔ عورت اونٹ پر سوار ہے اور مرد خاموش آگے آگے چل رہا ہے۔ تا آنکہ وہ مسلمانوں کے لشکر سے جا ملتا

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

www.KitaboSunnat.com

فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ
مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ
عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ
بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾ يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾

کے ہاں یہی جھوٹے ہیں۔(۱۳) اور اگر تم پر دنیا اور آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت [۱۸] نہ ہوتی تو جن باتوں میں تم پڑ گئے تھے اس کی پاداش میں تمہیں بہت بڑا عذاب آلیتا۔(۱۴) جب تم اپنی زبانوں سے اس کا ایک دوسرے سے ذکر کرتے تھے اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہہ رہے تھے جس کے متعلق تمہیں کچھ علم نہ تھا اور تم اسے معمولی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ وہ اللہ کے ہاں [۱۹] بہت بڑی بات تھی۔(۱۵) جب تم نے یہ قصہ سنا تھا تو تم نے یوں کیوں نہ [۲۰] کہہ دیا کہ: "ہمیں یہ مناسب نہیں کہ ایسی بات کریں، سبحان اللہ! یہ تو بہت بڑا بہتان ہے"(۱۶) اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم مومن ہو تو آئندہ کبھی ایسی [۲۱] حرکت نہ کرنا۔(۱۷)

ہے۔ ایسے حالات میں بدگمانی کی محرک صرف دو ہی باتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ گمان کرنے والا خود بدباطن اور خبیث ہو۔ جو ایسے حالات میں خود یہی کچھ سوچتا یا کرتا ہو اور اس طرح دوسرے سب لوگوں کو بھی اپنی ہی طرح سمجھتا ہوں۔ اور دوسری یہ کہ وہ ایسے موقع کو غنیمت جان کر از راہ دشمنی ایسی بکواس کرنے لگے اور منافقوں میں یہ دونوں باتیں پائی جاتی تھیں۔

[۱۸] اللہ کا فضل اور رحمت یہ تھی کہ اس نے مسلمانوں کو بالعموم اور اپنے پیغمبر ﷺ کو بالخصوص ان حالات میں صبر و استقامت کی توفیق بخشی۔ ورنہ منافقوں نے جس طرح مسلمانوں پر یہ زبردست وار کیا تھا۔ اگر مسلمان بھی جوابی کارروائی پر اٹھ کھڑے ہوتے تو حالات کوئی سنگین صورت اختیار کر سکتے تھے۔

[۱۹] انسان کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی کافی ہے کہ وہ سنی سنائی بات آگے بیان کر دے:۔ محض سنی سنائی بات کو بغیر تحقیق کے آگے بیان کر دینا کبیرہ گناہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ کسی انسان کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو کچھ سنے اسے آگے منتقل کر دے" (مقدمہ صحیح مسلم)

[۲۰] بدظنی سے اجتناب اور حسنِ ظن کی تاکید:۔ اس آیت میں ایک بڑا قیمتی اخلاقی ضابطہ بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک شخص کو دوسرے کے متعلق حسن ظن ہی رکھنا چاہئے۔ تاکہ اس کے خلاف بدظنی کی کوئی یقینی وجہ اس کے علم میں نہ آجائے۔ یہ اصول قطعاً غلط ہے کہ ہر ایک کو شکوک و شبہات کی نظر سے دیکھا جائے تا آنکہ اس کی امانت و دیانت کا کوئی یقینی ثبوت ہاتھ نہ آجائے۔ اور یہاں تو معاملہ اور بھی زیادہ سخت تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ پر محض بدظنی کی بنا پر بہتان لگانا پھر اسے ہوا دینا کوئی معمولی بات نہ تھی۔ بلکہ اتنا سنگین جرم تھا کہ اس کی بنا پر تم پر عذاب نازل ہو سکتا تھا۔ یہ اللہ کی رحمت اور مہربانی ہی تھی کہ اس نے تمہیں ایسے عذاب سے محفوظ رکھا۔

[۲۱] یعنی آئندہ منافقوں کی ایسی معاندانہ چالوں سے ہوشیار اور چوکس رہنا چاہئے۔ نیز پیغمبر اسلام اور آپ ﷺ کے گھر

محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ